یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ علی بن سفیان یہیں ہے یا کہیں گیا ہوا ہے۔ اُسے غیر حاضر دیکھ کر صلیبی نے خطرہ محسوس کیا کہ علی بن سفیان ان کی گرفتاری کا انتظام کرنے گیا ہے۔ اُس نے اپنے ساتھیوں کو جا کر بتایا کہ وہاں سے فوراً نکلنے کی ترکیب کریں۔ رات آدھی گزر گئی تھی۔ یہ لوگ شہر سے ناواقف تھے۔ دن کے وقت وہ اپنی منزل ڈھونڈ سکتے تھے۔ رات کو لڑکیوں کو ساتھ ساتھ لیے پھرنا مناسب نہیں تھا۔

ایک نے مشورہ دیا کہ سرائے میں چلے چلتے ہیں۔ وہاں جا کر کہیں گے کہ ہم قاہرہ کے تاجر ہیں، باہر کھلے میدان میں سو نہیں سکتے اس لیے سرائے میں رات گزارنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ایک آدمی کو چوری چھپے اس کام کے لیے بھیج دیا کہ سرائے تلاش کرے اور وہاں سے معلوم کرے کہ رات کے وقت چار آدمیوں اور چار عورتوں کو جگہ مل سکتی ہے یا نہیں۔ اگر جگہ مل جائے تو وہ یہاں سے اکیلے اکیلے نکلیں اور سرائے میں پہنچ جائیں۔ ان کے لیے سامان ایک مسئلہ تھا۔ یہ بظاہر تجارتی سامان تھا لیکن اس میں زر و جواہرات اور تحفے تھے جو وہ صلیبیوں کی طرف سے امراء کے لیے لائے تھے۔ وہ چونکہ امراء کے پاس جانے کے لیے آئے تھے اس لیے انہیں ایسا کوئی خطرہ نہ تھا کہ پکڑے جائیں گے۔ انہوں نے بہروپ اس لیے دھار رکھا تھا کہ امراء کے سوا اور کوئی انہیں نہ پہچان سکے۔ امراء سے مل کر انہیں وہیں رہنا اور تخریب کاری کرنی تھی، اس لیے وہ اپنی اصلیت چھپائے رکھنا چاہتے تھے۔

ان کا بھیجا ہوا آدمی سرائے کی تلاش میں جا رہا تھا۔ گلیاں اور بازار ویران تھے۔ اُسے کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا جس سے وہ پوچھتا کہ سرائے کہاں ہے۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر مارے مارے پھرنے کے بعد اسے سامنے سے ایک آدمی آتا دکھائی دیا۔ اندھیرے میں اتنا ہی پتہ چلتا تھا کہ وہ کوئی انسان ہے۔ وہ قریب آیا تو صلیبی نے اُس سے سرائے کے متعلق پوچھا۔ اُس نے سر اور آدھے چہرے پر چادر سی ڈال رکھی تھی۔ اُس نے صلیبی کو بتایا کہ سرائے شہر کے دوسرے سرے پر ہے۔ پھر اس سے پوچھا کہ وہ اتنی رات گئے سرائے کیوں ڈھونڈ رہا ہے۔ ایسے وقت میں اس کے لیے سرائے کا دروازہ نہیں کھلے گا۔ صلیبی نے اسے بتایا کہ وہ آج تاجروں کے قافلے کے ساتھ آئے ہیں۔ ان کے ساتھ چار عورتیں ہیں جنہیں وہ خیموں میں نہیں رکھنا چاہتے۔

"ہاں، یہ ایک مسئلہ ہے" — اس آدمی نے کہا۔ "تمہیں شام سے پہلے بندوبست کر لینا چاہیے تھا۔ آؤ، میں تمہاری کچھ مدد کرتا ہوں۔ تم پردیسی ہو۔ یہاں سے جا کر یہ نہ کہو کہ دمشق میں تمہاری مستورات کھلے میدان میں پڑی رہی تھیں۔ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ مستورات کو ساتھ لے آؤ۔ میں سرائے کھلوا کر جگہ دلوا دوں گا۔"

وہ آدمی صلیبی کے ساتھ چل پڑا اور دونوں قافلے کی خیمہ گاہ تک پہنچ گئے۔ صلیبی نے اُسے ایک جگہ روک کر کہا — "تم یہیں ٹھہرو۔ میں انہیں لے کر آتا ہوں" — یہ کہہ کر وہ خیمہ گاہ کے ایک طرف سے گھوم کر کہیں غائب ہو گیا۔ صلیبیوں کے خیمے دوسری طرف اور ذرا ہٹ کر تھے۔ اس آدمی نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ ایک آدمی اس کے ساتھ آیا ہے جو انہیں سرائے میں جگہ دلا دے گا۔ اس کے ساتھی کچھ گھبرائے۔ یہ آدمی بھی

دھوکہ دے سکتا تھا لیکن وہ ایسے جال میں پھنس گئے تھے جس سے نکلنے کے لیے انہیں کوئی نہ کوئی تو خطرہ مول لینا ہی تھا۔ مصری جاسوس جو صلیبی لڑکی کے جھانسے میں آ گیا تھا اس نے لڑکی کو یہاں تک بتا دیا تھا کہ خلیفہ اور امراء صلیبیوں کے زیرِ اثر آ گئے ہیں، اس لیے علی بن سفیان بہروپ میں ایک سوداگر کا جاسوسوں کے ساتھ آیا ہے اور ان کا مشن یہ ہے کہ یہاں کا جائزہ لیں کہ صلیبی اثرات کہاں تک پہنچے ہیں اور کیا صلاح الدین ایوبی کے لیے جنگی کارروائی ضروری ہے یا نہیں۔

لڑکی نے علی بن سفیان کا یہ مشن اپنے ساتھیوں کو بتا دیا تھا۔ یہ بڑی ہی کارآمد اطلاع تھی جو صلیبی جاسوس رات ہی کٹھ پتلی خلیفہ تک پہنچا کر خراجِ تحسین حاصل کرنا چاہتے تھے اور یہ اطلاع وہ اپنے صلیبی حکمرانوں تک بھی پہنچانا چاہتے تھے تاکہ وہ صلاح الدین ایوبی کا راستہ روکنے کا بندوبست کر لیں۔ ان صلیبی جاسوسوں نے یہ ارادہ بھی کیا کہ وہ علی بن سفیان اور اس کی پوری جماعت کو خلیفہ کے حکم سے گرفتار کرا دیں۔ انہوں نے اس لڑکی کو بہت ہی خراجِ تحسین پیش کیا جس نے مصری جاسوس کے سینے سے یہ راز نکلوا لیا تھا۔ یہ مصری اب لڑکی کے خیمے میں گہری نیند سویا ہوا تھا اور لڑکی خیمے میں نہیں بلکہ اپنے ساتھیوں کے پاس تھی۔

انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ علی بن سفیان کے تمام آدمی سوئے ہوئے ہیں، سب اکٹھے نکل چلیں، سامان اور جانوروں کو یہیں رہنے دیں۔ کل صبح ہوتے ہی وہ مصری جاسوسوں کو پکڑوا دیں گے پھر ان کا سامان انہیں مل جائے گا۔ وہ خیمہ گاہ سے بھاگنا اس لیے چاہتے تھے کہ انہیں ڈر تھا کہ علی بن سفیان رات کو لڑکیاں غائب کر دے گا یا ان سب کو مروا دے گا یا کوئی دھوکہ دے گا۔ بہرحال رکنا ٹھیک نہیں تھا۔ وہ سب خیمہ گاہ سے پرے دبے پاؤں چل پڑے اور اُس جگہ پہنچے جہاں ان کا ایک ساتھی ایک آدمی کو کھڑا کر گیا تھا، مگر وہ آدمی وہاں نہیں تھا۔ وہ سب اِدھر اُدھر دیکھ ہی رہے تھے کہ بیٹھے ہوئے اونٹوں کی اوٹ میں سے بہت سے آدمی اٹھے اور صلیبیوں کو گھیرے میں لے لیا۔ انہیں ایک طرف لے گئے اور مشعلیں جلائی گئیں۔ علی بن سفیان نے ان سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہے تھے۔ انہوں نے جھوٹ بولے۔ علی بن سفیان نے پوچھا — "وہ آدمی کون تھا جو سرائے کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا؟"

ایک صلیبی نے کہا — "وہ میں تھا۔"

"اور جس سے تم نے سرائے کا راستہ پوچھا تھا" — علی بن سفیان نے کہا — "وہ میں تھا۔"

یہ محض اتفاق تھا اور اللہ کا کرم کہ علی بن سفیان توفیق جواد کے گھر سے واپس آ رہا تھا۔ یہ صلیبی سرائے کی تلاش میں جا رہا تھا۔ اُس نے علی بن سفیان سے ہی سرائے کا راستہ پوچھا۔ اگر روشنی ہوتی، تو صلیبی اسے پہچان لیتا۔ ایک تو اندھیرا تھا دوسرے علی بن سفیان نے سر پہ رومال یا چادر ڈال رکھی تھی۔ صلیبی کی ایک ہی بات سن کر وہ جان گیا کہ انہیں کسی طرح پتہ چل گیا ہے کہ وہ دھوکے میں آ گئے ہیں۔ لہٰذا اب بھاگنے کی فکر میں ہیں۔ علی بن سفیان کو معلوم تھا کہ یہ صلیبی بے شک جاسوس ہیں لیکن انہیں یہاں اُمراء میں سے کوئی نہ کوئی پناہ میں لے لے گا۔ چنانچہ اس نے صلیبی کو خوش اخلاقی کا جھانسہ دے کر پھانس لیا اور اس کے ساتھ خیمہ گاہ

تک چلا گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب اُسے کیا کارروائی کرنی چاہیے۔ صلیبی نے اس پر یہ کرم کیا کہ اسے اپنے خیموں سے دور کھڑا کر گیا۔

علی بن سفیان نے فوراً اپنے دو تین آدمیوں کو جگا لیا اور نہایت عجلت سے انہیں بتایا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ ہدایات دے کر وہ خود صلیبیوں کے خیموں تک گیا۔ وہ سب لڑکیوں سمیت ایک خیمے میں جمع ہو گئے تھے۔ علی بن سفیان نے دبے پاؤں قریب جا کر ان کی باتیں سنیں۔ وہ صرف یہ جان سکا کہ صلیبی جاسوسوں کو اس کا مشن معلوم ہو گیا ہے لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ راز فاش کس طرح ہُوا ہے۔ اتنی دیر میں اس کے بہت سے آدمی اس کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق برچھیوں سے مسلح ہو کر اونٹوں کی اوٹ میں جا کر بیٹھ چکے تھے۔ صلیبیوں کو وہیں آنا تھا۔ وہ جوں ہی وہاں پہنچے، علی بن سفیان بھی آ گیا اور سب کو گھیر کر پکڑ لیا گیا۔

”دوستو!“ — علی بن سفیان نے انہیں کہا — ”تمہاری جاسوسی بہت کمزور ہے۔ تمہیں ابھی بہت سی تربیت کی ضرورت ہے۔ کیا جاسوس اس طرح سنسان گلیوں میں پھرا کرتے ہیں؟ اور کیا جاسوس کسی اجنبی کو پہچانے بغیر بات کیا کرتے ہیں؟ یہ فن مجھ سے سیکھو۔“

”اگر آپ یہ فن اپنے آدمیوں کو سکھا دیں تو زیادہ بہتر ہو گا۔“ ایک صلیبی نے کہا۔ ”کیا آپ ہماری اس مہارت کی تعریف نہیں کریں گے کہ ہم نے آپ کے ایک آدمی سے آپ کی اصلیت معلوم کر لی ہے؟ یہ تو قسمت کا کھیل ہے۔ آپ جیت گئے ہم ہار گئے۔ اگر ہمارا قائد مارا نہ جاتا تو ہم یوں بھٹک نہ جاتے۔“

”مجھے وہ آدمی بتاؤ گے جس نے راز فاش کیا ہے؟“ — علی بن سفیان نے پوچھا۔

”اُس خیمے میں سویا ہُوا ہے“ — ایک لڑکی نے ایک خیمے کی طرف اشارہ کر کے جواب دیا — ”وہ میرے دھوکے میں آ گیا تھا۔“

”یہ باتیں اب قاہرہ میں چل کر ہوں گی“ — علی بن سفیان نے کہا۔

صبح طلوع ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ تاجروں کا قافلہ جا رہا تھا۔ اونٹوں پر جہاں تجارتی سامان لدا ہُوا تھا وہاں خیمے بھی لدے ہوئے تھے۔ علی بن سفیان اور اس کے ایک سو آدمیوں کے سوا کسی کو علم نہ تھا کہ لپٹے ہوئے خیموں میں چار لڑکیاں اور چار آدمی لپٹے ہوئے ہیں۔ علی بن سفیان نے روانگی سے کچھ دیر پہلے سحر کی تاریکی میں ایک ایک صلیبی کو ایک ایک خیمے میں لپیٹ کر اونٹوں پر لاد کر باندھ دیا تھا۔ اُسے کوئی فکر نہیں تھا کہ وہ دم گھٹنے سے مر جائیں گے یا زندہ رہیں گے۔ قافلہ دمشق سے نکل گیا اور جب شہر اتنی دور پیچھے رہ گیا کہ نظر بھی نہیں آتا تھا اُس نے صلیبیوں کو خیموں سے نکالا۔ سب زندہ تھے۔ لڑکیوں کو اونٹوں پر اور مردوں کو گھوڑوں پر سوار کر لیا گیا۔ صلیبیوں نے رہائی کے لیے وہ تمام زر و جواہرات اور سونے کے ٹکڑے پیش کیے جو وہ خلیفہ اور امراء کے لیے لائے تھے۔ علی بن سفیان نے کہا — ”یہ ساری دولت تو میرے ساتھ جا رہی ہے۔“

☆

اُس وقت ریمانڈ نام کا ایک صلیبی تریپولی کا حکمران تھا۔ یہ وہی علاقہ ہے جو آج لبنان کہلاتا ہے۔ دوسرے صلیبی حکمران یروشلم اور گرد و نواح میں تھے۔ نورالدین زنگی کی وفات پر وہ سب بہت خوش تھے۔ وہ ایک کانفرنس کر چکے تھے۔ انہوں نے اپنے منصوبوں پر نظرثانی کر لی تھی اسکے مطابق فرنگیوں کا ایک کمانڈر سیریز اپنی فوج حلب تک لے گیا۔ حلب کا امیر شمس الدین تھا۔ سیریز نے اسے پیغام بھیجا کہ وہ حلب اس کے حوالے کر دے یا صلح نامے پر دستخط کر کے تاوان ادا کرے۔ شمس الدین نے اس ڈر سے صلیبیوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے کہ دمشق اور موصل کے اُمراء اُسے جنگ میں اُلجھا ہُوا دیکھ کر اس کی مملکت پر قبضہ کر لیں گے۔ اس ایک ہی کامیابی سے صلیبی دلیر ہو گئے۔ وہ جان گئے کہ یہ مسلمان امراء ایک دوسرے کی مدد کرنے کی بجائے ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ چنانچہ انہوں نے جنگ کے بغیر ہی مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے کا منصوبہ بنا لیا تھا۔ انہیں خطرہ صرف سلطان صلاح الدین ایوبی سے تھا۔ وہ سلطان ایوبی کے کردار سے آگاہ تھے۔ انہیں ڈر یہ تھا کہ سلطان ایوبی دمشق یا ان علاقوں میں کہیں بھی آ گیا تو وہ تمام امراء کو متحد کر لے گا۔ چنانچہ وہ امراء کو بہت جلدی اپنے اتحادی بنا لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ ریمانڈ نے خلیفہ الملک الصالح کو ایک ایلچی کے ذریعے تحائف کے ساتھ یہ پیشکش بھی بھیج دی تھی کہ وہ اسے ضرورت کے وقت فوجی مدد دے گا۔

اسلام کی بقا اور آبرو کچے دھاگے سے لٹک رہی تھی۔ اس کا دارومدار سلطان ایوبی کے اقدام پر تھا۔ ایک ساعت جو گزر جاتی تھی اسلام کو تباہی کے قریب لے جاتی تھی۔ سلطان ایوبی قاہرہ میں علی بن سفیان کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے علی بن سفیان کی رپورٹ کے مطابق کچھ فیصلہ کرنا تھا۔ وہ بغداد، دمشق اور یمن وغیرہ پر فوج کشی کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو چکا تھا۔ اس کے لیے مشکل یہ تھی کہ مصر کے اندرونی حالات ٹھیک نہیں تھے اور فوج کم تھی۔ وہ مصر سے زیادہ سے زیادہ نہیں بلکہ کم سے کم فوج اپنے ساتھ لے جا سکتا تھا اور یہی ایک خطرہ تھا، جو اُسے پریشان کر رہا تھا کہ اتنی کم فوج سے وہ کیا کامیابی حاصل کر سکے گا۔ اس کے باوجود اُس نے فوج کشی کے سوا دوسرا کوئی اقدام سوچا ہی نہیں۔ وہ دن میں ایک دو بار اپنے مکان کی چھت پر جا کر اُس سمت دیکھا کرتا تھا جس سمت سے علی بن سفیان کو آنا تھا۔ وہ اُفق پر نظریں گاڑ دیتا تھا۔

ایک روز اُسے اُفق پر گرد کے بادل نظر آئے جو زمین سے اُٹھے اور اوپر ہی اوپر اٹھتے اور پھیلتے گئے۔ سلطان ایوبی اوپر ہی کھڑا رہا۔ گرد کا بادل آگے ہی آگے آتا گیا، پھیلتا گیا ...... اور پھر اس میں سے گھوڑوں اور اونٹوں کے ہیولے نظر آنے لگے۔ وہ علی بن سفیان کا ہی قافلہ تھا۔ اُس نے راستے میں بہت تھوڑے پڑاؤ کیے تھے۔ اُسے جب قاہرہ کے مینار نظر آنے لگے تو اُس نے اونٹ اور گھوڑے دوڑا دیئے۔ اُسے احساس تھا کہ گزرتے ہوئے لمحوں کی قیمت کیا ہے اور اُس کے انتظار میں سلطان صلاح الدین ایوبی رات کو سونا بھی نہیں ہو گا۔

پھر وہ لمحہ آ گیا جب گرد سے اٹا ہوا علی بن سفیان سلطان ایوبی کے سامنے کھڑا تھا۔ سلطان ایوبی نے اسے نہانے دھونے کی مہلت نہ دی۔ وہ خبریں سننے کے لیے بے تاب تھا۔ اُس کے لیے کھانا وغیرہ وہیں لانے

کا حکم دے کر اُسے دفتر میں لے گیا۔ علی بن سفیان نے اُسے تفصیلی رپورٹ دی۔ نورالدین زنگی کی بیوہ کا پیغام، اُس کے جذبات اور تاثرات سنائے۔ سالار توفیق جواد سے جو بات چیت ہوئی تھی وہ سنائی اور آخر میں بتایا کہ وہ دمشق سے ایک تحفہ لایا ہے۔ یہ تحفہ چار صلیبی جاسوس مرد اور چار لڑکیاں تھیں۔ اُس نے سلطان ایوبی سے کہا — "میں شام سے پہلے پہلے کچھ قیمتی معلومات ان لوگوں سے حاصل کر لوں گا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں فوجی طاقت استعمال کرنی پڑے گی۔" سلطان ایوبی نے کہا۔

"کرنی پڑے گی اور ہم ضرور کریں گے۔" علی بن سفیان نے کہا — "مجھے اُمید ہے کہ خانہ جنگی نہیں ہوگی۔"

سلطان ایوبی نے اپنے دو ایسے فوجی مشیروں کو بلایا جن پر اُسے کُلی طور پر اعتماد تھا۔ وہ آگئے تو اُس نے انہیں کہا — "میں تم سے اب جو بھی بات کروں وہ اپنے سینے میں اُتار لینا۔ تم دونوں کے علاوہ علی بن سفیان تیسرا آدمی ہوگا جو اِس راز سے واقف ہوگا۔" — اُس نے انہیں دمشق اور دیگر تمام اسلامی ریاستوں اور جاگیروں کے احوال و کوائف سنائے۔ علی بن سفیان کی لائی ہوئی رپورٹ سنائی اور کہا — "اللہ کی فوج اللہ کے حکم کی تعمیل کیا کرتی ہے۔ امیر اور خلیفہ کی اطاعت ہم پر فرض ہے لیکن امیر اور خلیفہ ہی اللہ کے عظیم مذہب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کے دشمن ہو جائیں تو اللہ کے سپاہی پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمتِ رسول اللہ کی ناموس کو بچائیں۔ اگر میرا وجود ملک و ملت کے لیے خطرے اور بدنامی کا باعث بنے تو تمہارا فرض ہے کہ میرا سر میرے دھڑ سے جدا کر دو یا مجھے بیڑیاں پہنا کر قید خانے میں پھینک دو اور ملک میں احکامِ خداوندی نافذ کرو۔ آج یہی فرض ہم پر عائد ہو گیا ہے۔ ہمارا خلیفہ قومی غیرت اور وقار سے دستبردار ہو کر اسلام کے دشمنوں کے ہاتھوں میں چلا گیا ہے۔ اُن سے مدد مانگ رہا ہے۔ اُن کے جاسوسوں کو پناہ دے رہا ہے۔ اُس کے حاشیہ بردار عیش و عشرت میں ڈوب گئے ہیں۔ سلطنتِ اسلامیہ کے حصے بخرے کر رہے ہیں۔ شمس الدین والی حلب نے صلیبیوں کے آگے ہتھیار ڈال کر تاوان ادا کیا اور صلح کر لی ہے اور صلیبی عالمِ اسلام پر حاوی ہوتے جا رہے ہیں۔ تو کیا ہمارے لیے یہ ضروری نہیں ہو گیا کہ ہم فوجی طاقت سے خلیفہ کو اس مقدس گدی سے اٹھائیں اور اسلام کی آبرو بچائیں؟"

"بالکل فرض ہو گیا ہے۔" دونوں مشیروں نے بیک زبان کہا۔

"اب ہمارا اقدام جو کچھ بھی ہوگا وہ ہم چاروں کے درمیان راز ہوگا۔" سلطان ایوبی نے کہا اور اُن کے ساتھ اپنے سوچے ہوئے اقدام کی منصوبہ بندی شروع کر دی۔

صلیبی جاسوسوں اور لڑکیوں کو علی بن سفیان اپنے مخصوص تہہ خانے میں لے گیا اور انہیں کہا — "تم ایسے جہنم میں داخل ہو گئے ہو جہاں تم زندہ بھی نہیں رہو گے مرو گے بھی نہیں۔ اپنے جسموں کو ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا کر جو باتیں تم میرے سامنے اُگلو گے وہ اسی صحت مندی کی حالت میں بتا دو اور اس جہنم سے رہائی حاصل کرو۔ میں تمہیں سوچنے کا موقعہ دیتا ہوں۔ تھوڑی دیر بعد آؤں گا۔"

وہ جب انہیں بیڑیاں ڈالنے کا حکم دے رہا تھا تو ایک صلیبی نے کہا — "ہم ساری باتیں بتا دیں گے۔ ہمیں سزا دینے سے پہلے یہ درخواست سُن لیں کہ ہم تنخواہ پر کام کرنے والے ملازم ہیں۔ سزا حکم دینے والوں کو ملنی چاہیے۔ ہم جو مرد ہیں سختیاں برداشت کر لیں گے۔ ہم ان لڑکیوں کو اذیت سے بچانا چاہتے ہیں۔"

"انہیں کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا۔" علی بن سفیان نے کہا — "تم میرا کام آسان کر دو گے، تو لڑکیاں تمہارے ساتھ رہیں گی۔ اس تہہ خانے سے تم سب کو نکال لیا جائے گا اور باعزت نظر بندی میں رکھا جائے گا۔"

انہوں نے جو انکشافات کیے اُن سے اُن تمام حالات کی تصدیق ہو گئی جو نورالدین زنگی کی وفات کے بعد پیدا ہو گئے تھے۔

☆

تین روز بعد —

مصر کی سرحد سے بہت دُور، شمال مشرق کی سمت مٹی کے اونچے نیچے ٹیلوں اور گھاٹیوں کا وسیع خطہ تھا جس میں کہیں کہیں سبزہ بھی تھا اور پانی بھی۔ یہ خطہ قافلوں اور فوجوں کے عام راستوں سے ہٹ کر تھا۔ اس کے اندر ایک جگہ بے شمار گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ ان سے ذرا پرے سوار سوئے ہوئے تھے اور ان سے الگ ہٹ کر چھوٹا سا ایک خیمہ لگا ہوا تھا جس کے اندر ایک آدمی سویا ہوا تھا۔ تین چار آدمی ٹیلوں کے اوپر ٹہل رہے تھے اور تین چار آدمی اس خطے کے باہر بکھر کر گھوم پھر رہے تھے — خیمے میں سویا ہوا آدمی سلطان صلاح الدین ایوبی تھا۔ ٹیلوں پر اور ٹیلوں کے باہر گھومنے پھرنے والے آدمی سنتری تھے اور جو سوار سوئے ہوئے تھے وہ سلطان ایوبی کے سوار تھے۔ ان کی تعداد سات سَو تھی۔

سلطان ایوبی نے بڑی گہری سوچ و بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ کم سے کم فوج اپنے ساتھ لے کر دمشق جائے گا۔ اگر اس کا استقبال ایک سلطان کی حیثیت سے ہوا تو زبانی بات چیت کرے گا اور اگر مزاحمت ہوئی تو وہ اسی نفری سے مقابلہ کرے گا۔ علی بن سفیان نے اُسے یقین دلایا تھا کہ خلیفہ اور اُمراء کے محافظ دستوں نے مزاحمت کی تو سالار توفیق جواد اپنی فوج سلطان ایوبی کے حوالے کر دے گا۔ زنگی کی بیوہ نے یقین دلایا تھا کہ شہر کے لوگ سلطان ایوبی کا استقبال کریں گے۔ لیکن سلطان ایوبی نے اپنے آپ کو خوش فہمیوں میں کبھی مبتلا نہیں ہونے دیا تھا۔ اُس نے یہ فرض کر کے فیصلہ کیا تھا کہ وہ سات سَو سواروں کے ساتھ جہاں جا رہا ہے وہاں کا ہر ایک سپاہی اور بچہ بچہ اُس کا دشمن ہے۔ اُس نے اپنے رسالے (گھوڑ سوار دستوں) میں سے وہ سات سَو سوار منتخب کیے تھے جو بہت سے معرکے لڑ چکے تھے۔ ان میں چھاپہ مار سوار بھی تھے جو دشمن کے عقب میں معرکے لڑنے کا تجربہ رکھتے تھے۔ جنگی مہارت کے علاوہ یہ سوار جذبے کے جنونی تھے جن کی آنکھیں صلیب کا نام سُن کر لال سرخ ہو جایا کرتی تھیں۔ آج کی فوجی زبان میں یہ "کریک ٹروپس" تھے۔

قاہرہ سے ان سواروں کو سلطان ایوبی نے رات کے وقت خفیہ طریقے سے نکالا تھا۔ وہ ایک ایک دو دو کر کے نکلے تھے اور قاہرہ سے بہت دُور ایک پہلے سے بتائی ہوئی جگہ اکٹھے ہوئے تھے۔ سلطان ایوبی بھی خفیہ

طریقے سے قاہرہ سے نکلا تھا۔ صرف علی بن سفیان اور دو خصوصی فوجی مشیروں کو اس کا علم تھا۔ سلطان ایوبی کا محافظ دستہ بدستور قاہرہ میں اُس کے گھر اور ہیڈ کوارٹر میں مستعد رہتا تھا۔ اس سے یہ تاثر دیا جا رہا تھا کہ سلطان ایوبی یہیں ہے۔

تمام یورپی اور مسلمان مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ سلطان ایوبی نے سات سو سوار منتخب کیے۔ خفیہ طریقے سے شہر سے نکلا اور دمشق کو روانہ ہُوا۔ قاہرہ اور گرد و نواح میں صلیبی جاسوس موجود تھے۔ ان میں مصری مسلمان بھی تھے جن میں کچھ سرکاری ملازمت میں بھی تھے، مگر کسی کو خبر تک نہ ہوئی کہ قاہرہ سے سلطان ایوبی اور سات سو سوار غائب ہیں۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ سلطان ایوبی دمشق میں داخل ہونے تک اپنی نقل و حرکت کو راز میں رکھنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لیے وہ رات کو سفر کرتا اور دن کو کہیں چھپ جاتا تھا۔ سات سو گھوڑوں اور سواروں کو چھپانا ممکن نہیں تھا لیکن سلطان ایوبی ریگزار کا بھیدی تھا۔ ایسے راستے سے جا رہا تھا جدھر سے کوئی قافلہ نہیں جایا کرتا تھا اور وہ چھپنے کی جگہ ڈھونڈ لیتا تھا۔ دو یورپی مؤرخوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس خفیہ سفر کے دوران وہ سواروں کے ساتھ عام سپاہیوں کی طرح گھلا ملا رہتا، گپ شپ لگاتا اور باتوں باتوں میں انہیں آگ کے بگولے بناتا رہا۔ اس کے ساتھ انہیں سمجھاتا رہا کہ آگے حالات کیا ہیں اور کیا ہو سکتے ہیں۔ اُس نے سواروں کو کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں کیا، کوئی جھوٹی امید نہیں دلائی، انہیں خطروں سے آگاہ کرتا رہا۔ سلطان ایوبی کی شخصیت اور کردار میں جو جلال تھا وہ ہر ایک سوار کی رُوح میں اُتر گیا اور سوار اُڑ کر دمشق پہنچنے کے لیے بے تاب ہو گئے۔

مؤرخوں میں البتہ یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ سفر، اور کا کون سا مہینہ تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ جولائی کا مہینہ تھا، بعض نے نومبر لکھا ہے۔ بہرحال یہ واقعہ نورالدین زنگی کی وفات کے بعد کا ہے۔ اگر وقائع نگاروں کی تحریروں میں چھوٹے چھوٹے واقعات غور سے پڑھے جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سلطان ایوبی ستمبر کے ابتدائی دنوں میں دمشق کے لیے روانہ ہُوا تھا۔ اُس نے مصر کی ہائی کمانڈ خفیہ طور پر اپنے دو مشیروں کے سپرد کر دی تھی۔ سوڈان کی طرف کی سرحد پر مورچہ بندی اور دفاعی انتظامات مزید مضبوط کر دیئے تھے۔ شمال کی طرف بحریہ کو حکم دیا گیا تھا کہ ہر وقت، دن اور رات، سمندر میں دُور دُور تک کشتیاں گشت کرتی رہیں اور جنگی جہاز بحری سپاہیوں کے ساتھ ہر لمحہ تیاری کی حالت میں رہیں۔ سلطان ایوبی نے اپنے جانشینوں سے کہہ دیا تھا کہ کسی بھی طرف سے حملہ آئے تو وہ اُس کے حکم کا انتظار نہ کریں۔ اُس نے یہ بھی حکم دے دیا تھا کہ سرحد پر دشمن ذرا سی بھی گڑبڑ کرے تو شدید قسم کی جوابی کارروائی کرو۔ ہر وقت جارحیت کے لیے تیار رہو۔ اگر ضرورت محسوس ہو تو سوڈان کے اندر جا کر مصر کا دفاع کرو۔

سلطان ایوبی مصر کو اپنی فوج اور خدا کے حوالے کر کے چوری چھپے سات سو سواروں کے ساتھ دمشق جا رہا تھا۔

٭

دمشق کے قلعے پر سنتری گھوم پھر رہے تھے۔ انہیں دُور افق پر گرد کے گھنے بادل اٹھتے نظر آئے جو

دمشق کی طرف آ رہے تھے۔ وہ کچھ دیر دیکھتے رہے۔ شاید تاجروں یا مسافروں کا کوئی بڑا قافلہ ہوگا مگر اونٹ اتنی گرد نہیں اڑاتے۔ یہ گھوڑے معلوم ہوتے تھے ۔۔۔ گرد بہت قریب آ گئی تو اس میں نداز گھوڑے نظر آنے لگے اور پھر اوپر اٹھی ہوئی برچھیوں کی انیاں نظر آنے لگیں۔ ہر برچھی کے ساتھ کپڑے کی لمبوتری جھنڈی تھی۔ یہ بلاشک و شبہ کوئی فوج تھی اور یہ فوج خلیفہ کی نہیں ہو سکتی تھی۔ ایک سنتری نے نقارہ بجا دیا۔ قلعے کی دوسری دیواروں پر بھی نقارے بج اٹھے۔ قلعے میں جو فوج تھی وہ تیاری کی پوزیشنوں میں آ گئی۔ دیواروں کے اوپر تیر اندازوں نے کمانوں میں تیر ڈال لیے۔ قلعے کا کمانڈر بھی اوپر آ گیا۔ گرد اڑاتے ہوئے سوار قلعے کے قریب آ گئے اور حملے کی ترتیب میں آ کر رک گئے۔ قلعے کے کمانڈر نے سواروں کے کمانڈر کا جھنڈا دیکھا تو وہ ٹھٹھک گیا۔ یہ صلاح الدین ایوبی کا جھنڈا تھا۔ قلعہ دار کو سرکاری طور پر بتایا جا چکا تھا کہ سلطان ایوبی نے خود مختاری کا اعلان کر دیا ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ اس طرف آ گئے تو اسے بلا روک ٹوک شہر میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔

”آپ کس ارادے سے آئے ہیں؟“ قلعہ دار نے پوچھا ۔۔۔ ”اگر خلیفہ سے ملنا ہے تو اپنے سوار دُور پیچھے لے جائیں اور اکیلے آگے آئیں۔“

”خلیفہ سے کہو کہ صلاح الدین ایوبی باہر بلا رہا ہے۔“ سلطان ایوبی نے بلند آواز سے کہا ۔۔۔ ”اور تم سن لو۔ میرے سوار پیچھے نہیں جائیں گے، شہر میں جائیں گے۔ خلیفہ کو اطلاع دو کہ وہ باہر نہ آیا تو بہت سے مسلمانوں کا خون اُس کی گردن پر ہوگا۔“

”صلاح الدین بن نجم الدین ایوب!“ قلعے کے کمانڈر نے کہا ۔۔۔ ”میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ تمہارا ایک بھی سوار زندہ واپس نہیں جائے گا۔ میں خلیفہ کے حکم کا پابند ہوں۔ تمہارے لیے شہر کا کوئی دروازہ نہیں کھلے گا۔“

قلعے کے باہر جو سپاہی پہرے پر تھے انہوں نے خلیفہ کی طرف ایک سپاہی دوڑا دیا تھا۔ یہ ان لوگوں کی ڈیوٹی تھی کہ خلیفہ کو خطرے سے آگاہ کر دیں تاکہ فوج کو تیاری کا حکم دیا جائے۔ ادھر سلطان ایوبی نے اپنے سواروں کو کچھ حکم دیا۔ سواروں نے بجلی کی تیزی سے حرکت کی۔ وہ اور زیادہ پھیل گئے۔ سواروں نے کمانیں نکال لیں، اور ان میں تیر ڈال لیے۔ اُدھر دمشق شہر کا بڑا دروازہ بند کر دیا گیا اور شہر کی فصیل پر بھی تیر انداز تیار ہو گئے۔

قلعہ دار یعنی قلعے کا کمانڈر غالباً خلیفہ کے حکم کا یا شاید اندر سے آنے والی فوج کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس نے کوئی کارروائی نہ کی۔ مقابلے کے لیے وہ تیار تھا۔ خلیفہ کو باہر کی صورتِ حال کی اطلاع مل گئی۔ وہ بچہ تھا، ایک بار تو جوش میں آ گیا پھر گھبرا گیا۔ اس کے مشیروں نے اس کا حوصلہ بڑھایا اور اس سے حکم دلوایا کہ فوج باہر نکل کر سلطان ایوبی کو گھیرے میں لے لے اور ہتھیار ڈلوا کر سلطان ایوبی کو گرفتار کر لے۔ اس اثنا میں شہر کے لوگوں کو بھی پتہ چل گیا کہ سلطان ایوبی فوج لے کر آیا ہے۔ نورالدین زنگی کی بیوہ حرکت میں آ گئی۔ اُس نے عورتوں کی جو زمین دوز جماعت بنا رکھی تھی وہ بھی سرگرم ہو گئی۔ گھر گھر اطلاع پہنچ گئی کہ سلطان ایوبی آیا ہے۔ عورتیں باہر

نکل آئیں اور "خوش آمدید صلاح الدین ایوبی" کے نعرے لگانے لگیں۔ بعض نے پھول بھی اکٹھے کر لیے۔ مرد بھی نکل آئے۔ نعروں سے دمشق گونجنے لگا۔ خلیفہ کے حاشیہ برداروں کو شہریوں کا یہ رویہ پسند نہ آیا مگر شہریوں کا سیلاب شہر کے دروازے پر ٹوٹ پڑا تھا۔ لوگ شہر کی فصیل پر بھی چڑھ گئے تھے اور سلطان ایوبی کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔

خلیفہ اور اُس کے حواریوں کو سب سے بڑی چوٹ یہ پڑی کہ انہیں یہ اطلاع ملی کہ فوج نے سلطان ایوبی کے مقابلے میں آنے سے انکار کر دیا ہے۔ سپاہیوں تک تو حکم ہی نہیں پہنچا تھا۔ انکار کرنے والے سالار اور دیگر کمانڈر تھے۔ کمانڈروں میں کچھ ایسے تھے جو اُمراء کے پروردہ تھے۔ وہ اپنے دستوں کو تیاری کا حکم دینے لگے تو خلیفہ کے مخالف کمانڈروں نے انہیں خبردار کر دیا کہ انہوں نے سلطان ایوبی کے خلاف ہتھیار اٹھائے تو انہیں گھوڑوں کے پیچھے باندھ کر شہر میں گھسیٹا جائے گا۔ تین چار کمانڈروں نے ایک دوسرے کے خلاف تلواریں نکال لیں بلکہ خون خرابے تک پہنچنے والا تھا کہ زنگی کی بیوہ آن پہنچی۔ یہ عورت پاگلوں کی طرح بھاگ دوڑ رہی تھی۔ وہ گھوڑے پر سوار تھی۔ گھوڑا بری طرح ہانپ رہا تھا۔ وہ دیکھنے آئی تھی کہ فوج کیا کر رہی ہے۔ کہیں خانہ جنگی کی صورت تو پیدا نہیں ہو گئی؟ اُس نے یہ منظر دیکھا کہ تین چار کمانڈر تلواریں نکالے ایک دوسرے کو للکار رہے تھے اور دوسرے بیچ بچاؤ کر رہے تھے۔ ان میں توفیق جواد بھی تھا۔ زنگی کی بیوہ کو دیکھتے ہی وہ دوڑ کر اُس تک گیا، اور کہا۔ "آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟"

"یہاں کیا ہو رہا ہے؟" اس عظیم مجاہدہ نے پوچھا ۔۔۔ "کیا فوج صلاح الدین کے استقبال کے لیے جا رہی ہے یا مقابلے کے لیے؟"

"فوج نہیں جا رہی۔" توفیق جواد نے جواب دیا ۔۔۔ "ہم نے خلیفہ کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ یہ لوگ آپس میں لڑنا چاہتے ہیں۔ ان میں دو خلیفہ کے وفادار ہیں۔"

زنگی کی بیوہ گھوڑے سے کود کر اُتری اور ان کمانڈروں کے درمیان آ گئی جو ایک دوسرے کو للکار رہے تھے۔ اس عورت نے اپنا سر ننگا کر دیا اور اُن سے چلّا کر کہا ۔۔۔ "بے غیرتو! پہلے اس سر کو تن سے جُدا کرو۔ اپنی ماں کا سر اس مٹی میں پھینکو پھر کافروں کی حمایت میں لڑنا۔ تم اُن بیٹیوں کو بھول گئے ہو جنہیں کافر اٹھا کر لے گئے۔ تم اپنی اُن بچیوں کو بھول گئے ہو جو کافروں کی درندگی سے مر چکی ہیں۔ تم کس کی حمایت میں ایک دوسرے کے خلاف تلواریں نکالے ہوئے ہو؟ میرے بیٹے کے وفادار کافر ہیں۔ آؤ پہلے میری گردن اڑاؤ پھر ایوبی کے مقابلے میں جانا۔"

زنگی کی بیوہ کے آنسو بہہ رہے تھے۔ منہ سے جھاگ پھوٹ رہی تھی۔ کمانڈروں نے تلواریں نیاموں میں ڈال لیں اور سر جھکا کر ادھر اُدھر ہو گئے۔

"کیا فوج نے حکم عدولی کی ہے؟" یہ خلیفہ کے ایک مشیر کی گھبرائی ہوئی آواز تھی جس نے خلیفہ کے دربار میں سناٹا طاری کر دیا۔

"محافظوں کے دستے باہر نکالو۔" ایک امیر نے غصے سے کہا۔ "جم کر مقابلہ کرو۔"

تھوڑی ہی دیر بعد محافظوں کے دستے تیار ہو گئے۔ اُس وقت شہریوں کا ہجوم اور زیادہ بڑھ گیا تھا۔ عورتیں چلّا رہی تھیں ۔۔۔ "دروازے کھول دو۔ ہماری عصمتوں کا پاسبان آیا ہے۔" مرد نعرے لگا رہے تھے۔ محافظ دستوں کو آگے بڑھنے کا راستہ نہیں مل رہا تھا۔ اُس وقت خلافت کا قاضی، کمال الدین سامنے آ گیا۔ وہ خلیفہ کے دربار میں گیا۔ قاضی کی حیثیت سب سے اونچی اور قابلِ احترام سمجھی جاتی تھی۔ اُس نے خلیفہ سے کہا کہ اگر اس نے صلاح الدین ایوبی کے مقابلے کے لیے اپنی فوج بھیجی تو شہری اس فوج پر ٹوٹ پڑیں گے۔ اس سے زیادہ تر نقصان شہریوں کا ہو گا۔ خانہ جنگی ہو گی۔ اپنے ہاتھوں اپنے بچوں اور عورتوں کو مروانے کے علاوہ سب سے بڑا نقصان یہ ہو گا کہ صلیبی فوج جو یہاں سے دور نہیں کسی مزاحمت کے بغیر اندر آ جائے گی۔ پھر آپ رہیں گے نہ آپ کی خلافت۔ اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ شریعت کا حکم یہ ہے کہ بھائی بھائی کے خلاف نہیں لڑ سکتا۔ ذرا باہر آ کر لوگوں کی بے تابیاں دیکھیں۔ کیا آپ اس طوفان کو روک لیں گے؟"

"شہر کی چابی میرے حوالے کر دیں۔" قاضی کمال الدین نے کہا۔

چابی قاضی کے حوالے کر دی گئی۔ اُس نے اپنے ہاتھوں شہر کا دروازہ کھولا۔ شہریوں کا ہجوم رُکے ہوئے سیلاب کی طرح باہر نکلا۔ قاضی کمال الدین نے چابی سلطان ایوبی کے حوالے کی۔ سلطان ایوبی نے دو زانو ہو کر قاضی کے ہاتھ چومے اور اُس کے ساتھ شہر میں داخل ہُوا۔ اور جب نورالدین زنگی کی بیوہ سامنے آئی تو سلطان ایوبی کی سسکیاں نکل گئیں۔ زنگی کی بیوہ اُس سے لپٹ گئی اور بچوں کی طرح بلبلانے لگی۔ اس کی ہچکیاں تھم نہیں رہی تھیں۔ سلطان ایوبی کے سواروں پر عورتوں نے پھول پھینکے، بلائیں لیں اور انہیں جلوس میں اندر لے گئیں۔

قلعے کی چابی بھی سلطان ایوبی کے حوالے کر دی گئی۔ وہ سب سے پہلے اپنے گھر گیا۔ وہ دمشق کا رہنے والا تھا۔ بڑے جذباتی انداز سے اُس پرانے سے مکان میں داخل ہُوا جس میں وہ پیدا ہُوا تھا۔

☆

کچھ دیر آرام کرنے کے بعد اُس نے فوج کے چھوٹے بڑے کمانڈروں کو اپنے مکان میں بلایا۔ اُن کے ساتھ باتیں کر کے معلوم کیا کہ اُن پر کس حد تک اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ فوج کی حالت اور کیفیت پوچھی اور اپنے احکام جاری کیے۔ اسی دوران اسے اطلاع ملی کہ خلیفہ اپنے وفادار مشیروں، وزیروں اور امیروں کے ساتھ لاپتہ ہو گیا ہے۔ فوج کے دو تین اعلیٰ احکام بھی اس کے ساتھ فرار ہو گئے تھے۔ سلطان ایوبی فوراً اٹھا اور فرار ہونے والوں کے گھروں پر چھاپے مروائے۔ یہ گھر دراصل محل تھے۔ بھاگنے والے اپنی جانیں بچا کر بھاگے تھے۔ ان کا مال و دولت پیچھے رہ گیا تھا۔ حرم کی عورتیں، رقاصائیں اور عیش و عشرت کا سارا سامان پیچھے رہ گیا تھا۔ سلطان ایوبی نے اس تمام دولت پر قبضہ کر کے اس میں سے کچھ بیت المال میں دے دیا اور زیادہ تر غریبوں اور اپاہجوں میں تقسیم کر دیا۔

اُس نے خلیفہ اور مفرور امراء وغیرہ کے تعاقب کی ضرورت محسوس نہ کی۔ اُس نے مصر اور شام کی وحدت یعنی ایک سلطنت کا اعلان کر دیا اور اپنے بھائی تقی الدین کو دمشق کا امیر (گورنر) مقرر کر دیا۔ دوسرے صوبوں کے نئے گورنر مقرر کیے اور اس سلطنت کے استحکام اور دفاع کے انتظامات میں مصروف ہو گیا، مگر اُس کی انٹیلی

مجلس کی رپورٹیں اُسے بتا رہی تھیں کہ اُس کے اُمراء جو الملک الصالح کے وفادار تھے اُسے چین سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔ یورپی ممالک سے آئی ہوئی اطلاعات سے پتہ چلا کہ صلیبی بہت بڑا لشکر تیار کر رہے ہیں جس سے وہ عالمِ اسلام پر فیصلہ کن حملہ کریں گے۔ اُس کے لیے سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ اُس کے اپنے امراء اُسے شکست دینے کے لیے صلیبیوں کی راہ دیکھ رہے تھے۔ لہٰذا اس کے لیے ضروری تھا کہ پہلے ان باغیوں کو ٹھکانے لگائے۔ یہ معمولی سی مہم نہیں تھی۔ دمشق کی فوج کی اہمیت سے وہ واقف نہ تھا۔ اس نے فوری طور پر اس فوج کی ٹریننگ شروع کر دی۔ اسے جہاں لڑنا تھا وہ پہاڑی علاقہ تھا۔ موسم سرما میں ان پہاڑوں پر برف بھی پڑتی تھی اور موسم سرما آ رہا تھا۔

قاہرہ اور دمشق میں اُسے ایک فرق نمایاں طور پر نظر آ رہا تھا۔ قاہرہ میں صلیبی اور سوڈانی جاسوسوں اور تخریب کاروں کے کئی خفیہ اڈے تھے اور وہاں کے لوگوں پر سلطان ایوبی کو پوری طرح بھروسہ نہیں تھا۔ دمشق میں بھی صلیبی تخریب کار موجود تھے لیکن یہاں قوم کا بچہ بچہ اُس کے ساتھ تھا بلکہ اُس کے اشارے پر آگ میں کود جانے کو تیار تھا۔ اس لیے یہاں کے لوگوں کے متعلق یہ خطرہ بہت کم تھا کہ وہ دشمن کے جاسوسوں اور تخریب کاروں کے آلۂ کار بن جائیں گے۔ دمشق اور شام کے لوگوں نے نورالدین زنگی کے زمانے میں پُروقار زندگی گزاری تھی۔ اُس کی وفات کے فوراً بعد اُن کا ذاتی وقار ختم ہو گیا تھا۔ نئے حکمرانوں نے انہیں رعایا بنا لیا تھا۔ امیر وزیر عیش و عشرت اور ذاتی سیاست بازیوں میں مصروف ہو گئے اور انتظامیہ کے حاکم لوگوں کے لیے وبالِ جان بن گئے تھے۔ قانون کا احترام ختم ہونا شروع ہو گیا تھا۔ قحبہ خانے اور شراب خانے بھی کھُل گئے تھے۔ چار پانچ مہینوں میں لوگوں کا جینا حرام ہو گیا تھا۔ اناج تک کی کمی ہو گئی تھی۔ لوگوں کو پتہ چلا کہ اناج باہر جا رہا ہے۔ امراء اور وزراء نے اناج درپردہ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور درپردہ باہر کہیں بیچ دیتے تھے۔ بازاروں میں ہر چیز کے بھاؤ چڑھ گئے اور لوگ تنگدستی محسوس کرنے لگے تھے۔

وہاں کے لوگ تنگدستی اور فاقہ کشی تک برداشت کرنے کو تیار تھے لیکن وہ قومی سطح سے گرنے کو تیار نہیں تھے۔ وہ صلیبیوں کے ساتھ دوستی کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ محسوس کرنے لگے تھے کہ اُن کے حکمران انہیں دشمن کی جھولی میں ڈال رہے ہیں۔ نورالدین زنگی کے دورِ حکومت میں جھونپڑیوں اور پھٹے پُرانے خیموں میں رہنے والوں کو بھی معلوم ہوتا تھا کہ سرکاری سطح پر کیا ہو رہا ہے۔ جنگ کی صورت میں وہ میدانِ جنگ کی صورتِ حال سے آگاہ ہوتے تھے۔ زنگی کے مرتے ہی لوگوں کو اچھوت قرار دے دیا گیا تھا۔ انہیں بتا دیا گیا تھا کہ حکومت کے امور کے متعلق کسی کو استفسار کی جرأت نہیں ہونی چاہیے۔ دو مسجدوں کے اماموں کو صرف اس لیے مسجدوں سے نکال دیا گیا تھا کہ وہ لوگوں کو غیرت اور حُرّیت کا وعظ سنا رہے تھے۔ خلیفہ کے محل اور دیگر سرکاری عمارتوں کے قریب آنا عوام کے لیے جرم قرار دے دیا گیا تھا۔ وہی لوگ جو نورالدین زنگی کو بھی راستے میں روک لیا کرتے اور محاذوں کی خبریں سنا کرتے تھے، اب معمولی سے سرکاری اہلکار کو بھی دیکھ کر ہٹ جایا کرتے تھے۔

لوگ گھٹن محسوس کرنے لگے تھے۔ جہاد کے نعرے بھی مرتے جا رہے تھے۔ نعرے تو مر سکتے ہیں، جذبے اتنی جلدی نہیں مرا کرتے۔ لوگوں نے چوری چھپے مل بیٹھ کر سوچنا شروع کر دیا تھا کہ وہ کیا کریں۔ نورالدین زنگی کی بیوہ نے عورتوں کی ایک جماعت بنائی تھی۔ ان حالات اور اس گھٹن میں انہیں اطلاع ملی کہ صلاح الدین ایوبی آ گیا ہے اور فوج ساتھ لایا ہے تو وہ استقبال کے لیے باہر نکل آئے اور جب انہیں پتہ چلا کہ خلیفہ سلطان ایوبی کو اپنی فوج کے زور سے روکنا چاہتا ہے تو لوگ فوج پر ٹوٹ پڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ خلیفہ کے محافظ دستوں کی انہوں نے بہت بے عزتی کی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ خلیفہ الملک الصالح اور اس کے حواری امیر چوروں کی طرح دمشق سے بھاگ گئے تھے ۔۔۔ اور اب لوگ سلطان ایوبی پر جانیں فدا کرنے کو بے تاب تھے ۔۔۔ لوگوں کی اس جذباتی کیفیت نے سلطان ایوبی کا کام آسان کر دیا تھا۔

☆

عورتوں میں قومی جذبہ پہلے سے ہی تھا۔ اب یہ جذبہ دہکتے انگارے بن گیا۔ جواں سال لڑکیوں کا ایک وفد سلطان ایوبی کے پاس گیا اور یہ عرضداشت پیش کی کہ لڑکیوں کو محاذ پر فوج کے ساتھ بھیجا جائے اور انہیں عسکری تربیت دی جائے۔ وہ زخمیوں کی مرہم پٹی کے علاوہ لڑنا بھی چاہتی تھیں۔ سلطان ایوبی نے اُن کے جذبے کو سراہتے ہوئے کہا ۔۔۔ "مجھے جس روز تمہاری ضرورت پڑی تمہیں گھروں سے نکال لوں گا۔ ابھی تمہارا محاذ گھر ہے۔ میں تمہیں گھروں کا قیدی نہیں بنانا چاہتا۔ اگر تم مائیں ہو تو بچوں کو مجاہد بناؤ۔ اگر تم بہنیں ہو تو بھائیوں کو اسلام کے پاسبان بناؤ۔ میں تمہاری عسکری تربیت کا بندوبست کر دوں گا مگر یہ نہ بھولنا کہ تمہیں گھروں کا نظام سنبھالنا ہے" ۔۔۔ ایسی چند اور باتیں کر کے اُسے جیسے کچھ یاد آ گیا ہو۔ اس نے کہا ۔۔۔ "ایک محاذ اور ہے جس پر تم کام کر سکتی ہو۔ تم نے سنا ہو گا کہ ہم نے خلیفہ کے محل اور امیروں، وزیروں اور حاکموں کے گھروں سے بہت سی لڑکیاں برآمد کی ہیں۔ ان کی تعداد دو تین نہیں، سو ہے۔ ہم نے انہیں آزاد کر دیا تھا۔ وہ یہیں کہیں شہر میں یا گردونواح میں ہوں گی۔ معلوم نہیں وہ کہاں کہاں کی رہنے والی تھیں اور اب کہاں کہاں خراب ہوتی پھر رہی ہیں۔ میں ان ذرا ذرا سے مسئلوں کی طرف توجہ نہیں دے سکتا۔ میرے سامنے بڑے بڑے اونچے پہاڑ کھڑے ہیں۔ میں یہ کام تمہارے سپرد کرتا ہوں کہ لڑکیوں کو تلاش کرو۔ ان میں بہت سی ایسی ہوں گی جنہیں خرید کر یا اغوا کر کے حرموں میں داخل کیا گیا ہو گا۔ اب اُن کا مستقبل یہی ہے کہ وہ خفیہ قحبہ خانوں میں چلی جائیں گی۔ سرائے میں مسافروں کی خدمت کریں گی اور ذلیل و خوار ہوتی پھریں گی۔ ان کے ساتھ کوئی شادی نہیں کرے گا۔ انہیں ڈھونڈو اور ان میں کھوئی ہوئی عزت از سرِ نو پیدا کر کے ان کی شادیوں کا انتظام کرو۔"

لڑکیوں نے اس مہم کا آغاز کر دیا۔ انہوں نے اپنے گھروں کے مردوں کی مدد حاصل کر لی اور چند دنوں میں کئی ایک لڑکیاں برآمد کر کے انہیں اپنے گھروں میں رکھ کر ان کی تربیت شروع کر دی۔ ان بدنصیب لڑکیوں میں سحر نام کی ایک لڑکی تھی جسے زبردستی رقاصہ بنایا گیا تھا۔ اسے ایک امیر کے گھر سے برآمد کر کے رہا کیا گیا تھا۔

اُس نے ایک غریب سے گھرانے میں پناہ لے رکھی تھی۔ اتفاق سے لڑکیوں کو پتہ چلا تو اسے وہاں سے لے آئیں۔ اُس نے جب دیکھا کہ دمشق کی لڑکیاں باقاعدہ فوج کی طرح کام کر رہی ہیں تو اُس کی سوئی ہوئی غیرت بیدار ہوگئی اور اس میں جذبۂ انتقام بھی پیدا ہوگیا۔ اُس نے لڑکیوں کو بتایا کہ اُس کے ساتھ کی ایک رقاصہ سرائے کے مالک کے پاس ہے۔ سحر سرائے کے مالک کو جانتی تھی۔ اُس نے بتایا کہ یہ آدمی صلیبیوں کا جاسوس ہے۔ اُس نے ایک تہ خانہ بنا رکھا ہے جہاں فدائی (حشیشین) اور صلیبی جاسوس راتوں کو جاتے ہیں۔ رقص ہوتا ہے اور شراب کے مٹکے خالی ہوتے ہیں۔ سحر کو بھی ایک رات وہاں لے جایا گیا تھا۔ اس نے کہا — "میں ان جاسوسوں کو پکڑوا سکتی ہوں لیکن میں انہیں پکڑوانا نہیں چاہتی۔ سرائے کے مالک کو اُن کے ساتھ اپنے ہاتھوں قتل کرنا چاہتی ہوں، مگر یہ کام میں اکیلی نہیں کر سکتی۔ تم میرا ساتھ دو۔"

لڑکیاں تیار ہوگئیں۔ انہوں نے ایک منصوبہ تیار کر لیا۔ اس کے مطابق ایک شام سحر پردے میں سرائے کے مالک کے پاس چلی گئی۔ وہ اُسے دیکھ کر بہت خوش ہُوا۔ سحر نے کہا — "میں فوراً تمہارے پاس پہنچ جاتی لیکن شہر میں پکڑ دھکڑ ہو رہی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ میں تمہارے پاس آئی تو تم بھی پکڑے جاؤ گے۔ میں ایک غریب سے گھرانے میں یتیم لڑکی بن کر چھپی رہی۔ اب حالات صاف ہو گئے ہیں۔ تم پر کسی نے شک نہیں کیا اس لیے تمہارے پاس آگئی ہوں۔"

سرائے کا مالک اسے اپنی رقاصہ کے پاس لے گیا۔ وہ بھی بہت خوش ہوئی۔ اس شام کے بعد وہ چند راتیں وہیں رہی۔ اس نے دیکھا کہ خلیفہ اور عیاش امراء کے چلے جانے اور سلطان ایوبی کے اتنے سخت احکام کے باوجود سرائے کے تہ خانے کی رونق وہی تھی۔ اس میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ مسافر اپنے کمروں میں سو جاتے تھے تو تہ خانے کی دنیا آباد ہو جاتی تھی۔ وہاں اب بھی صلیبی جاسوس اور فدائی آتے تھے۔ سحر اُن کا دل لُبھاتی رہی اور راتوں کو ناچتی اور انہیں شراب پلاتی رہی۔ یہ لوگ مسافروں کے بہروپ میں سرائے میں آتے تھے۔ سحر نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ رات کو سرائے کے باہر پہرے کا انتظام بھی ہوتا ہے تاکہ کوئی خطرہ نظر آئے تو تہ خانے تک قبل از وقت اطلاع پہنچا دی جائے۔ سحر کو وہاں قید کر لیا گیا تھا۔ وہ اکیلی باہر نہیں جا سکتی تھی۔ وہ دل پر پتھر رکھ کر وہاں ناچتی رہی۔ وہ مایوس ہوگئی تھی کہ وہ انتقام لینے آئی تھی مگر قید ہوگئی۔ اُس نے کسی پر اپنی مایوسی کا اظہار نہ ہونے دیا۔ اس سے یہ فائدہ ہُوا کہ وہ لوگ اس پر اعتبار کرنے لگے۔ بعض راز کی باتیں بھی اس کے سامنے کر گزرتے تھے۔

ایک رات تہ خانے کی محفل میں ایک صلیبی جاسوس نے سرائے کے مالک سے کہا — "ہم ان دو لڑکیوں سے اُکتا گئے ہیں۔ کوئی نئی چیز لاؤ۔"

سحر اور دوسری رقاصہ بھی وہیں تھی۔ دوسری رقاصہ کو تو افسوس ہُوا ہوگا، سحر کو اُمید کی ایک کرن نظر آگئی۔ سرائے کے مالک نے کہا کہ صلاح الدین ایوبی نے ایسی فضا پیدا کر دی ہے کہ اب دمشق میں کوئی اور رقاصہ یا کوئی نئی چیز نہیں مل سکے گی۔

"مل کیوں نہیں سکے گی؟" سحر نے کہا — "جن ناچنے گانے والیوں کو امیروں کے گھروں سے پکڑ کر آزاد

کر دیا گیا تھا وہ ابھی یہیں ہیں۔ میری طرح وہ بھی چھپی ہوئی ہیں۔ اگر تم لوگ مجھے دو تین روز کے لیے باہر جانے دو تو میں انہیں پردہ دار خواتین کے بھیس میں یہاں لے آؤں گی۔"

سحر کو اس وقت تک قابلِ اعتماد سمجھ لیا گیا تھا۔ انہوں نے اسے اجازت دے دی اور کچھ رقم بھی دے دی۔ صبح ہوئی تو سحر پردے میں باہر نکل گئی۔

☆

چار پانچ روز بعد سرائے کے چور دروازے سے آٹھ مستورات داخل ہوئیں اور سرائے کے مالک کے کمرے میں چلی گئیں۔ مستورات نے برقعہ نما لبادے اوڑھ رکھے تھے جن میں ان کے چہرے چھپے ہوئے تھے۔ کمرے میں آکر سب نے نقاب اٹھا دیئے۔ سرائے کے مالک نے آنکھیں مل کر انہیں دیکھا۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ یہ سب جوان لڑکیاں تھیں اور ایک سے ایک بڑھ کر خوبصورت۔ اُن کے ساتھ سحر تھی۔ اُس نے بتایا کہ ان میں سے کون کس کے پاس تھی، اور یہ بھی بتایا کہ ان کا رقص دیکھ کر اور گانا سُن کر تم پر مدہوشی طاری ہو جائے گی۔ اس نے کہا — "آج رات اپنے تمام دوستوں کو تہ خانے میں بلا لو۔"

سرائے کا مالک پاگلوں کی طرح اٹھ دوڑا۔ وہ اپنے ساتھیوں کو رات تہ خانے میں آنے کو کہنے گیا تھا۔ سحر لڑکیوں کو دوسری رقاصہ کے پاس لے گئی۔ وہ رقاصہ انہیں دیکھ کر حیران ہوئی کہ وہ ان میں سے کسی کو بھی نہیں جانتی تھی۔ اس رقاصہ نے ایک لڑکی کے ساتھ اپنی مخصوص اصطلاحوں میں بات کی تو وہ لڑکی ذرا جھینپ گئی۔ سحر نے اسے کہا — "یہ ڈری ہوئی ہیں۔ میں انہیں زمین کے نیچے سے نکال کر لائی ہوں۔ رات کو ان کا فن دیکھ کر تم سمجھ جاؤ گی کہ یہ کون ہیں اور کہاں سے آئی ہیں۔"

وہ رقاصہ مطمئن نہ ہوئی۔ اسے کچھ شک ہوتا یا نہ ہوتا اسے یہ افسوس ضرور تھا کہ ان لڑکیوں کے سامنے اس کی قدر و قیمت ختم ہو گئی ہے۔ اُس نے سحر کو اپنے کمرے میں لے جا کر کہا — "معلوم ہوتا ہے تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ یہ نئی لڑکیاں ہیں اور خوبصورت بھی ہیں۔ ان کے مقابلے میں ہم دونوں بہت ہی پرانی نظر آئیں گی۔ ہماری قیمت اتنی گر جائے گی کہ یہ لوگ ہمیں پرانے سامان کی طرح اٹھا کر باہر پھینک دیں گے۔ تم انہیں کہاں سے لے آئی ہو؟ تم نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔"

"میں دراصل اپنی مشقت کم کرنا چاہتی ہوں۔" سحر نے جواب دیا — "ان کے آجانے سے ہم دونوں کا کام کم ہو جائے گا۔"

دوسری رقاصہ اس کی یہ دلیل نہیں مان رہی تھی۔ سحر کے پاس اور کوئی دلیل نہیں تھی جس سے وہ اُسے مطمئن کرتی۔ دونوں میں تکرار ہوگئی۔ دوسری رقاصہ غصے میں آگئی اور بولی — "میں سرائے کے مالک سے کہوں گی کہ یہ لڑکیاں ناچنے والی نہیں، یہ عصمت فروش لڑکیاں ہیں جنہیں اس نازک جگہ نہیں آنا چاہیے کیونکہ یہ تہ خانے کے راز کو خطرے میں ڈال سکتی ہیں۔ ان نوجوان لڑکیوں کا کیا بھروسہ؟" یہ رقاصہ بہت تجربہ کار اور چالاک تھی۔ اُس نے سحر کی زبان بند کر دی پھر بھی سحر اس کی بات نہیں مان رہی تھی۔ اس رقاصہ نے آخر یہ دھمکی دی۔ "اگر

تم انہیں یہاں سے چلتا نہیں کروگی تو میں یہاں آنے والوں کو یہ کہہ کر یہاں آنے سے روک دوں گی کہ تم انہیں گرفتار کرانے کے لیے ان لڑکیوں کا جال پھیلا رہی ہو۔"

سحر پریشان ہوگئی۔ دوسری رقاصہ غصے میں باہر جانے کو اٹھی اور دروازے کی طرف چلی۔ سحر نے بڑی پھرتی سے اپنی قمیص کے نیچے ہاتھ ڈالا، اور کمر بند سے خنجر نکال کر دوسری رقاصہ کی پیٹھ میں گھونپ دیا۔ وہ زخم کھا کر گھومی تو سحر نے خنجر اس کے دل میں اتار دیا اور دانت پیس کر کہا — "میں تجھے قتل نہیں کرنا چاہتی تھی۔ بدبخت تجھے بھی میرے ہی ہاتھوں مرنا تھا۔" — اس نے اسی کے کپڑوں سے خنجر صاف کیا۔ رقاصہ کی لاش پر اس کے پلنگ سے بستر اٹھا کر پھینک دیا اور دروازہ باہر سے بند کر کے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اپنے خون آلود کپڑے بدلے اور خنجر کمر بند میں اڑس کر قمیص کے نیچے چھپا دیا۔

☆

رات سرائے کے مالک کے علاوہ چھ آدمی تہ خانے کے اس کمرے میں آئے جہاں رقص اور شراب کا دور چلا کرتا تھا۔ سرائے کے مالک نے سحر سے دوسری رقاصہ کے متعلق پوچھا تو سحر نے نفرت کے لہجے میں کہا — "وہ ان لڑکیوں کو دیکھ کر جل بھن گئی ہے۔ وہ اپنے آپ کو ان سب سے زیادہ حسین سمجھتی ہے... آج رات وہ یہاں نہ ہی آئے تو اچھا ہے، محفل کے رنگ میں بھنگ ڈالے گی۔"

"لعنت بھیجو!" سرائے کے مالک نے کہا — "کل اس سے نمٹ لوں گا۔ اسے پڑی رہنے دو اپنے کمرے میں۔"

سحر نے ان چھ آدمیوں سے کہا — "ان لڑکیوں کے پاس اچھے کپڑے نہیں ہیں۔ ان کا لباس تم سب کے ذمے ہے۔ آج رات وہ جن کپڑوں میں ہیں انہی میں تمہارے سامنے آئیں گی۔"

انہوں نے جب لڑکیوں کو دیکھا تو بھول ہی گئے کہ انہوں نے کیسے کپڑے پہن رکھے ہیں۔ لڑکیاں چہروں سے پیشہ ور ناچنے والیاں لگتی ہی نہیں تھیں۔ ان کے چہرے تر و تازہ اور معصوم سے تھے۔ ان کے بالوں کو بھی نہیں سجایا گیا تھا۔ ان کی کوئی حرکت ظاہر نہیں کرتی تھی کہ یہ پیشہ ور ہیں۔ ان کا انداز سیدھا سادا سا تھا۔ سحر نے انہیں کہا کہ اپنے مہمانوں کو شراب پیش کرو۔ وہ جب مراحیوں سے پیالوں میں شراب انڈیلنے لگیں تو ایک آدمی نے ایک لڑکی کو چھیڑا۔ لڑکی بدک کر پیچھے ہٹ گئی۔ اس کا چہرہ لال سرخ ہوگیا۔

"سحر!" اس آدمی نے کہا — "انہیں کہاں سے لائی ہو؟ یہ کس کے پاس تھیں؟"

سحر نے قہقہہ لگایا اور بولی — "اپنا فن بھول گئی ہیں۔ یہ صلاح الدین ایوبی کا خوف ہے جو اِن سب پر طاری ہے۔ ابھی کھل جائیں گی۔"

"صلاح الدین ایوبی!" ایک نے طنزیہ کہا — "ہمارے جال میں وہ اب آیا ہے۔ ہم اسے اسی کے امیروں اور سالاروں سے مروائیں گے۔" اس نے اپنے ایک ساتھی کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا — "اِس کا خنجر صلاح الدین ایوبی کے خون کا پیاسا ہے۔ جانتی ہو نا اسے؟ یہ حسن بن صباح کی اُمت سے ہے۔ فدائی!"

اس نے ایک لڑکی کے گال پر ہلکی سی چپت دے کر کہا — "ایوبی کا خوف دل سے اتار دو۔ وہ چند دنوں کا مہمان ہے۔"

تھوڑی سی دیر بعد شراب رنگ دکھانے لگی اور رقص کی فرمائش ہوئی۔ لڑکیاں مراحیوں اور پیالوں کو اِدھر اُدھر کرتی اور بھرتی ان چھ آدمیوں کے پیچھے ہوگئیں۔ اچانک سب نے قمیصوں کے نیچے ہاتھ ڈالے، خنجر نکلے۔ سحر نے بھی خنجر نکال لیا تھا۔ اس نے سرائے کے مالک پر وار کیا اور دوسروں نے چھ آدمیوں کو پے در پے وار کر کے لڑھکا دیا۔ کسی کو بھی سنبھلنے کی مہلت نہ ملی۔ سحر ہر ایک پر وار کیے جا رہی تھی جیسے پاگل ہو گئی ہو — اس نے انتقام لے لیا۔

یہ لڑکیاں شریف گھرانوں کی بیٹیاں تھیں جو سلطان ایوبی کے پاس عرضداشت لے کر گئی تھیں کہ وہ مردوں کے دوش بدوش لڑنا چاہتی ہیں۔ انہوں نے ہی سحر کو ایک غریب گھرانے سے برآمد کیا تھا۔ اس نے جب لڑکیوں کو جنگی پیمانے پر کام کرتے دیکھا تو اسے سرائے کے مالک کا خیال آ گیا تھا۔ اس نے لڑکیوں کو بتا دیا تھا کہ سرائے کا تہ خانہ جاسوسوں اور تخریب کاروں کا اڈہ ہے۔ ان لڑکیوں کی مدد سے وہ انہیں پکڑوانا چاہتی تھی مگر وہاں گئی تو سرائے کے مالک نے اس کا باہر نکلنا بند کر دیا۔ جاسوسوں کی اس فرمائش پر کہ نئی لڑکیاں لاؤ، اسے موقع مل گیا۔ اسے نئی لڑکیاں لانے کی اجازت مل گئی۔ اس نے ان لڑکیوں سے ذکر کیا اور کہا کہ وہ نئی لڑکیاں بن کر چلیں اور ان آدمیوں کو ختم کیا جائے۔ لڑکیاں تیار ہوگئیں، انہوں نے سکیم بنائی اور اس کے ساتھ چلی گئیں۔ انہوں نے یہ سوچا ہی نہیں کہ ان آدمیوں کو اپنے جال میں پھانس کر گرفتار کرایا جائے۔ اگر انہیں گرفتار کرایا جاتا تو اُن سے بڑی قیمتی معلومات حاصل کی جا سکتی تھیں اور ان سے نشاندہی کروا کے ان کے کئی اور ساتھی پکڑوائے جا سکتے تھے، مگر لڑکیاں جوشیلی اور جذباتی تھیں۔ وہ اتنا ہی جانتی تھیں کہ دشمن کو ہلاک کیا جاتا ہے۔ وہ اپنے جذبۂ جہاد کی تسکین کرنا چاہتی تھیں اور سحر کا سینہ جذبۂ انتقام سے پھٹ رہا تھا۔ وہ انہیں اپنے ہاتھوں سے قتل کرنے کو بے تاب تھی۔ اس نے دوسری رقاصہ کو اسی لیے قتل کیا تھا کہ ان لڑکیوں کی اصلیت بے نقاب ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ ان کی اصلیت تو بے نقاب ہو ہی چلی تھی۔ انہیں اس قسم کی غلیظ محفل کے طور طریقوں اور شراب پلانے کے انداز سے واقفیت ہی نہیں تھی۔ انہوں نے بروقت خنجر نکال لیے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئیں۔

وہ سب چور دروازے سے نکلیں اور اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئیں۔ ان کی رپورٹ پر کچھ دیر بعد فوج نے سرائے پر چھاپہ مارا اور تہ خانے میں گئے۔ وہاں لاشیں پڑی تھیں۔ تہ خانے کے کمروں کی تلاشی لی گئی۔ ایک کمرے سے دوسری رقاصہ کی لاش برآمد ہوئی اور سرائے کے مالک کے کمرے سے کئی ایک ثبوت ملے کہ یہ لوگ جاسوس اور تخریب کار تھے — مگر آنے والا وقت سلطان صلاح الدین ایوبی اور سلطنتِ اسلامیہ کے لیے تاریخ کے سب سے بڑے خطرے لا رہا تھا اور سلطان ایوبی دن رات جنگی منصوبہ بندی اور فوج کی ٹریننگ میں مصروف رہتا تھا۔

داستان ایمان فروشوں کی

سوئم

صلاح الدین ایوبی کے دور کی حقیقی کہانیاں
عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں

التمش

فہرست

تعارف

"داستان ایمان فروشوں کی" کا تیسرا حصہ پیش کیا جاتا ہے۔

آپ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہوں گے کہ ہماری ابھرتی ہوئی نسل کا کردار مجروح ہو چکا ہے۔ اس قومی المیہ کے اسباب سے بھی آپ واقف ہوں گے۔ اگر نہیں تو ہم بتاتے ہیں۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ بچوں کو اپنے آباؤ اجداد کی روایات سے بے خبر رکھا جا رہا ہے۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ ان کی تاریخ شجاعت کے کارناموں سے بھرپور ہے۔ ان کی نصابی کتابوں میں بھی ان روایات کا ذکر نہیں ملتا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ ہمارے بچے اور نوجوان ایسی کہانیوں کے عادی ہو گئے ہیں جن میں تفریحی اور لذیذ مواد زیادہ ہوتا ہے اور جن میں سنسنی، سسپنس، ہنگامہ آرائی اور جنسیت ہوتی ہے اور جو جذبات میں ہلچل بپا کر دیتی ہیں۔ یہ دراصل انسانی فطرت کا مطالبہ ہے جسے پورا کرنا ضروری ہے لیکن بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

ہمارے دشمن نے جو یہودی بھی ہے اور ہندو بھی، انسان کی اس فطری ضرورت کو اسلام دشمن مقاصد اور پاکستان دشمن عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کیا ہے۔ یہ جو فحش، عریاں، مار دھاڑ اور جرائم سے بھرپور کہانیاں، رسالے اور فلمیں مقبول ہوئی ہیں، ان کا خالق ہمارا دشمن ہے اور انہیں ہمارے ملک میں پھیلانے کا کام دشمن ہی کر رہا ہے۔ یہ زہریلا ادب ہمارے ہاں اس حد تک مقبول ہو گیا ہے کہ غیر اسلامی نظر[illegible]ل کہانیاں بھی پاکستانیوں نے دل و جان سے قبول کر لی ہیں۔ پاکستان کے زر پرست ناشروں، رسالوں کے مالکوں اور قلمکاروں نے دیکھا کہ ان کہانیوں سے تو دولت کمائی جا سکتی ہے، چنانچہ انہوں نے بھی قومی سُود و زیاں کو نظر انداز کر کے فحاشی کو ذریعۂ معاش بنا لیا ہے۔

اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ ہندو اور یہودی نے اور ہمارے مفاد پرست ناشروں نے ہماری نوجوان نسل کی کردار کُشی کے لیے ان اخلاق سوز کہانیوں کو ذریعہ بنا رکھا ہے۔

ہم نے اپنی اُبھرتی ہوئی نسل کے انفرادی اور قومی کردار کے تحفظ اور نشو و نما کے لیے "حکایت" میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے دَور کی سچی کہانیوں کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس سلسلے کے ہم دو حصے کتابی صورت میں پیش کر چکے ہیں۔ تیسرا حصہ پیش خدمت ہے۔ ان کہانیوں میں آپ کو وہ تمام لوازمات ملیں گے جو آپ کے اور آپ کے بچوں کے فطری مطالبات کی تسکین کریں گے۔ ان میں سنسنی بھی ہے سسپنس بھی اور یہ کہانیاں

آپ کو قدم قدم پر چونکائیں گی۔ نگران کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ یہ اُس قومی جذبے اور ایمان کو زندہ و بیدار کریں گی جسے ہمارا دشمن فحش اور اخلاق سوز کہانیوں کے ذریعے کمزور بلکہ مُردہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایک جنگ میدان میں لڑی جسے صلیبی جنگوں کا سلسلہ کہا جاتا ہے۔ دوسری جنگ زمین دوز محاذ پر لڑنی پڑی۔ یہ جاسوسوں اور کمانڈو فورس کی جنگ تھی۔ یہ مختلف اوقات کی تفصیلی اور ڈرامائی وارداتیں ہیں، جن میں آپ کو سلطان ایوبی کے اور صلیبیوں کے جاسوسوں، سراغرسانوں، تخریب کاروں، گوریلوں اور کمانڈو عسکریوں کے سنسنی خیز، ولولہ انگیز اور چونکا دینے والے تصادم، زمین دوز تعاقب اور فرار ملیں گے۔

صلیبیوں نے مسلمانوں کے ہاں تخریب کاری، جاسوسی اور کردار کشی کے لیے غیر معمولی طور پر حسین اور چالاک لڑکیاں استعمال کی تھیں، اس لیے یہ عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں بن گئیں۔

اگر آپ سچے دل سے فحش اور مخرب اخلاق کہانیوں سے اپنے بچوں کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو انہیں "داستان ایمان فروشوں کی" کے سلسلے کی کہانیاں پڑھنے کو دیں۔

عنایت اللہ

مدیر "حکایت" لاہور

۶؍ستمبر ۷۸ء

ناگوں والے قلعے کے قاتل

دمشق میں جب سلطان صلاح الدین ایوبی داخل ہوا تھا تو اُس کے ساتھ سات سو سوار تھے۔ تمام مؤرخین نے یہی تعداد لکھی ہے لیکن تاریخ سلطان ایوبی کے اُن جانبازوں سے بے خبر ہے جن میں سے کوئی تاجروں کے بہروپ میں، کوئی بے ضرر مسافروں کے بھیس میں اور کوئی شامی فوج کے معمولی معمولی سپاہیوں کے لباس میں ایک ایک بھی، دو دو اور چار چار کی ٹولیوں میں بھی دمشق میں داخل ہوئے تھے۔ ان میں زیادہ تر سلطان ایوبی کے خاموش حملے سے پہلے ہی یہاں آ گئے تھے اور کچھ اُس وقت داخل ہوئے تھے جب دمشق کے دروازے سلطان ایوبی کے لیے کھل گئے تھے۔ یہ جاسوسوں کا دستہ تھا جنہیں جانباز جاسوس کہا جاتا تھا کیونکہ یہ ہر قسم کی لڑائی، ہر ہتھیار کے استعمال، ہر طرح کی تباہ کاری کے ماہر تھے اور دماغی لحاظ سے مستعد اور ذہین۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ جان کی پروا نہیں کرتے تھے۔ ایسے ایسے خطرے مول لیتے تھے جن کے تصور سے ہی عام سپاہی بدک جاتے تھے۔ ایسا جذبہ صرف ٹریننگ سے پیدا نہیں ہوتا۔ اس کام کے لیے ایسے جوان منتخب کیے جاتے تھے جن کے دلوں میں اپنے مذہب کا عشق اور دشمن کی نفرت بھری ہوتی تھی۔ یہ جانباز جنونی قسم کے مسلمان ہوتے تھے۔ سلطان ایوبی نے ایسے جانبازوں کے کئی دستے تیار کر رکھے تھے۔

سلطان ایوبی جب سات سو سواروں کے ساتھ دمشق کو روانہ ہوا تھا تو اُس نے منتخب لڑاکا جاسوسوں کا ایک دستہ خصوصی ہدایات کے ساتھ دمشق کو روانہ کر دیا تھا۔ ان میں ایک ہدایت یہ تھی کہ اگر دمشق کی فوج مقابلے پر اُتر آئے تو یہ جاسوس شہر کے اندر اپنی سمجھ اور ضرورت کے مطابق تخریب کاری کریں، اور وہ دروازے کھولنے کی بھی کوشش کریں۔ ان میں ایسے بھی تھے جنہیں شہریوں میں دہشت، بھگدڑ، افراتفری اور افواہیں پھیلانے کی ٹریننگ دی گئی تھی۔ ان تمام جانبازوں کی تعداد دو اور تین سو کے درمیان تھی۔ اُس وقت کے وقائع نگاروں نے صحیح تعداد نہیں لکھی۔ صرف یہ لکھا ہے کہ سلطان ایوبی کی آمد کے وقت دمشق میں دو تین سو جاسوس اور تباہ کار موجود تھے۔ ایک فرانسیسی وقائع نگار نے صلیبی جنگوں کے حالات اور واقعات قلم بند کرتے ہوئے سلطان ایوبی کے لڑاکا جاسوسوں کے متعلق بہت کچھ لکھا ہے۔ اس نے ان جانبازوں کے اسلامی جذبے کو مذہبی جنون بھی کہا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ جاسوس نفسیاتی مریض تھے۔ اس فرانسیسی نے تو مذہبی جنون کی توہین کی ہے کہ اسے نفسیاتی مرض کہا ہے لیکن یہ نفسیاتی کیفیت ہی تھی۔ مسلمان صاحب ایمان

صرف اُس صورت میں بنتا ہے جب مذہب اس کی نفسیات کا جزبن جاتا ہے۔

ان جانبازوں کو جاسوسی اور تباہ کاری کی ٹریننگ علی بن سفیان اور اس کے دو نائبین حسن بن عبداللہ اور زاہدان نے دی تھی، اور معرکہ آرائی کی ٹریننگ تجربہ کار فوجیوں کے ہاتھوں ملی تھی۔ اب جب کہ سلطان ایوبی دمشق میں تھا علی بن سفیان قاہرہ میں تھا۔ وہاں کے اندرونی حالات پوری طرح نہیں سنبھلے تھے۔ سلطان ایوبی کی غیر حاضری، دمشق پر اُس کے قبضے اور خلافت کی معزولی کی صورت میں مصر میں صلیبی تخریب کاری کا خطرہ بڑھ گیا تھا، اس لیے علی بن سفیان کو وہیں رہنے دیا گیا تھا۔ دمشق میں اُس کا ایک نائب حسن بن عبداللہ آیا تھا۔ وہی جاسوس جانبازوں کے دستے کا کمانڈر تھا۔ دمشق پر سلطان ایوبی نے قبضہ کر لیا تو وہاں کی بیشتر فوج سالار توفیق جواد کی زیرِ کمان سلطان ایوبی سے مل گئی تھی۔ باقی فوج اور خلیفہ کے باڈی گارڈ دستے، خلیفہ اور اُس کے حواری امراء کے ساتھ دمشق سے بھاگ گئے تھے۔ توقع تھی کہ سلطان ایوبی انہیں گرفتار کرنے کے لیے فوج اُن کے تعاقب میں بھیجے گا لیکن اُس نے ایسی کوئی حرکت نہ کی۔ دو تین سالاروں نے اسے کہا بھی کہ ان امراء وغیرہ کو پکڑنا ضروری ہے جو بھاگ گئے ہیں۔ وہ کہیں اکٹھے ہو جائیں گے اور اطمینان سے سلطان ایوبی کے خلاف جنگی تیاری کریں گے۔

"اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ صلیبیوں سے بھی مدد مانگیں گے جو انہیں مل جائے گی" سلطان ایوبی نے کہا ۔۔۔ "لیکن میں اندھیرے میں کبھی نہیں چلا۔ پہلے یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ گئے کہاں ہیں اور ان کا مرکز کون سا بنے گا۔ آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔ میری آنکھیں اور میرے کان بھاگنے والوں کے ساتھ ہی چلے گئے ہیں۔ وہ بدبخت اتنی جلدی حملہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے۔ میں صرف یہ دیکھ رہا ہوں کہ صلیبی کیا کریں گے۔ وہ مصر پر بھی یلغار کر سکتے ہیں۔ وہ شام پر بھی حملہ کر سکتے ہیں۔ وہ شاید اس انتظار میں ہیں کہ میں کیا کروں گا۔ ہو سکتا ہے وہ میری چال کے بعد اپنی چال چلنا چاہتے ہوں۔ آپ فوج کو میری بتائی ہوئی تنظیم میں لا کر اُن کی تربیت اور جنگی مشقیں جاری رکھیں۔"

☆

سلطان ایوبی نے جنہیں اپنی آنکھیں اور اپنے کان کہا تھا وہ یہی جاسوس تھے جو مصر سے یہاں آئے تھے۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو انہی علاقوں کے رہنے والے تھے جب الملک الصالح اور اس کے امراء وزراء دمشق سے بھاگے تو ان کے ساتھ سلطان ایوبی کے بہت سے جاسوس بھی چلے گئے تھے۔ بھاگنے والوں کی تعداد کم نہیں تھی۔ تمام امراء اور وزراء اور کئی ایک جاگیرداروں اور حاکموں کا عملہ بھی تھا، فوج کی بھی کچھ نفری تھی اور بڑوں کے خوشامدی لوگ بھی تھے، یہ تتر بتر ہو کر بھاگے تھے۔ ان کے ساتھ جاسوسوں کا چلے جانا آسان تھا۔ یہ جاسوس اس مشن پر ساتھ گئے تھے کہ دیکھیں الصالح اور اس کے پلنے والے امراء کیا جوابی کارروائی کریں گے اور انہیں صلیبیوں کی کتنی کچھ اور کیسی مدد حاصل ہوگی۔ یہ جاسوس جو دمشق سے باہر گئے تھے حسن بن عبداللہ کے خصوصی منتخب افراد تھے۔ وہ اس صورتِ حال کے سیاسی پس منظر کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔

ان میں ایک ماجد بن محمد حجازی تھا۔ خوبرو جوان، جسم نہایت موزوں اور گٹھا ہوا اور اسے خدا نے زبان کی ایسی چاشنی دی تھی جس میں طلسماتی اثر تھا۔ تقریباً ہر جاسوس کی شکل و صورت اور اوصاف ایسے ہی تھے لیکن ماجد بن محمد ان سب سے برتر لگتا تھا۔ اُن جاسوسوں کی اتنی اچھی صحت کا راز غالباً یہ تھا کہ انہیں کسی قسم کے نشے کی عادت نہیں تھی اور وہ عیاشی کو بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کے اخلاق میں جو پختگی تھی اُس نے ان میں فولاد جیسی قوتِ ارادی پیدا کر رکھی تھی۔ ان کا قول و فعل مذہب کا پابند تھا۔ ماجد حجازی اپنے ساتھیوں کی طرح اس فولادی کردار کا نمونہ تھا اور روح کی جو پاکیزگی تھی اُس نے اس کے چہرے کو حسین بنا رکھا تھا۔ وہ دمشق سے بھاگا جا رہا تھا۔ اس کے نیچے عرب کی اعلیٰ نسل کا گھوڑا تھا۔ اس کے پاس تلوار تھی اور گھوڑے کی زین کے ساتھ چمکتی ہوئی انی والی برچھی تھی۔

وہ ویرانے میں اکیلا جا رہا تھا۔ اس نے حلب کی سمت جاتے ہوئے بہت سے لوگوں کو دیکھا تھا۔ اسے کوئی ایک بھی ایسا نظر نہیں آیا تھا جس کے ساتھ وہ جاتے۔ وہ اپنے لیے کوئی ہمسفر ڈھونڈ رہا تھا جو اُس کے مشن کے لیے سود مند ہو سکے۔ ایسا ہمسفر فوج کا کوئی اعلیٰ افسر ہو سکتا تھا یا کوئی ایسا امیر جسے الصالح کا قُرب حاصل ہوتا۔ اس کی سراغرساں آنکھیں الصالح کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ اس نے چند ایک لوگوں سے پوچھا بھی تھا کہ وہ کس طرف گیا ہے مگر اسے الصالح کا کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ الملک الصالح نورالدین زنگی مرحوم کی عمر یا اُس کی خوبیوں جیسا کوئی آدمی نہیں بلکہ وہ گیارہ سال کی عمر کا بچہ ہے جسے مفاد پرست امراء نے اپنے مقاصد کے لیے سلطنت کی گدی پر بٹھایا ہے اور عملاً حکمران یہ امراء خود بنے ہوئے ہیں۔ وہ تصور میں لا سکتا تھا کہ وہ بچہ اکیلا نہیں جا رہا ہوگا۔ اس کے ساتھ امیروں وزیروں اور درباریوں کا قافلہ ہوگا اور اس قافلے کے ساتھ زر و جواہرات اور مال و دولت سے لدے ہوئے اونٹ ہوں گے۔

ماجد حجازی نے سوچا تھا کہ یہ قافلہ اُسے نظر آ گیا تو وہ الملک الصالح کا مرید بن کر قافلے میں شامل ہو جائے گا۔ یہ کامیابی حاصل ہونے کی صورت میں اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اسے کیا کرنا ہے اور سینوں سے راز کس طرح نکالنے ہیں مگر اسے اپنے شکار کا کوئی سراغ نہ ملا۔ آگے چٹانی علاقہ آ گیا جہاں ہریالی بھی تھی۔ ذرا سستانے کے لیے وہ چٹانوں کے اندر چلا گیا ...... ایک جگہ اُسے دو گھوڑے نظر آئے۔ ان سے ذرا پرے ہری بھری گھاس پر ایک آدمی لیٹا ہوا تھا اور اُس کے ساتھ ایک عورت تھی۔ وہ سوئے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ وہ ذرا فاصلے پر رُک گیا اور گھوڑے سے اُتر کر ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا۔ ایک گھوڑا ہنہنایا تو وہ آدمی اٹھ بیٹھا۔ لباس سے وہ اونچے درجے کا فرد معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے ماجد حجازی کو دیکھا تو اُسے اپنے پاس بلایا۔ ماجد اُس کے پاس چلا گیا اور اس سے ہاتھ ملایا۔ عورت بھی اُٹھ بیٹھی۔ وہ عورت نہیں جوان لڑکی تھی اور بہت خوبصورت۔ اس کے گلے کا ہار بتا رہا تھا کہ یہ لوگ معمولی حیثیت کے نہیں۔ اس آدمی کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی اور لڑکی پچیس سال سے کم لگتی تھی۔ ماجد نے ان دونوں کو ایک نظر میں بھانپ لیا۔

"تم کون ہو؟" اُس آدمی نے ماجد سے پوچھا ۔۔۔ "دمشق سے آئے ہو؟"

"میں دمشق سے ہی آیا ہوں۔" ماجد نے جواب دیا ـــ "لیکن میں یہ نہیں بتا سکتا کہ میں کون ہوں۔ آپ کیسے سفر میں ہیں؟"

"تم شریف آدمی معلوم ہوتے ہو۔" اس آدمی نے مسکرا کر کہا ـــ "غالباً ہم ایک ہی سفر کے مسافر ہیں۔"

"کیا آپ یقین کرنا چاہتے ہیں کہ میں شریف ہوں یا بدمعاش؟" ماجد حجازی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے کہا ـــ "جس کے ساتھ اتنی حسین لڑکی ہو اور لڑکی کے گلے میں اتنا قیمتی ہار ہو اور ساتھ مال اور دولت بھی ہو وہ ہر راہی کو بدمعاش اور ڈاکو سمجھتا ہے۔ میں ڈاکو نہیں ہوں۔ آپ کو ڈاکوؤں سے بچا ضرور سکتا ہوں خواہ میری جان چلی جائے۔" اُس کے دماغ میں اچانک ایک بات آگئی جو اُس نے تیر کی طرح منہ سے نکال دی۔ اُس نے کہا ـــ "دمشق سے بھاگے ہوئے کچھ لوگ ڈاکوؤں کا شکار ہو گئے ہیں۔ میں نے راستے میں دو لاشیں بھی دیکھی ہیں۔ یہ موقعہ ڈاکوؤں کے لیے نہایت اچھا ہے کہ لوگ مال و دولت کے ساتھ دمشق سے بھاگ رہے ہیں۔"

لڑکی کا اتنا دلکش رنگ اڑ گیا۔ وہ اپنے آدمی کے ساتھ لگ گئی۔ کچھ ایسی ہی حالت آدمی کی ہو گئی۔ ماجد حجازی جان گیا کہ یہ لوگ کون ہیں اور کیا ہیں۔ اُن پر خوف و ہراس غالب کر کے اس نے اپنی زبان کے کرشمے دکھانے شروع کر دیئے۔ اس نے صلاح الدین ایوبی کو برا بھلا کہا اور سلطان الملک الصالح کی مدح سرائیوں کی جیسے وہ زمین و آسمان کا واحد برگزیدہ انسان ہو۔ ماجد نے اُس پر دہشت کا غلبہ اور زیادہ پختہ کرنے کے لیے کہا ـــ "صلاح الدین ایوبی نے دمشق سے بھاگے ہوئے آپ جیسے لوگوں کو لوٹنے اور اُن سے جوان بیٹیاں اور بیویاں چھیننے کے لیے اپنی فوج کے دستے ادھر بھیج دیئے ہیں .... یہ لڑکی آپ کی کیا لگتی ہے؟"

"یہ میری بیوی ہے۔"

"اور دمشق میں آپ کتنی بیویاں چھوڑ آئے ہیں؟" ماجد حجازی نے پوچھا۔

"چار۔"

"خدا کرے یہ پانچویں خیریت سے آپ کے ساتھ منزل پر پہنچ جائے۔" ماجد نے کہا۔

"ایوبی کی فوج کتنی دور ہے؟" اُس آدمی نے پوچھا۔ "تم نے سپاہیوں کو لوٹ مار کرتے دیکھا ہے؟"

"ہاں، دیکھا ہے۔" ماجد حجازی نے کہا ـــ "اگر میں آپ سے کہوں کہ میں بھی صلاح الدین ایوبی کی فوج کا سپاہی ہوں تو آپ کیا کریں گے؟"

وہ کانپنے لگا۔ مسکرایا بھی مگر مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ اس نے کہا ـــ "میں تمہیں کچھ دے دوں گا اور تم سے التجا کروں گا کہ مجھے کنگال نہ کرو، اور میں تم سے یہ التجا بھی کروں گا کہ اس بے چاری کو میرے ساتھ رہنے دینا۔"

ماجد حجازی نے قہقہہ لگایا اور کہا ـــ "دولت اور عورت سے زیادہ محبت انسان کو بزدل اور کمزور بنا دیتی ہے۔ اگر مجھے کوئی کہے کہ جو کچھ پاس ہے وہ میرے حوالے کر دو تو میں تلوار کھینچ کر اسے کہوں گا کہ پہلے مجھے قتل کرو، پھر میری لاش سے تمہیں جو کچھ ملے وہ لے جانا .... محترم! مجھے یہ بتائیں کہ آپ کون ہیں؟ دمشق میں آپ کیا تھے؟

اور اب آپ کہاں جا رہے ہیں؟ اگر آپ نے سچ بتا دیا تو ہو سکتا ہے آپ کو مجھ سے زیادہ مخلص اور جانباز محافظ نہ ملے۔ معلوم ہوتا ہے ہماری منزل ایک ہے۔ میں ایوبی کی فوج کا سپاہی ضرور ہوں لیکن بھگوڑا ہوں۔"

اس آدمی نے اپنے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ وہ دمشق کے مضافاتی علاقے کا جاگیردار تھا۔ اُسے سرکاری دربار میں ایسی سرکاری حیثیت بھی حاصل تھی کہ سلطنت کی شہری اور جنگی پالیسیوں میں بھی اس کا عمل دخل تھا۔ سلطان کے باڈی گارڈ دستے کے زیادہ تر سپاہی اسی کے دیئے ہوئے تھے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیں کہ وہ سلطنت کے بالائی حلقے کا اہم قسم کا درباری تھا۔ اُسے گھر سے نکلنے ذرا دیر ہو گئی تھی۔ الصالح نے اپنے تمام حاشیہ برداروں سے کہا تھا کہ وہ حلب پہنچ جائیں۔ چنانچہ یہ جاگیردار حلب جا رہا تھا۔ اس نے یہ بھی بتا دیا کہ وہ بہت سے زر و جواہرات ساتھ لے جا رہا ہے۔ چار بیویاں پیچھے چھوڑ آیا ہے۔ یہ چونکہ سب سے چھوٹی اور خوبصورت تھی اس لیے اسے ساتھ لے آیا ہے۔ اُس نے بڑے افسوس کے ساتھ ذکر کیا کہ اُس کے محافظ اور تمام ملازم دمشق میں ہی اُس کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ انہوں نے اس کا گھر لوٹ لیا ہوگا۔ یہ اُس کی اپنی ہمت تھی ـــ کہ وہ بر وقت اپنا بیش قیمت خزانہ لے کر نکل آیا۔ وہ اب الصالح کے پاس جا رہا تھا۔

ماجد حجازی کو اس کی داستان سن کر خوشی ہوئی۔ یہ جاگیردار اس کے کام کا آدمی تھا۔ اس کے ساتھ وہ حلب کے دربار تک پہنچ سکتا تھا۔ اس نے اپنے متعلق بتایا کہ وہ اُس سوار دستے کا کماندار تھا جو سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے ساتھ دمشق لایا تھا لیکن وہ الصالح کا مرید ہے۔ اس لیے وہ اُس کے خلاف ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ اس عقیدت مندی کا نتیجہ ہے کہ وہ ایوبی کی فوج سے بھاگ آیا ہے اور سلطان کے دربار میں جا رہا ہے۔ اگر اُس نے پسند کیا تو وہ اس کے محافظ دستے میں شامل ہو جائے گا۔

"اگر میں ابھی سے تمہیں اپنا محافظ بنا لوں تو تمہاری اُجرت کی شرائط کیا ہوں گی؟" اُس نے ماجد حجازی سے پوچھا۔ "میں جیسے دمشق میں بادشاہ تھا اسی طرح وہاں بھی بادشاہ ہوں گا جہاں جا رہا ہوں۔ میرے محافظ بن کر تمہیں افسوس نہیں ہوگا۔"

"اگر آپ مجھے اپنا محافظ بنائیں گے تو آپ کو فوجی مشیر کی ضرورت نہیں پڑے گی۔" ماجد حجازی نے اُسے کہا ـــ "میری اُجرت آپ میری قابلیت دیکھ کر خود ہی مقرر کر دیں گے۔ میں ابھی کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

ماجد حجازی اس کا باڈی گارڈ بن گیا۔ یوں کہیے کہ ایک درباری جاگیردار کے ساتھ سلطان ایوبی کا ایک جاسوس لگ گیا۔ اس جاگیردار کے پاس بے انداز زر و جواہرات تھے جو اس نے اپنے سامان میں چھپا رکھے تھے جو بظاہر معمولی سا تھا۔ اسے فوری طور پر ایک محافظ کی ضرورت تھی۔ ماجد کے ڈرانے سے یہ ضرورت اور شدید ہو گئی تھی۔ اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا اور فضا خنک ہونے لگی تھی۔ ماجد کے مشورے پر انہوں نے وہیں قیام کیا .... رات گزر گئی تو جاگیردار کو یقین آ گیا کہ ماجد قابلِ اعتماد آدمی ہے۔

☆

لمبی مسافت کے بعد وہ حلب پہنچے۔ اُس وقت حلب کا امیر شمس الدین تھا جس نے تھوڑا ہی عرصہ پہلے

صلیبیوں کو تاوان دے کر ان سے صلح کر لی تھی۔ الملک الصالح دمشق سے بھاگ کر وہاں پہنچ چکا تھا۔ اُس کے تمام امراء وزراء اس کے ساتھ تھے اور اس کے باڈی گارڈ کے دستے بھی وہاں پہنچ رہے تھے۔ الصالح نے حلب کی امارت پر قبضہ کر لیا تھا اور اس کے امراء وغیرہ فوج کو نئے سرے سے منظم کرنے لگے تھے۔ صورت حال ایسی تھی کہ فوج کو جو اُس آدمی کی ضرورت تھی جس میں تھوڑی سی جنگی سوجھ بوجھ ہو۔ الملک الصالح کے پاس سونے اور خزانے کی کمی نہیں تھی، کمی فوج، کمانڈروں اور مشیروں کی تھی۔ وہ اور اس کا ٹولہ سلطان ایوبی کے خلاف لڑنے اور خلافت بحال کرنے کو بے تاب تھا۔ اُن کی بے تابیوں سے یوں پتہ چلتا تھا جیسے اُن کے دشمن صلیبی نہیں سلطان ایوبی ہے۔ انہوں نے خلیفہ کی مُہر کے ساتھ اِدھر اُدھر کے امراء کو پیغام بھیجے کہ وہ سلطنت کے دفاع کے لیے سلطان الملک الصالح کے ساتھ فوجی تعاون کریں۔ ان امراء میں حمص، حماۃ اور موصل کے حکمران خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ کسی کی طرف سے امید افزا جواب ملا اور کسی نے تعاون کا صرف وعدہ کیا۔

یہ جاگیردار حلب پہنچا تو الصالح نے اُسے خوش آمدید کہا۔ وہ بھی الصالح کی جنگی مجلس مشاورت کا اہم رُکن تھا۔ اُسے حلب میں ایک مکان دے دیا گیا۔ وہ آتے ہی اس قدر مصروف ہو گیا کہ صبح کا گیا آدھی رات کو گھر آتا تھا۔ اس کی غیر حاضری میں اُس کی بیوی ماجد حجازی میں دلچسپی لینے لگی۔ ماجد نے اس کے ساتھ ایسی بے تکلفی پیدا کر لی جس میں بدنیتی کا شائبہ تک نہ تھا۔ ماجد نے پُروقار انداز اختیار کیے رکھا جس سے لڑکی متاثر ہوئی اور وہ جیسے بھول ہی گئی ہو کہ ماجد اُس کے خاوند کا محافظ ہے۔ ماجد اپنے مشن پر کام کر رہا تھا۔ اس نے دو تین دنوں میں لڑکی کے دل پر قبضہ کر لیا۔ اس نے لڑکی سے پوچھا کہ اس کے خاوند کی باقی چار بیویاں کیسی تھیں۔ اس نے بتایا کہ کوئی ایسی بُری تو نہیں تھیں۔ اس شخص نے انہیں پرانی سمجھ کر دھوکہ دیا اور اس لڑکی کو ساتھ لے کر بھاگ آیا۔

”اور ایک روز یہ تمہیں بھی چھوڑ کر کسی اور کو لے آئے گا۔“ ماجد حجازی نے کہا ۔۔۔ ”ان امیروں کا یہ شغل ہے۔“

”اگر میں تمہیں دل کی بات بتا دوں تو میرے خاوند کو تو نہیں بتا دو گے؟“ ۔۔۔ لڑکی نے پوچھا ۔۔۔ ”مجھے دھوکہ تو نہیں دو گے؟“

”اگر میری فطرت میں دھوکہ اور فریب ہوتا تو میں تمہارے خاوند کو وہیں جہاں میں تمہیں ملا تھا آسانی سے قتل کر کے تم پر اور تمہارے مال و دولت پر ہاتھ صاف کر سکتا تھا۔“ ماجد نے کہا ۔۔۔ ”میں مرد ہوں۔ عورت کو فریب دینا مرد کی شان کے خلاف ہے۔“

”میں اب اس راز کو اپنے دل میں زیادہ دیر نہیں رکھ سکتی کہ مجھے تم سے ایسی محبت ہے جس پر میرا قابو نہیں رہا۔“ لڑکی نے کہا ۔۔۔ ”اور یہ بھی ایک راز ہے کہ مجھے اس خاوند سے نفرت ہے۔ میں بکی ہوئی لڑکی ہوں۔ کئی بار دل میں آئی ہے کہ اپنے آپ کو ختم کر دوں۔ میں شاید بزدل ہوں۔ اپنی جان لینے سے ڈرتی ہوں۔ میرے ارادے کچھ اور تھے، میرے خیالات کچھ اور تھے۔ تم نے میرے ارادوں اور خیالوں پر مٹی ڈال دی

ہے اور میرا یہ ارادہ پکا کر دیا ہے کہ اپنے آپ کو ختم کر دوں۔“

”کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ تمہیں چونکہ مجھ سے محبت ہے اس لیے خودکشی کرنا چاہتی ہو؟“

”نہیں!“ لڑکی نے کہا ۔۔۔ ”میرے ذہن میں صلاح الدین ایوبی کا تصور نورالدین زنگی سے زیادہ مقدس اور پیارا تھا۔ تم نے اس تصور کو توڑ پھوڑ دیا ہے۔ کیا صلاح الدین ایوبی اتنا ہی بُرا ہے جتنا تم نے بتایا ہے؟“

”میں تمہارے راز کو اپنا راز سمجھوں گا۔“ ماجد حجازی نے کہا ۔۔۔ ”اس کے عوض تمہیں اپنا ایک راز دیتا ہوں۔ میں تم سے کوئی وعدہ نہیں لوں گا کہ میرے راز کی حفاظت کرنا۔ اگر میرا راز فاش ہو گیا تو نہ تم زندہ رہو گی نہ تمہارا خاوند ... میں صلاح الدین ایوبی کا جاسوس ہوں۔ میں نے دو چار دنوں میں بھانپ لیا ہے کہ تم اصل میں کیا ہو۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ صلاح الدین ایوبی کا تصور اُس سے کہیں زیادہ مقدس ہے جو تم نے اپنے ذہن میں بنا رکھا ہے۔ وہ ان امیروں اور بادشاہوں کا دشمن ہے جنہوں نے لڑکیوں کو اپنے حرموں میں قید کر رکھا ہے۔ وہ اس کے سخت خلاف ہے کہ مرد عورت کو صرف تفریح اور عیاشی کا ذریعہ بنائے۔ وہ مرد اور عورت کی برابری کا اور ایک خاوند اور ایک بیوی کا قائل ہے۔ وہ عورتوں کو فوجی تربیت دینا چاہتا ہے۔ میں نے تمہارے خاوند کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے جھوٹ بولا تھا کہ ایوبی نے اپنی فوج کے چند دستوں کو دمشق سے بھاگنے والوں کو لوٹنے اور ان کی لڑکیوں کو اٹھا لانے کے لیے بھیجا ہے۔ وہ سچے اسلام کا علمبردار ہے۔ میں اسی اسلام کی خاطر اور اسی صلاح الدین ایوبی کی خاطر یہاں ایک کام کے لیے آیا ہوں۔“

لڑکی کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی۔ اس نے ماجد حجازی کا ایک ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر چوم لیا اور کہا ۔۔۔ ”تمہارا یہ راز کبھی فاش نہ ہوگا۔ مجھے مت بتاؤ کہ تم یہاں کیوں آئے ہو اور میں تمہاری کیا مدد کر سکتی ہوں! مجھے مت بتاؤ کہ صلاح الدین ایوبی اصل میں کیا ہے اور تم نے میرے خاوند کو کیا بتایا تھا۔ میں عورتوں کی اس جماعت کی لڑکی تھی جو نورالدین زنگی کی زندگی میں ہم نے بنائی تھی۔ ہم صلیبیوں کے خلاف اپنا محاذ قائم کر رہی تھیں۔ زنگی کی بیوہ ہماری سرپرست اور نگران تھی۔ میرا باپ پسند نہیں کرتا تھا کہ میں اس جماعت میں رہوں۔ وہ لالچی اور خوشامدی انسان ہے۔ اس کے لیے صلیب اور ہلال میں کوئی فرق نہیں۔ وہ اسی کا غلام ہے جس سے اُسے کچھ رقم ہاتھ آ جائے۔ اس نے مجھے اس آدمی کے ہاتھ بیچ دیا۔ اس سودے کو لوگ شادی کہتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ مسلمان کی بچی میدانِ جنگ میں ہو یا اُسے کوئی بھی جنگی اور قومی کام دے دو وہ مردوں کو حیران کر دیتی ہے اور دشمن کا منہ پھیر سکتی ہے۔ مگر یہی بچی جب حرم میں قید کر لی جاتی ہے تو وہ چیونٹی بن جاتی ہے۔ یہی حالت میری ہوئی۔ اگر میرا یہ خاوند معمولی حیثیت کا ہوتا تو میں بغاوت کرتی۔ اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرتی مگر اس آدمی کے پاس طاقت ہے، دولت ہے اور الصالح کا جو محافظ دستہ ہے اُس کے آدھے سپاہی اس کے علاقے کے ہیں جو اسی کے بھرتی کرائے ہوئے ہیں ....

”میں چونکہ اس کی پہلی چار بیویوں سے زیادہ جوان اور خوبصورت ہوں اس لیے میں ہی اس کا کھلونا بن گئی۔ میری روح مر گئی۔ میرا صرف جسم زندہ رہا۔ باہر کی دُنیا سے میرا رشتہ ٹوٹ چکا تھا اور میں جس دنیا میں

قید تھی وہاں شراب اور ناچ گانے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اگر کچھ اور تھا تو وہ نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے قتل کے منصوبے تھے.....“ وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی۔ اس نے ماجد حجازی کو جھنجھوڑ کر کہا۔ ”کیا تم میری باتیں سن رہے ہو؟ میں نے یہ یقین کیے بغیر کہ تم صلاح الدین ایوبی کے جاسوس ہو یا میرے خاوند کے، تمہیں اپنے دل کی باتیں سنا رہی ہوں۔ اگر تم میرے خاوند کے جاسوس ہو تو اسے یہ ساری باتیں سنا دینا جو میں تمہیں سنا رہی ہوں۔ وہ مجھے سزا دے گا۔ میں اب ہر قسم کی سزا برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میرے پاس اب جسم رہ گیا ہے۔ یہ جسم پتھر بن گیا ہے۔ روح مر گئی ہے۔“

”تمہاری روح زندہ ہے۔“ ماجد حجازی نے کہا۔ ”میری نگاہیں گہرائیوں سے زیادہ گہرائی تک دیکھ لیا کرتی ہیں۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ تمہاری روح زندہ ہے ورنہ میں اپنا راز کبھی تمہارے آگے نہ کھولتا۔ میں حسن اور جوانی سے مغلوب ہونے والا انسان نہیں ہوں، مرد ہوں۔ اپنی جان اسلام کے نام پر وقف کر دی ہے۔ تم بولو۔ اپنا دل ہلکا کرتی جاؤ۔ میں سن رہا ہوں۔ تمہاری داستان میرے لیے نئی نہیں۔ یہ ہر مسلمان عورت کی داستان ہے۔ اسلام کا زوال اُسی روز شروع ہو گیا تھا جس روز ایک مسلمان نے حرم کھولا اور اس میں خوبصورت لڑکیاں خرید کر قید کی تھیں۔ صلیبیوں نے کہا کہ اب اس قوم کو عورت کے ہاتھوں مرواؤ۔ انہوں نے ہمارے بادشاہوں کے حرم اپنی بیٹیوں سے بھر دیئے ہیں۔“

”یہ میرے خاوند کے گھر میں بھی ہوا۔“ لڑکی نے کہا۔ ”میں نے اپنی آنکھوں صلیبی لڑکیوں کو اپنے خاوند کے پاس آتے اور شراب پیتے دیکھا ہے۔ میں سوائے رونے کے اور کر ہی کیا سکتی تھی۔ میں اس لیے نہیں روتی تھی کہ ان لڑکیوں نے مجھ سے میرا خاوند چھین لیا تھا بلکہ اس لیے کہ مجھ سے میرا اسلام چھن گیا تھا، وہ اسلام جس کی خاطر میں نے تمہاری طرح اپنی جان وقف کی تھی۔“

”اور جذباتی باتوں سے ہٹ کر اُس کام کی باتیں کریں جس کے لیے میں یہاں آیا ہوں۔“ ماجد نے کہا اور اس سے پوچھا۔ ”اپنے خاوند پر تمہارا کتنا کچھ اثر ہے؟ کیا تم اُس کے دل سے راز کی باتیں نکال سکتی ہو؟“

”شراب کے دو پیالے پلا کر اور اس کا سر اپنے سینے سے لگا کر میں اُس سے ہر راز لے سکتی ہوں۔“ لڑکی نے جواب دیا۔ ”تم کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟“ اُس نے کچھ سوچ کر اور مسکرا کر کہا۔ ”میری ایک ذاتی شرط مان لو گے؟ .....اگر میں تمہارا کام کر دوں تو مجھے یہاں سے لے جاؤ گے؟ میری محبت کو ٹھکرا تو نہیں جاؤ گے؟“

ماجد حجازی نے اس کا دل رکھ لیا اور اُس کی شرط مان لی۔ اُس نے اسے بتایا کہ الصالح گیارہ سال کا بچہ ہے۔ وہ امیروں کے ہاتھ میں کھلونا ہے۔ یہ امیر اور وزیر صلاح الدین ایوبی کو ختم کر کے سلطنتِ اسلامیہ کو ٹکڑوں میں تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو ان ٹکڑوں کو صلیبی ہضم کر جائیں گے اور اسلام کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کہتا ہے کہ جس قوم نے اپنے ملک کے ٹکڑے کیے وہ کبھی زندہ نہیں رہی۔ ہمارے یہ امیر صلیبیوں تک سے مدد لینے کو تیار ہیں۔ صلیبی انہیں ضرور مدد دیں گے اور اس کے عوض وہ انہیں اپنا محکوم بنائیں گے۔ میں یہ معلوم کرنے آیا ہوں کہ خلیفہ کے ہاں کیا منصوبے بن رہے ہیں اور صلیبی انہیں کیا مدد دے رہے ہیں۔ مجھے یہ خبر

بہت جلدی صلاح الدین ایوبی تک پہنچانی ہے تاکہ اس کے مطابق کارروائی کی جائے، اور کہیں ایسا نہ ہو کہ سلطان ایوبی بے خبری میں صلیبیوں کے حملے کی زد میں آ جائے۔“

”کیا صلاح الدین ایوبی مسلمان امیروں پر حملہ کرے گا؟“ لڑکی نے پوچھا۔

”اگر ضرورت پڑی تو وہ دریغ نہیں کرے گا۔“

لڑکی بہت ہی جذباتی تھی اور وہ ذہین بھی تھی۔ اُس کے آنسو نکل آئے۔ اس نے کہا۔ ”اسلام کو یہ دن بھی دیکھنے تھے کہ ایک رسولؐ کی اُمت آپس میں لڑے گی۔“

”اس کے سوا کوئی اور علاج نہیں۔“ ماجد حجازی نے کہا۔ ”صلاح الدین ایوبی بادشاہ نہیں، اللہ کا سپاہی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ملک اور قوم کو خطروں اور تباہی سے بچانے کا فرض فوج کے سپرد ہے۔ یہ خطرہ باہر کے دشمن کا ہو یا اندر کے غداروں اور مفاد پرست حکمرانوں کا، اُن سے ملک اور قوم کو بچانا سپاہی کا فرض ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ فوج کو حکمرانوں کے ہاتھوں میں کھلونا نہیں بننے دے گا۔ فوج حکمرانوں کی آلۂ کار بنی ہوئی ہے۔ وہ مسلمان کافروں سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے جو کافروں کو دوست سمجھ کر انہیں اپنی جنتوں میں بٹھاتا ہے.....اب تمہارا کام یہ ہے کہ اپنے خاوند سے یہ راز لو کہ یہاں کیا منصوبہ بن رہا ہے۔“

”میں راز بھی دوں گی اور دعا بھی کروں گی کہ جب تم یہاں سے دمشق جاؤ تو تمہارے ساتھ یہ راز بھی ہو اور میں بھی ہوں۔“ لڑکی نے کہا۔

☆

”طریپولی کے صلیبی بادشاہ ریمانڈ کی طرف ایک ایلچی اس درخواست کے ساتھ بھیج دیا گیا ہے کہ وہ الصالح کی مدد کو آئے۔“ دوسرے ہی دن لڑکی نے ماجد حجازی کو بتایا۔ ”میں نے رات کو شراب پلا کر صلاح الدین ایوبی کے خلاف بہت باتیں کیں اور اسے کہا کہ تم لوگ بزدل ہو جو دمشق سے بھاگ کر حلب میں آن پناہ لی ہے۔ کوئی مسلمان حکمران کی یہ توہین برداشت نہیں کر سکتا جو صلاح الدین ایوبی نے کی ہے..... ایسی بہت سی باتیں کیں تو وہ بھڑک اٹھا اور میرے ساتھ بیہودہ حرکتیں کرتے ہوئے بولا۔ ”ایوبی چند دنوں کا مہمان ہے۔ فدائی قاتلوں کے مرشد شیخ سنان سے بھی درخواست کی گئی ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کے قتل کا بندوبست کرے اور منہ مانگا انعام لے۔ وہ اپنے تجربہ کار آدمی دمشق بھیج رہا ہے۔“ اس نے یہ بھی بتایا کہ اپنی فوج کی تیاری کے لیے بہت وقت مل جائے گا کیونکہ سردیوں کا موسم شروع ہو گیا ہے۔ پہاڑی علاقوں میں برف پڑنے لگے گی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی صحرائی فوج کو اتنی سردی اور برف میں نہیں لڑا سکے گا۔

یہ ابتدا تھی۔ شراب اور عورت ایک مرد کے سینے سے راز نکلوا رہی تھی۔ لڑکی نے ہر رات خاوند سے دن بھر کی کارگزاری معلوم کرنی شروع کر دی اور یہ راز ماجد حجازی کے سینے میں محفوظ ہوتے گئے۔ ایک روز خاوند نے ماجد سے کہا۔ ”مجھے ملازموں نے تمہارے متعلق ایک قابلِ اعتراض بات بتائی ہے۔“ ماجد کانپ اٹھا۔ وہ سمجھا کہ اس کا بھانڈا پھوٹ گیا ہے مگر خاوند نے کہا۔ ”تم میری بیوی کو ورغلا رہے ہو۔ میری غیر حاضری میں تم اس کے پاس بیٹھے رہتے ہو۔ میں جانتا ہوں کہ میرے مقابلے میں تم خوبرو ہو اور جوان بھی۔ میری بیوی تمہیں پسند کر

سکتی ہے۔ مگر میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

ماجد حجازی نے اُسے یقین دلانے کی کوشش کی کہ یہ اُس کی غلط فہمی ہے لیکن اُس کے دل میں وہم پیدا ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی بیوی سے بھی یہی بات کہی اور اس پر پابندی عائد کر دی کہ وہ ماجد حجازی سے نہیں مل سکتی۔

ماجد حجازی ابھی وہاں سے نکلنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ اسے ابھی وہاں کا پورا منصوبہ نہیں ملا تھا۔ اُس نے اس لڑکی کے خاوند کی ڈانٹ ڈپٹ سہہ لی اور اس کی دھمکیوں سے اپنے اوپر مصنوعی خوف کی کیفیت بھی طاری کر لی۔ اس کی منت سماجت بھی کی۔ اس شخص نے اُسے معاف تو کر دیا لیکن اُسی روز چھ باڈی گارڈ لے آیا۔ اُس دَور میں امیر کبیر لوگ اپنے گھر میں باڈی گارڈ رکھنے کو عزت کی نشانی سمجھتے تھے۔ اس آدمی نے ماجد حجازی سمیت سات باڈی گارڈ رکھ لیے اور ان میں سے ایک کو کمانڈر بنا دیا۔ اس کمانڈر نے ماجد کو یہ خصوصی حکم سنایا کہ وہ چونکہ آقا کی نظروں میں مشتبہ ہے، اس لیے وہ مکان کے دروازے تک بھی نہیں جا سکتا اور رات کو تھوڑی سی دیر کے لیے بھی غیر حاضر نہیں ہو سکتا۔ ماجد نے اس حکم کے آگے بھی سرِ تسلیم خم کر دیا اور اُس نے ایسا رویہ اختیار کر لیا جیسے مر گیا ہو۔

دو تین راتیں ہی گزری ہوں گی، آدھی رات کے وقت یہ لڑکی باہر نکلی۔ بڑے دروازے پر ایک باڈی گارڈ پہرے پر کھڑا تھا۔ لڑکی نے اس سے آقاؤں کے جلال اور رعب سے پوچھا — "تم یہیں کھڑے رہتے ہو یا مکان کے ارد گرد چکر بھی لگاتے ہو؟" — اس نے کچھ جواب دیا تو لڑکی نے کہا — "تم نئے آدمی ہو۔ ہمارے دمشق والے محافظ بہت ہوشیار اور چوکس تھے۔ تم اگر یہاں نوکری کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اسی طرح ہوشیار اور چوکس بننا پڑے گا۔ آقا بڑی سخت طبیعت کے مالک ہیں۔" پہرہ دار نے احترام سے سر جھکا لیا۔

لڑکی باڈی گارڈوں کو دیکھنے نکلی تھی۔ وہ اُن دو خیموں کی طرف چل پڑی جن میں دوسرے باڈی گارڈ سوئے ہوئے تھے۔ دروازے والے پہرہ دار نے دوڑ کر کمانڈر کو جگا دیا اور بتایا کہ مالکہ معائنے کے لیے آئی ہے۔ کمانڈر گھبرا کر اٹھا اور لڑکی کے آگے جھک گیا۔ لڑکی نے اسے بھی ہدایات دیں اور ایک خیمے کے آگے رک کر بلند آواز سے باتیں کرنے لگی۔ ماجد حجازی اسی خیمے میں سویا ہوا تھا۔ اُس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ باہر آ گیا۔ لڑکی نے اُس سے یوں بات کی جیسے اسے اچھی طرح جانتی ہی نہ ہو۔ اس سے پوچھا — "تم شاید پہلے والے محافظ ہو؟" — ماجد نے تعظیم سے جواب دیا تو لڑکی نے کمانڈر سے کہا — "اس آدمی کو جلدی تیار کرو۔ یہ میرے ساتھ قصرِ سلطنت تک جائے گا۔ دو گھوڑے فوراً تیار کرو۔"

"اگر آقا آپ کے متعلق پوچھیں تو میں کیا جواب دوں؟" کمانڈر نے پوچھا۔

"میں سیر سپاٹے کے لیے نہیں جا رہی۔" لڑکی نے تحکمانہ لہجے میں کہا — "آقا کے ہی کام سے جا رہی ہوں۔ حکومت کے کاموں میں مت دخل دو، جاؤ گھوڑے تیار کرو۔"

کمانڈر نے ایک آدمی کو اصطبل کی طرف دوڑا دیا۔ ماجد حجازی تلوار سے مسلح ہو کر تیار ہو گیا تھا۔ لڑکی اُسے

اصطبل کی طرف لے گئی۔ کمانڈر کو اس لڑکی کے خاوند نے بتا رکھا تھا کہ ماجد پر نظر رکھے اور اسے گھر کے اندر نہ جانے دے۔ اب لڑکی نے ماجد کو ہی اپنے ساتھ لے جانے کے لیے منتخب کیا تھا۔ کمانڈر نے دیکھا کہ وہ دونوں اصطبل کی طرف چلے گئے ہیں تو وہ دوڑ کر اندر لڑکی کے خاوند کو اطلاع دینے چلا گیا۔ وہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ خاوند کو معلوم ہے کہ اس کی بیوی مشتبہ باڈی گارڈ کے ساتھ جا رہی ہے۔ وہ لڑکی کو روک بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ وہ اس کی مالکن تھی..... وہ اندر گیا اور ڈرتے ڈرتے اپنے آقا کے کمرے کے دروازے پر ہاتھ رکھا۔ دروازہ کھل گیا۔ اندر قندیل جل رہی تھی اور کمرہ شراب کی بدبو سے بھرا ہوا تھا۔ اس نے اپنے آقا کو دیکھا۔ وہ بستر پر اس طرح پڑا تھا کہ اس کا سر اور ایک بازو پلنگ سے لٹک رہا تھا۔ ایک خنجر اس کے سینے میں اترا ہوا تھا۔ اس کے سینے پر خنجر کے کئی زخم تھے۔ کمانڈر نے اس کی نبض دیکھی۔ وہ مرا ہوا تھا۔ اس کے کپڑے خون سے لال ہو گئے تھے۔

ماجد حجازی کو لڑکی بتا چکی تھی کہ اُس نے اپنے خاوند سے سارا منصوبہ معلوم کر لیا ہے اور اب اس منصوبے پر عمل شروع ہو رہا ہے۔ اس نے خاوند کو روزمرہ کی طرح شراب پلائی اور اتنی پلائی کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ لڑکی اُسے بے ہوشی کی حالت میں ہی چھوڑ کر آ سکتی تھی لیکن انتقام کے جذبے نے اُسے پاگل کر دیا۔ اس نے اسی کے خنجر سے اس کا سینہ چھلنی کر دیا اور خنجر اس کے سینے میں ہی رہنے دیا..... ماجد حجازی گھبرایا نہیں۔ وہ تو ہر لمحہ کسی نہ کسی اچانک پیدا ہونے والی صورتِ حال کے لیے تیار رہتا تھا۔ اس نے لڑکی کے اس اقدام کو سراہا اور اسے کہا کہ وہ اطمینان سے گھوڑے پر سوار ہو جائے۔

وہ جونہی گھوڑوں پر سوار ہونے لگے رات کی خاموشی میں ایک آواز بڑی ہی بلند سنائی دینے لگی — "گھوڑے مت دینا۔ انہیں روک لو۔ وہ آقا کو قتل کر کے جا رہی ہے۔"

چھ کے چھ باڈی گارڈ تلواریں اور برچھیاں اٹھائے باہر آ گئے۔ ماجد اور لڑکی گھوڑوں پر سوار ہو چکے تھے۔ انہیں اسی راستے سے گزرنا تھا جہاں باڈی گارڈ تھے۔ ماجد نے لڑکی سے کہا کہ وہ گھوڑ سواری نہیں کر سکتی تو اُس کے گھوڑے پر پیچھے بیٹھ جائے۔ گھوڑا سرپٹ دوڑانا پڑے گا۔ لڑکی نے خود اعتمادی سے کہا کہ وہ گھوڑا دوڑا سکتی ہے۔ ماجد نے اُسے کہا کہ وہ گھوڑا اس کے پیچھے رکھے۔ ماجد نے تلوار نکال لی۔ اُدھر باڈی گارڈوں کا شور بڑھتا جا رہا تھا اور وہ اصطبل کی طرف دوڑتے آ رہے تھے۔ ماجد نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ اس کے پیچھے لڑکی نے بھی گھوڑا دوڑا دیا۔ کمانڈر کی آواز گرجی — "رک جاؤ۔ مارے جاؤ گے" — چاندنی رات تھی۔ ماجد نے دیکھ لیا کہ باڈی گارڈ برچھیاں اوپر کیے اس کی طرف آ رہے ہیں۔ اس نے گھوڑے کا رُخ ان کی طرف کر دیا اور آگے ہو کر تلوار گھمانے لگا۔ گھوڑے کی رفتار اس کی توقع سے زیادہ تیز تھی۔ دو باڈی گارڈ اس کے سامنے آ گئے اور گھوڑے تلے کچلے گئے۔ ایک برچھی اُس کی طرف آئی جو اُس نے تلوار کے وار سے بیکار کر دی۔

"کمانیں نکالو" کمانڈر نے چلا کر کہا۔ باڈی گارڈ تجربہ کار معلوم ہوتے تھے۔ ذرا سی دیر میں دو تیر ماجد حجازی کے قریب سے گزر گئے۔ اس نے گھوڑا دائیں بائیں گھمانا شروع کر دیا تاکہ تیر انداز نشانہ نہ لے سکیں۔ اتنے میں وہ تیروں کی زد سے نکل گئے۔ اب یہ خطرہ تھا کہ باڈی گارڈ گھوڑوں پر تعاقب کریں گے لیکن اُسے پکڑے

جانے کا ڈر نہیں تھا کیونکہ گھوڑوں پر زینیں کسنے کے لیے جو وقت صرف ہونا تھا وہ اُس کے لیے دُور نکل جانے کے لیے کافی تھا اور ہُوا بھی یہی۔ آبادی سے دُور نکل جانے تک اُسے تعاقب میں آتے گھوڑوں کی آوازیں سنائی نہ دیں۔ اس نے لڑکی سے کہا کہ اب گھوڑا اس کے پہلو میں کرے۔

لڑکی کا گھوڑا جب اس کے پہلو میں آیا تو ماجد نے لڑکی سے پوچھا کہ وہ گھبرائی یا ڈری تو نہیں؟ لڑکی نے جواب دیا کہ وہ بالکل ٹھیک ہے۔ لڑکی نے اُسے دوڑتے گھوڑوں کے ساتھ بلند آواز سے سنانا شروع کر دیا کہ اس نے کون سا راز اپنے خاوند سے حاصل کیا ہے۔ ماجد نے اسے کہا کہ آگے چل کر رکیں گے تو ساری بات سنوں گا لیکن لڑکی بولتی رہی۔ ماجد نے جب بار بار اسے کہا کہ چپ ہو جائے، اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ وہ کیا کہہ رہی ہے تو لڑکی نے کہا — "پھر رک جاؤ، میں زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکوں گی"— ماجد ابھی رکنا نہیں چاہتا تھا اور لڑکی بولتی جا رہی تھی۔ آخر لڑکی نے ہاتھ لمبا کر کے ماجد کے گھوڑے کی باگیں پکڑ لیں۔ اس کے لیے اسے آگے جھکنا پڑا۔ تب ماجد نے دیکھا کہ لڑکی کے دوسرے پہلو میں تیر اُترا ہُوا ہے۔ ماجد نے فوراً گھوڑا روک لیا۔

"یہ تیر مجھے وہیں لگ گیا تھا" — لڑکی نے کہا — "میں اسی لیے تمہیں دوڑتے گھوڑے سے اصل بات سنا رہی تھی کہ مرنے سے پہلے یہ راز تمہیں دے دوں"— ماجد حجازی نے اسے گھوڑے سے اتارا اور زمین پر بیٹھ کر اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ اس نے تیر کو ہاتھ لگایا۔ وہ خاصا اندر چلا گیا تھا۔ نکالا نہیں جا سکتا تھا۔ یہ جراح کا کام تھا جو پھاڑ چیر کر تیر نکال سکتا تھا— "اسے رہنے دو، میری بات سُن لو" — لڑکی نے کہا — اور اس نے ماجد کو سارا منصوبہ سنا دیا جو اس نے خاوند سے سنا تھا — "میرا خیال ہے کہ یہ شک کسی کو نہیں ہوگا کہ ہم کوئی راز لے کر حلب سے بھاگے ہیں۔ وہ منصوبے میں کوئی تبدیلی نہیں کریں گے۔ محافظوں تک کو معلوم ہے کہ میرے خاوند کو شک ہے کہ میرے اور تمہارے درپردہ تعلقات ہیں۔ وہ یہی کہیں گے کہ میں تمہارے ساتھ محبت کی خاطر بھاگی ہوں۔"

لڑکی ساری بات سنا چکی تو اس نے ماجد کا ہاتھ چوم کر کہا — "اب سکون سے مر سکوں گی"— اور اُس پر غشی طاری ہونے لگی۔

ماجد نے دوسرے گھوڑے کو اپنے گھوڑے کے پیچھے باندھ دیا۔ لڑکی کو اپنے گھوڑے پر ڈال کر اس کے پیچھے بیٹھ گیا اور اسے ایسی پوزیشن میں ساتھ لگا لیا کہ تیر اُسے تکلیف نہ دے مگر تیر اپنا کام کر چکا تھا۔

☆

وہ جب دمشق میں اپنے کمانڈر حسن بن عبداللہ کے پاس پہنچا اُس وقت لڑکی کو شہید ہوئے کم و بیش بارہ گھنٹے گزر گئے تھے۔ اس نے قصرِ حلب کا تمام تر منصوبہ سنا کر بتایا کہ یہ کارنامہ اس لڑکی کا ہے۔ حسن بن عبداللہ اُسی وقت ماجد حجازی کو اور لڑکی کی لاش کو صلاح الدین ایوبی کے پاس لے گیا۔ ماجد حجازی نے بتایا کہ لڑکی کیا تھی اور اسے باپ نے کس طرح ایک جاگیردار کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔ ماجد نے لڑکی کی ساری

باتیں سلطان ایوبی کو سنائیں۔ بعد میں معلوم ہُوا تھا کہ لڑکی کا باپ بھی دمشق سے بھاگ گیا تھا۔ سلطان ایوبی نے لڑکی کی لاش نورالدین زنگی کی بیوہ کے حوالے کر دی اور حکم دیا کہ لڑکی کو فوجی اعزاز کے ساتھ دفن کیا جائے۔

لڑکی نے مرنے سے پہلے ماجد حجازی کو جو منصوبہ بتایا تھا وہ مختصراً یوں تھا کہ سلطان الملک الصالح تمام مسلمان مملکتوں کے امرا کو سلطان ایوبی کے خلاف متحد کر رہا تھا، اور ان کی فوجوں کو ایک کمانڈ کے تحت لانا چاہتا تھا۔ تریپولی کے صلیبی حکمران ریمانڈ کو مدد کے لیے آمادہ کر لیا گیا تھا۔ یہ لڑکی جو نئی خبر لائی تھی، یہ تھی کہ ریمانڈ اپنی فوج کو اس طرح استعمال کرے گا کہ مصر اور شام کے درمیان سلطان ایوبی کے لیے رسد اور کمک کے راستے روک دے گا۔ اس نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ سلطان ایوبی جنگ کی صورت میں مصر سے کمک منگوائے گا۔ اس کے علاوہ ریمانڈ سلطان ایوبی کو گھیرے میں لینے کے لیے اپنے تیز رفتار سوار دستے حرکت میں رکھے گا۔ ضرورت محسوس ہوئی تو ریمانڈ دوسرے صلیبی حکمرانوں کو بھی مدد کے لیے بلائے گا۔ حسن بن صباح کے پیروکار فدائیوں کے ساتھ صلاح الدین ایوبی کے قتل کا سودا طے کر لیا گیا تھا۔ فدائی فوری طور پر دمشق پہنچ رہے تھے۔ اس تمام تر منصوبے کا ہر حصہ اہم تھا لیکن سلطان ایوبی نے اس کے جس حصے پر زیادہ توجہ دی وہ یہ تھا کہ دشمن سردیوں کا موسم گزر جانے کے بعد جنگ شروع کرے گا۔ ان علاقوں میں سردی زیادہ پڑتی تھی، بارشیں ہوتی تھیں اور بعض جگہوں پر برف بھی پڑتی تھی۔ ایسے موسم میں جنگ نہیں لڑی جا سکتی تھی اور نہ ہی کبھی لڑی گئی تھی۔ یہاں جس نے بھی حملہ کیا کھلے موسم میں کیا۔

لڑکی کی حاصل کی ہوئی معلومات کے مطابق منصوبے میں شامل کیا گیا تھا کہ فوجیں قلعہ بند ہو جائیں، فوجوں کی نفری میں اضافہ کیا جائے اور حملے کی تیاری کی جائے۔ موسم کھلتے ہی ان فوجوں کو شام پر حملہ کرنا تھا۔ صلیبی حکمران ریمانڈ کو جنگی مدد کا معاوضہ پیش کیا گیا تھا جو سونے کے سکوں کی صورت میں تھا۔ ریمانڈ نے شرط پیش کی تھی کہ اسے یہ معاوضہ پہلے ادا کر دیا جائے۔ الصالح کے حواری اُمرا نے فیصلہ کیا کہ معاوضہ فوراً بھیج دیا جائے۔

"مسلمانوں کی بدنصیبی" — سلطان ایوبی نے آہ لے کر کہا — "آج مسلمان کفّار کے کندھے سے کندھا ملا کر اسلام کے خلاف اٹھے ہیں۔ میرے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روح کو اس سے زیادہ اور اذیت کیا ملے گی؟"

قاضی بہاؤالدین شدّاد اپنی یادداشتوں کی دوسری جلد میں لکھتے ہیں — "میرا عزیز دوست صلاح الدین ایوبی اتنا جذباتی کبھی نہیں ہُوا تھا جتنا اُس وقت ہُوا جب اسے بتایا گیا کہ سلطان الصالح جسے اسلام کی عظمت کی نشانی سمجھا جاتا ہے اور مسلمان امرا مل کر اس کے اس عزم کو تباہ کرنا چاہتے ہیں کہ صلیبیوں کو سرزمینِ عرب سے نکال کر سلطنتِ اسلامیہ کو وسعت دی جائے۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھی آ گئے تھے۔ وہ کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ رک گیا اور ایسے جوش میں بولا جس میں جذباتیت زیادہ تھی۔ کہنے لگا: "یہ ہمارے بھائی نہیں ہمارے دشمن ہیں۔ اگر مرتد بھائی کا قتل گناہ ہے تو میں یہ گناہ کروں گا۔ اگلے جہان دوزخ کی آگ قبول کر لوں گا لیکن اس جہان میں اپنے رسولؐ کے مذہب کو رُسوا نہیں ہونے دوں گا۔ میرا ضمیر پاک ہے۔ اس حکومت پر لعنت، اس حکمران پر لعنت جو کفّار سے دوستی کے معاہدے کرے اور کفّار سے مدد مانگے۔ میں جانتا ہوں یہ سب دولت اور حکومت کا لالچ ہے۔ یہ لوگ

"ایمان نیلام کرکے حکومت کا نشہ پورا کرنا چاہتے ہیں"۔۔۔ اس نے تلوار کے دستے پر ہاتھ مار کر کہا۔۔۔ "وہ سردی میں نہیں لڑنا چاہتے۔ وہ برفانی وادیوں میں لڑنے سے ڈرتے ہیں۔ میں سردی میں لڑوں گا، برف سے لدی چوٹیوں پر اور یخ دریاؤں میں لڑوں گا....."

صلاح الدین ایوبی حقیقت پسند تھا۔ جذبات سے مغلوب ہوکر اس نے کبھی کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ جنگ کے متعلق اس نے کبھی نعرہ نہیں لگایا تھا۔ وہ ٹھوک ہدایات دیا کرتا تھا۔ ہر دستے کے کماندار کو دفتر میں کاغذ پر لکیریں ڈال کر اور میدانِ جنگ میں زمین پر انگلی سے لکیریں کھینچ کر ہدایات دیا کرتا تھا مگر اُس دن اسے اپنے اوپر قابو نہ رہا۔ اس نے ایسی باتیں بھی کہہ دیں جو وہ عام محفل میں نہیں کہا کرتا تھا۔ وہ شاید یہ جانتا تھا کہ اس محفل میں فوج کے قابلِ اعتماد سالاروں اور میرے سوا اور کوئی نہیں۔"

"توفیق جواد!"۔۔۔ سلطان ایوبی نے دمشق کی فوج کے سالار جواد سے کہا۔۔۔ "میں ابھی تک نہیں جان سکا کہ تمہاری فوج سردیوں میں لڑ سکے گی یا نہیں۔ جواب دینے سے پہلے یہ سوچ لو کہ میں رات کو چھاپہ ماروں کو ایسی جگہوں پر چھاپے مارنے کے لیے بھیجوں گا جہاں انہیں دریاؤں میں سے گزر کر جانا پڑے گا، بارش بھی ہوگی اور برف بھی ہو سکتی ہے۔"

"میں آپ کو یقین دلا سکتا ہوں کہ میری فوج میں جذبہ ہے"۔۔۔ سالار توفیق جواد نے کہا۔۔۔ "اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ فوج میرے ساتھ ہے، الصالح کے ساتھ بھاگ نہیں گئی۔ میرے سپاہی جنگ کی غرض و غایت کو سمجھتے ہیں۔"

"اگر سپاہی میں جذبہ ہو اور وہ جنگ کی غرض و غایت کو سمجھتا ہو تو وہ جلتے ہوئے ریگستان میں بھی لڑ سکتا ہے اور جمی ہوئی برف پر بھی"۔۔۔ سلطان ایوبی نے کہا۔۔۔ "اللہ کے سپاہی کو نہ ریگزار کی تپش روک سکتی ہے نہ برف کی یخ سردی"۔۔۔ اس نے محفل کے حاضرین پر نگاہ دوڑائی اور کہا۔۔۔ "تاریخ شاید مجھے پاگل کہے گی لیکن میں اس فیصلے سے ٹل نہیں سکتا کہ میں دسمبر کے مہینے میں جنگ شروع کروں گا۔ اُس وقت موسمِ سرما کا عروج ہوگا۔ پہاڑیوں کا رنگ سفید ہوگا۔ یخ جھکڑ چلتے ہوں گے اور راتیں ٹھٹھری ہوں گی۔ کیا تم سب میرے اس فیصلے کو قبول کرو گے؟"

سب نے بیک زبان کہا کہ وہ اپنے سلطان کا ہر حکم بجا لائیں گے۔ تب اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی اور وہ ایسے احکام دینے لگا جن میں جذبات کا عمل دخل نہیں تھا۔ اس نے کہا۔۔۔ "آج ہی رات سے تمام فوج اس حالت میں جنگی مشقیں کرے گی کہ ہر ایک فرد، سالار سے سپاہی تک، کپڑوں کے بغیر ہوگا۔ صرف کمر جامہ پہنا جائے گا جس کی لمبائی گھٹنوں تک ہوگی۔ باقی جسم ننگا ہوگا۔ عشا کی نماز کے فوراً بعد تمام فوج کپڑے اتار کر باہر نکل جایا کرے گی۔ یہاں قریب ہی جھیلیں ہیں۔ فوج کو ان میں سے گزارا جائے گا۔ میں تمہیں اس تربیتی منصوبے کی تفصیلات دوں گا۔ تمام طبیب فوج کے ساتھ ہوں گے۔ ابتدا میں سپاہی ٹھنڈ سے بیمار پڑ جائیں گے۔ طبیب فوراً اسی جگہ انہیں گرم کپڑوں میں لپیٹ کر اور آگ کے قریب لٹا کر علاج کریں گے۔ مجھے اُمید ہے کہ بیماروں کی

تعداد زیادہ نہیں ہوگی۔ دن کے وقت طبیب سپاہیوں کا معائنہ کرتے رہیں گے۔ اگر طبیبوں کی تعداد کم ہو تو مصر سے بلا لو، یہاں سے یہ ضرورت پوری کر لو۔"

یہ نومبر ۱۱۷۴ء کا آغاز تھا۔ رات کو سردی خاصی زیادہ ہو جاتی تھی۔ سلطان ایوبی نے راتوں کی ٹریننگ کا پروگرام مرتب کر لیا اور اپنے سالاروں اور جونیئر کمانڈروں کو بلایا۔ اس نے مختصر سا لیکچر دیا۔۔۔ "اب تم جس دشمن سے لڑو گے اسے دیکھ کر تمہاری تلواریں نیاموں سے باہر آنے سے گریز کریں گی کیونکہ تمہارا دشمن بھی 'اللہ اکبر' کے نعروں سے تمہارے سامنے آئے گا۔ اس کے علَم پر بھی وہی چاند تارا ہے جو تمہارے علَم پر ہے۔ وہ بھی وہی کلمہ پڑھتا ہے جو تم پڑھتے ہو۔ تم انہیں مسلمان سمجھو گے مگر وہ مرتد ہیں۔ وہ اپنی نیاموں میں صلیب کی تلواریں لا رہے ہیں۔ ان کی ترکش میں صلیب کے تیر ہیں۔ تم ایمان کے پاسبان ہو، وہ ایمان کے بیوپاری ہیں۔ خود ساختہ سلطان الصالح بیت المال کا سونا اور خزانہ اپنے ساتھ لے گیا ہے اور اُس نے قوم کی یہ دولت تریپولی کے صلیبی حکمران کو اس مقصد کے لیے دے دی ہے کہ وہ اسے جنگی مدد دے کہ تمہیں شکست دے۔ یہ شکست تمہاری نہیں اسلام کی شکست ہوگی۔ یہ خزانہ قوم کا ہے۔ قوم کی دی ہوئی زکوٰۃ کا ہے۔ یہ خزانہ شراب اور عیاشی میں بہہ رہا ہے اور اسی خزانے سے کفار کے ساتھ دوستانے گانٹھے جا رہے ہیں۔ کیا تم قومی خزانے کے چور کو اپنا سلطان تسلیم کرو گے؟"

"نہیں نہیں" کے ساتھ کچھ آوازیں "لعنت لعنت" کی بھی سنائی دیں۔ سلطان ایوبی نے کہا۔۔۔ "میں نے جن اصولوں پر مصر کی فوج تیار کی ہے وہی اصول تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔ بنیادی اصول یہ ہے کہ دشمن کے انتظار میں اپنے گھروں میں نہ بیٹھے رہو۔ یہ کوئی اصول نہیں کہ دشمن حملہ کرے تو تم حملہ روکو۔ تمہیں یہ اصول قرآن نے دیا ہے کہ جنگ ہو تو لڑو، جنگ نہ ہو تو جنگ کی تیاری میں مصروف رہو۔ جُوں ہی تمہیں پتہ چلے کہ دشمن تم پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے اُس پر حملہ کر دو۔ یاد رکھو جو مسلمان نہیں وہ تمہارا دوست نہیں۔ کافر تمہارے قدموں میں آ کر سجدہ کرے تو بھی اسے اپنا دوست نہ سمجھو۔ دوسرا بنیادی اصول یہ ہے کہ سلطنتِ اسلامیہ اور قوم کی آبرو کے پاسبان تم ہو۔ اگر تمہارے حکمران بے غیرت ہو جائیں، قوم بدکاری میں تباہ ہو جائے اور دشمن غالب آ جائے تو آنے والی نسلیں کہیں گی کہ اس قوم کی فوج نااہل اور کمزور تھی۔ یہ ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا کہ حکمرانوں کی بداعمالیاں فوج کے حساب میں لکھی جاتی ہیں کیونکہ فتح و شکست کا فیصلہ میدانِ جنگ میں ہوتا ہے۔ حکمرانوں کی عیش پسندی اور مفاد پرستی فوج کو کمزور کر چکی ہوتی ہے، پھر شکست کی ذمہ داری فوج کے کندھوں پر ڈال دی جاتی ہے....

"پھر کیوں نہ تم ابھی سے اپنے خلیفہ اور حکمرانوں کو ٹھکانے لگا دو جو تمہاری اور قوم کی ذلت و رسوائی کا باعث بن رہے ہیں۔ میں نہیں بتا سکتا کہ میں جس جنگ کی تیاری کر رہا ہوں وہ کیسی ہوگی۔ صرف یہ جانتا ہوں کہ وہ بڑی ہی سخت جنگ ہوگی۔ سخت ان معنوں میں کہ میں تمہیں انتہائی دشوار حالات میں لڑا رہا ہوں۔ دوسری مشکل یہ ہے کہ تمہاری تعداد کم ہوگی۔ اس کمی کو تم جذبے اور ایمان کی قوت سے پورا کرو گے۔"

سلطان ایوبی نے انہیں یہ بھی بتایا کہ دشمن کے جاسوس اُن کے درمیان موجود ہیں اور ان جاسوسوں

کا طریقہ کار کیا ہے۔

☆

"اور تم یہ مت سوچو کہ صلاح الدین ایوبی مسلمان ہے۔ خلیفہ کا درجہ پیغمبر جتنا ہوتا ہے۔ نجم الدین ایوب کے اس مرتد بیٹے نے خلیفہ کو قصرِ خلافت سے نکال دیا ہے اور شام پر غاصبانہ قبضہ کر کے مصر اور شام کا بادشاہ بن گیا ہے۔ اگر تم خدا کے قہر سے بچنا چاہتے ہو، زلزلوں اور طوفانوں سے محفوظ رہنا چاہتے ہو تو صلاح الدین ایوبی کو شرمناک شکست دے کر سلطنت کی گدی بحال کرو"۔۔۔ یہ آواز ایک امیر کی تھی جو حلب میں اپنی فوج کو سلطان ایوبی کے خلاف بھڑکا رہا تھا۔ اس نے کہا۔۔۔ "سردیوں کا موسم نکل جائے گا تو ہم دمشق پر حملہ کریں گے۔ اس دوران ہم فوج میں اضافہ کریں گے اور تم جنگ کی تیاری کرتے رہو گے۔"

"ذہنی تخریب کاری کے بغیر جنگ جیتنا بہت مشکل ہے"۔۔۔ یہ آواز صلیبی فوج کے ایک مشیر کی تھی جسے ریمانڈ نے العادل کے پاس بھیجا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔۔۔ "ہم تمہارے کسی شہر میں آکر نہیں لڑیں گے۔ ہم مصر سے آنے والی کمک کو روکیں گے اور موقع دیکھ کر سلطان ایوبی کو کہیں گھیرے میں لے لیں گے۔ آپ کی فوج دمشق پر حملہ کرے گی۔ سردیوں کے موسم میں نہ آپ حملہ کر سکتے ہیں نہ صلاح الدین ایوبی۔ آپ اس وقت سے فائدہ اٹھائیں۔ مجھے جو خطرہ نظر آ رہا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی قوم آپس میں لڑنے سے گریز کرے گی۔ آپ ان علاقوں میں جو آپ کے قبضے میں ہیں، اپنی قوم کو صلاح الدین ایوبی کے خلاف بھڑکائیں۔ اس کا بہترین حربہ آپ کا مذہب اور قرآن ہے۔ اس مقصد کے لیے مذہب، قرآن اور مسجد کو استعمال کریں۔ ہم نے مسلمانوں میں یہ کمزوری دیکھی ہے کہ مذہب کے نام پر جلدی بھڑکتے ہیں۔ اگر آپ ہماری مدد کریں تو ہم آپ کو یہ تخریب کاری دمشق میں بھی کر کے دکھا دیں گے۔"

"یہ دیکھ کر میرا سر شرم سے جھک جاتا ہے کہ پانچ سال گزر گئے ہیں، ہم سے ابھی صلاح الدین ایوبی قتل نہیں ہوا"۔۔۔ یہ آواز فدائی قاتلوں (حشیشین) کے مرشد شیخ سنان کی تھی۔ وہ اُن فدائیوں سے جنہیں سلطان ایوبی کے قتل کے لیے بھیجا جا رہا تھا، کہہ رہا تھا۔ "ایوبی پر ہمارے چار حملے ناکام ہو چکے ہیں۔ ناکام بھی ایسے کہ ہمارے آدمی مارے گئے اور زندہ بھی پکڑے گئے۔ حسن بن صباح کی روح مجھ سے جواب مانگ رہی ہے۔ کیا تم اسے زہر نہیں دے سکتے؟ کہیں چھپ کر اُسے تیر کا نشانہ نہیں بنا سکتے؟ کیا تم اپنی موت سے خوفزدہ ہو گئے ہو؟ اپنے حلف کے الفاظ بھول گئے ہو؟ میں اب یہ نہیں سننا چاہتا کہ صلاح الدین ایوبی ابھی زندہ ہے۔"

"وہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہے گا"۔۔۔ ایک فدائی نے کہا اور اس کے ساتھیوں نے اس کی تائید کی۔

سلطان ایوبی کی جو فوج مصر میں تھی اس کی کمان سلطان ایوبی کے بھائی العادل کے پاس تھی۔ سلطان ایوبی اُسے یہ حکم دے آیا تھا کہ بھرتی تیز کر دے اور جنگی مشقیں جاری رکھے۔ اس نے العادل کو سوڈان کی طرف سے خبردار کیا تھا اور اسے بتا آیا تھا کہ سوڈان کی طرف سے معمولی سی بھی فوجی حرکت ہو تو وسیع پیمانے پر جنگی کارروائی کرے اور سلطان ایوبی نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ کمک اور رسد تیار رکھے۔ دمشق کی مہم کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا

تھا کہ کیسی صورتِ حال پیدا کر دے۔ اب اس نے جو منصوبہ بنایا تھا اس کے لیے اسے کمک کی ضرورت تھی۔ جاسوس اور لڑکی نے اسے بتا دیا تھا کہ ریمانڈ مصر اور شام کے درمیان حائل ہو کر سلطان ایوبی کی کمک اور رسد روک دے گا۔ اس اطلاع کے پیشِ نظر اس نے کمک قبل از وقت منگوا کر اپنے ہاتھ میں رکھ لینا ضروری سمجھا۔ اس کمک کو سردیوں کی جنگ کی ٹریننگ کی بھی ضرورت تھی۔ اس نے ایک طویل پیغام کے ساتھ ایک قاصد قاہرہ بھیج دیا۔

اس نے العادل کو پیادہ اور سوار دستوں کی تعداد لکھی جو اُسے درکار تھی اور یہ ہدایت بھیجی کہ تمام فوج اکٹھی کوچ نہ کرے بلکہ چھوٹے چھوٹے دستے رات کے وقت ایک دوسرے سے دُور دُور نقل و حرکت کریں۔ دن کے وقت سفر نہ کیا جائے۔ حتی الامکان کمک کے کوچ کو خفیہ رکھا جائے۔۔۔۔ العادل اپنے بھائی کا ہی تربیت یافتہ تھا۔ اس نے پیغام ملتے ہی کمک روانہ کر دی اور اسے خفیہ رکھنے کا یہ انتظام کیا کہ فوج کے چند افراد کو عام مسافروں کے لباس میں اونٹوں پر سوار کر کے اس ہدایت کے ساتھ کمک کے راستے میں بھیج دیا کہ وہ دائیں بائیں، دُور دُور چلتے رہیں اور کوئی مشکوک آدمی نظر آئے تو اس کی چھان بین کریں اور ضرورت محسوس ہو تو اسے پکڑ لیں۔

کمک کے دستے چند دنوں بعد دمشق پہنچنے لگے اور سلطان ایوبی نے انہیں بھی رات کی ٹریننگ میں شامل کر دیا۔ اس کے ساتھ نئی بھرتی کا حکم بھی دے دیا۔

☆

دمشق کے مضافات میں اُس دور میں جنگل اور کھنڈرات کا علاقہ ہوا کرتا تھا۔ وہاں ایک صدیوں پرانے قلعے کے کھنڈر تھے۔ اس کے اندر کبھی کوئی نہیں گیا تھا۔ رات کو لوگ اس کے قریب سے بھی نہیں گزرتے تھے۔ یہ چونکہ فوجی استعمال کے قابل نہیں رہا تھا اور تھا بھی بے موقعہ، اس لیے فوج نے اس کی طرف کبھی توجہ نہیں دی تھی۔ سلطان ایوبی کے دور میں دمشق کے دفاع کے لیے ایک اور جگہ قلعہ تعمیر کر لیا گیا تھا۔ وہ پرانا قلعہ ناگوں والا قلعہ کہلاتا تھا۔ مشہور تھا کہ اس میں ناگوں کا ایک جوڑا رہتا ہے۔ ناگ اور ناگن کی عمر ایک ہزار سال ہو چکی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا تھا کہ یہ قلعہ سکندرِ اعظم نے بنایا تھا اور یہ بھی کہ یہ دارا ایرانی کا بنایا ہوا ہے۔ بعض اسے بنی اسرائیل کی تعمیر کہتے تھے۔

اس میں تو اختلاف پایا جاتا ہے کہ یہ کس کی تعمیر تھی۔ ایک روایت کو سب سچ مانتے تھے۔ کہتے تھے صدیاں گزریں یہاں فارس کا ایک بادشاہ آیا تھا۔ یہ جگہ اسے اتنی پسند آئی کہ یہاں اس نے یہ قلعہ تعمیر کیا۔ اس کے اندر اپنے لیے ایک خوشنما محل بنایا مگر اسے آباد کرنے کو اس کی بیوی نہیں تھی۔ اسے کسی گڈریے کی بیٹی پسند آگئی۔ اس لڑکی کا منگیتر بھی تھا۔ بادشاہ نے لڑکی کے ماں باپ کو بے بہا دولت دی اور ان سے لڑکی لے لی۔ منگیتر نے بادشاہ سے کہا کہ وہ اس قلعے میں کبھی آباد نہیں ہو سکے گا۔ بادشاہ نے اسے قلعے میں لے جا کر قتل کر دیا اور لاش اندر ہی کہیں دفن کر دی۔ لڑکی نے بادشاہ سے کہا کہ اس نے اس کا جسم خرید لیا ہے، اس کی روح آزاد ہو گئی

ہے۔ پہلے روز ہی بادشاہ جب گشت سے آئی کی بیٹی کو ساتھ لے کر اس پہاڑی میں داخل ہُوا تو فرش بیٹھ گیا اور دیواروں کے ساتھ چھت بیٹھ گئی۔ بادشاہ اور لڑکی ملبے میں دفن ہو گئے۔ بادشاہ کی فوج ملبہ ہٹانے لگی تو ملبے میں سے دو ناگ نکلے۔ فوج نے انہیں برچھیوں، تیروں اور تلواروں سے مارنے کی کوشش کی لیکن ناگوں کو برچھی لگتی تھی نہ تلوار۔ تیر بھی ان کے قریب جا کر ناکارہ ہو جاتے تھے۔ فوج ڈر کر بھاگ گئی۔ یہ بھی مشہور تھا کہ اب بھی رات کو کھنڈر کے قریب سے گزرو تو ایک لڑکی کھنڈروں کے پاس ہی پھرتی نظر آتی ہے۔ کبھی کبھی ایک جوان آدمی بھی نظر آتا ہے۔ جو لوگ سب جانتے تھے کہ اب کھنڈر میں ناگ اور پریاں رہتی ہیں۔

جن دنوں سلطان ایوبی خلیفہ اور امراء کے خلاف جنگ کی تیاریاں کر رہا تھا، دمشق میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ کھنڈر والے تھے میں ایک بزرگ نمودار ہوا ہے جو دیکھتا ہے تو سب رنگ دور ہو جاتے ہیں اور وہ آنے والے وقت کی خبریں بھی دیتا ہے۔ شہر میں کسی نے اس کی کرامات سنائی تھی جو فوراً مشہور ہو گئی۔ بعض نے اسے امام مہدی بھی کہا تھا۔ لوگ وہاں جانے کو بے چین ہونے لگے لیکن ڈرتے تھے کہ یہ گڈریئے کی بیٹی اور اس کے منگیتر ناگوں کا یا بادشاہ کی بدروح ہی نہ ہو اور یہ جنّات اور بھوتوں کا فریب بھی ہو سکتا تھا۔ بعض لوگوں نے ذرا دور کھڑے ہو کر تھے کو دیکھا تھا۔ تین چار آدمیوں نے بتایا کہ انہوں نے سیاہ داڑھی اور سفید چغے والے ایک آدمی کو تھے سے باہر آتے اور فوراً ہی اندر جاتے دیکھا تھا۔ لوگوں کو اس بزرگ کی کرامات تو سنائی دیتی تھیں، مگر ایسا کوئی آدمی نہیں ملتا تھا جس نے یہ کہا ہو کہ وہ تھے کے اندر گیا اور اس کے لیے بزرگ نے دعا کی تھی۔

ایک روز سلطان ایوبی کے محافظ دستے کا ایک سپاہی ڈیوٹی کا وقت پورا کرکے کہیں باہر گھوم پھر رہا تھا۔ وہ دبلا اور خوبرو جوان تھا۔ محافظ دستے کے تمام جوان ایسے ہی تھے۔ سامنے سے نورانی چہرے والا ایک آدمی آ رہا تھا جس کی سیاہ داڑھی تھی اور سلیقے سے تراشی ہوئی تھی۔ اس کا چغہ سفید تھا اور سر پہ نہایت دلکش عمامہ۔ اس کے ہاتھ میں تسبیح تھی۔ محافظ سپاہی کے سامنے آ کر وہ رُک گیا۔ سپاہی کی ٹھوڑی کو تھام کر ذرا اوپر اٹھایا اور دھیمی آواز میں کہا۔ "مجھے غلطی نہیں لگ سکتی۔ تم کہاں کے رہنے والے ہو دوست؟"

"حلب کا"۔ سپاہی نے بڑے میٹھے لہجے میں کہا۔ "آپ مجھے پہچانتے ہیں؟"

"ہاں دوست! میں تمہیں پہچانتا ہوں"۔ سیاہ داڑھی والے نے حیرت کے لہجے میں کہا۔ "مگر تم شاید اپنے آپ کو نہیں پہچانتے"۔

سپاہی اس کی حیرت پر حیران ہُوا اور اس کے بولنے کے انداز سے متاثر بھی ہُوا۔ اگر اس آدمی کا چہرہ ایسا نورانی، اس کی داڑھی اتنی اچھی اور چغہ اتنا سفید نہ ہوتا تو سپاہی اسے کوئی دیوانہ یا مجذوب سمجھ کر ٹال دیتا لیکن اس شخص کی آنکھوں، چال ڈھال اور سراپا نے اسے رُک کر سننے پر مجبور کر دیا۔

"اپنے پردادا کو جانتے ہو کون تھا اور کیا تھا؟"۔ اس شخص نے سپاہی سے پوچھا۔

"نہیں"۔ سپاہی نے جواب دیا۔

"اور دادا کو؟"

"نہیں"۔

"تمہارا باپ زندہ ہے؟"

"نہیں"۔ سپاہی نے جواب دیا۔ "میں دودھ پیتے بچے کی عمر میں تھا جب وہ مر گیا تھا"۔

"ان میں بادشاہ کون تھا؟"۔ سیاہ داڑھی والے نے پوچھا۔ "تمہارا دادا یا باپ؟"

"کوئی بھی نہیں"۔ سپاہی نے جواب دیا۔ "میں کسی شاہی خاندان کا فرد نہیں ہوں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے محافظ دستے کا سپاہی ہوں۔ آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔ میری شکل و صورت شاید آپ کے کسی جاننے والے دوست سے ملتی جلتی ہے"۔

اس شخص نے اس کی بات جیسے سنی ہی نہ ہو۔ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کی دائیں ہتھیلی کی لکیروں کو غور سے دیکھنے لگا۔ پھر اس کی آنکھوں میں اپنا چہرہ اس کے قریب کرکے جھانکا اور بڑی سنجیدہ اور کسی قدر حیرت زدہ آواز میں بولا۔ "مجھے یہ تخت کس کا نظر آ رہا ہے۔ یہ تاج کس کا نظر آ رہا ہے؟ تمہاری آنکھوں میں وہ جاہ و جلال محفوظ ہے جو تم نے نہیں دیکھا۔ تمہارے دادا کے محافظ دستے میں چالیس جوان تم جیسے تھے۔ آج تم ایک انسان کے محافظ دستے کے سپاہی ہو جو تمہارے دادا کے تخت پر بیٹھا ہے۔ تمہیں کس نے بتایا ہے کہ تم شاہی خاندان کے فرد نہیں ہو؟ میرا علم مجھے دھوکہ نہیں دے سکتا۔ میری آنکھیں غلط نہیں دیکھ سکتیں..... تم نے شادی کر لی ہے؟"

"نہیں!"۔ سپاہی نے مرعوب ہو کر جواب دیا۔ "اپنے خاندان کی ایک لڑکی کے ساتھ منگنی ہوگی ہے"۔

"نہیں ہوگی"۔ اس شخص نے کہا۔ "یہ شادی نہیں ہوگی"۔

"کیوں؟"۔ سپاہی نے گھبرا کر پوچھا۔

"تمہاری روح کا ملاپ کہیں اور ہے"۔ سیاہ داڑھی والے نے کہا۔ "مگر وہ کہیں اور قید ہے..... سنو دوست! تم مظلوم ہو۔ کسی کے فریب کا شکار ہو۔ تم گمراہ ہو۔ تمہارے خزانے پر سانپ بیٹھا ہے۔ وہ شہزادی ہے جو تمہاری راہ دیکھ رہی ہے۔ تمہیں کوئی بتا دے کہ وہ کہاں ہے تو تم جان کی بازی لگا کر اسے آزاد کرا لو گے"۔

وہ چل پڑا۔

سپاہی نے اس کے پیچھے جا کر اسے روکا اور کہا۔ "مجھے بتا کر جاؤ کہ آپ نے میرے ہاتھ پر اور میری آنکھوں میں کیا دیکھا ہے۔ آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ آپ مجھے گمراہ اور پریشان کر چلے ہیں"۔

"میں کچھ بھی نہیں"۔ اس شخص نے جواب دیا۔ "جو کچھ ہے وہ میرے اللہ کی ذات ہے۔ تین چار بڑی پاک روحیں میرے ہاتھ میں ہیں۔ یہ خدا کے اُن برگزیدہ لوگوں کی روحیں ہیں جو ماضی کو جانتے اور مستقبل کو پہچانتے تھے۔ میں کچھ ورد وظیفے کیا کرتا ہوں۔ ایک رات مجھے اشارہ ملا کہ ناگوں والے قلعے میں چلے جاؤ، تمہیں کوئی ملنے کو بیتاب ہے۔ وہی ورد وظیفے کرنا۔ میں وہاں جانے سے ڈرتا تھا لیکن اشارہ خدا کا ہو تو ڈر کیسا! میں چلا گیا اور پہلی رات ہی وظیفے کے دوران مجھے یہ روحیں مل گئیں۔ انہوں نے مجھے یہ طاقت دے دی کہ انسان کا چہرہ اور آنکھیں دیکھ کر اس کے دادا پردادا تک کی تصویریں نظر آ جاتی ہیں مگر یہ کیفیت مجھ

کبھی کبھی طاری ہوتی ہے۔ تمہیں دیکھا تو میں اس عالم میں تھا۔ کان میں ایک روح کی سرگوشی سنائی دی۔ "اس جوان کو دیکھو۔ شہزادہ ہے مگر اپنی لوحِ تقدیر سے بے خبر ہے اور سپاہیوں کے لباس میں دوسروں کی حفاظت کے لیے پہرہ دیتا رہتا ہے'.... یہ کیفیت گزر گئی ہے۔ اب تم مجھے صرف سپاہی نظر آتے ہو۔"

یہ انسانی فطرت کی کمزوری ہے کہ ہر کوئی خزانے اور جاہ و حشمت کے خواب دیکھتا ہے۔ یہ سپاہی تھا، اسے خزانے اور شہزادی کا اشارہ ملا تو سیاہ ریش کی منت کی کہ اسے اس کے متعلق کچھ اور بتائے۔ سیاہ ریش نے مسکرا کر کہا۔ "میرے پاس نجوم کا علم نہیں، غیب دان بھی نہیں ہوں۔ اللہ اللہ کرنے والا درویش ہوں۔ کوشش کروں گا کہ تمہیں کچھ بتا سکوں، لیکن جہاں تمہیں بلاؤں گا وہاں تم آؤ گے نہیں۔"

"جہاں آپ کہیں گے آجاؤں گا۔"

"ناگوں والے قلعے میں آجاؤ گے؟"

"ضرور آؤں گا۔"

"آج رات"۔۔۔ سیاہ داڑھی والے نے کہا۔ "غسل کر کے ذہن کو دنیا کے خیالوں سے خالی کر کے آجانا اور یاد رکھو، کسی سے ذکر نہ کرنا۔ کسی کو نہ بتانا کہ میں تمہیں ملا تھا اور تم رات کو کہیں جا رہے ہو یا نہیں... چوری چوری آنا۔"

☆

اگر خزانے کا، شہزادی اور تخت و تاج کا خیال نہ ہوتا تو یہ سپاہی کتنا ہی دلیر کیوں نہ ہوتا رات کے وقت ناگوں کے قلعے میں نہ جاتا۔ سلطان ایوبی کے مکان کے پچھلے دروازے پر اس کا پہرہ رات کے آخری پہر تھا۔ اس وقت سے پہلے وہ گھوم پھر سکتا تھا۔ وہ جب قلعے کے دروازے پر پہنچا تو خوف نے اس کے دل پر قبضہ کر لیا۔ اس نے بلند آواز سے کہا۔۔۔ "میں آگیا ہوں۔ آپ کہاں ہیں؟"۔۔۔ اسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ ایک مشعل کہیں سے آئی اور اس کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کے دل پر خوف کا شکنجہ اور زیادہ مضبوط ہو گیا۔ مشعل ایک آدمی نے اٹھا رکھی تھی۔ اس نے قریب آکر سپاہی سے پوچھا۔۔۔ "تم ہی ہو جسے حضرت نے آج راستے میں کہیں دیکھا تھا؟"۔۔۔ سپاہی نے بتایا کہ وہی ہے تو مشعل بردار نے کہا۔۔۔ "میرے پیچھے آؤ۔"

"کیا تم انسان ہو؟"۔۔۔ سپاہی نے اس سے پوچھا۔

"تمہیں جو کچھ نظر آرہا ہوں وہی ہوں"۔۔۔ اسے جواب ملا۔۔۔ "دل سے خوف نکال دو۔ ذہن سے ہر خیال نکال دو۔ خاموشی سے چلتے آؤ"۔۔۔ مشعل بردار چلتا اور بولتا جا رہا تھا۔ "حضرت سے کوئی سوال نہ پوچھنا۔ وہ جیسے حکم دیں ویسے کرنا۔"

تاریک غلام گردشوں اور چھتوں سے ڈھکے کئی ایک راستوں سے گزر کر مشعل بردار ایک دروازے کے آگے رک گیا اور بلند آواز سے بولا۔۔۔ "یا حضرت! اجازت ہو تو اسے پیش کروں جسے آپ نے بلایا ہے"۔۔۔ اندر سے جانے کیا جواب آیا۔ مشعل بردار ایک طرف ہٹ گیا اور سپاہی کو اشارہ کیا کہ اندر چلا جائے۔ سپاہی اندر گیا تو اس قدر

ہیبت ناک کھنڈر میں ایسے خوشنما سامان سے آراستہ کمرے کو دیکھ کر وہ حیران بھی ہوا اور ڈرا بھی۔ یہ انسانوں کو نظر نہ آنے والی مخلوق کا مسکن ہو سکتا تھا۔ قالین بچھا تھا جس پر گاؤ تکیے سے پیٹھ لگائے سیاہ ریش بیٹھا تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے تسبیح کر رہا تھا۔ اسی حالت میں اس نے سپاہی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گیا۔ کمرے میں خوشبو تھی۔

سیاہ داڑھی والے حضرت نے آنکھیں کھولیں۔ سپاہی کو دیکھا اور تسبیح اس کی گود میں پھینک کر کہا۔ "گلے میں ڈال لو"۔۔۔ سپاہی نے تسبیح کو چوما اور گلے میں ڈال لی۔ کمرے میں ایک قندیل جل رہی تھی۔ حضرت نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا تو دوسرے کمرے سے جس کا دروازہ اس کمرے میں کھلتا تھا ایک لڑکی نکلی۔ اس کے بال کھلے ہوئے اور شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس نے اتنی خوبصورت لڑکی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک خوش نما پیالہ تھا جو اس نے سپاہی کے ہاتھ میں دے دیا۔ سیاہ داڑھی والا اٹھا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ سپاہی پیالہ ہاتھ میں لیے کبھی لڑکی کو اور کبھی پیالے کو دیکھتا تھا۔ لڑکی نے اسے کہا۔ "حضرت کچھ دیر بعد آئیں گے۔ یہ پی لو"۔۔۔ لڑکی کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ تھی جس میں اپنائیت اور بے تکلفی تھی۔

سپاہی نے پیالہ ہونٹوں سے لگایا اور ایک گھونٹ پی کر لڑکی کو دیکھا۔

"مجھے تم جیسا خوبصورت جوان کبھی کبھی نظر آتا ہے"۔۔۔ لڑکی نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔۔۔ "بیٹھو۔ میں یہ شربت بڑے پیار سے لائی ہوں۔ حضرت نے کہا تھا کہ آج تمہاری پسند کا ایک نوجوان آرہا ہے جسے معلوم نہیں کہ وہ کون ہے۔"

سپاہی نے دو تین گھونٹ شربت پی لیا۔ اس کے بعد شربت گھونٹ گھونٹ اس کے حلق سے اترتا رہا اور لڑکی اس کے قریب ہوتی گئی اور پھر سپاہی نے یوں محسوس کیا جیسے لڑکی اپنے طلسماتی حسن اور سحر انگیز جسم کے ساتھ شربت کی طرح اس کے حلق میں اُتر گئی اور رگ رگ میں سما گئی ہو۔ سیاہ ریش حضرت آگیا۔ اس کے ہاتھ میں شیشے کا ایک گولہ تھا جس کا سائز ناشپاتی جتنا تھا۔ اس نے گولہ سپاہی کے ہاتھ میں دے کر کہا۔۔۔ "اپنی آنکھوں کے سامنے رکھو اور اس میں سے قندیل کی لو کو دیکھو اور دیکھتے رہو۔"

سپاہی نے شیشے کے گولے میں سے قندیل کو دیکھا تو اُسے اپنی آنکھوں کے سامنے کئی رنگ شعلوں کی طرح تھرکتے نظر آنے لگے۔ لڑکی کے ریشمی بال اس کے گالوں کو چھو رہے تھے اور لڑکی نے اس طرح اسے اپنی بازوؤں کے گھیرے میں لے رکھا تھا کہ وہ لڑکی کے جسم کی حرارت اور خوشبو کو محسوس کر رہا تھا۔ اس کے کانوں میں ایک سُریلی اور پُراثر آواز پڑنے لگی۔۔۔ "مجھے تختِ سلیمان نظر آرہا ہے۔ مجھے تختِ سلیمان نظر آرہا ہے"۔۔۔ ذرا سی دیر اس کا یہ احساس زندہ رہا کہ یہ آواز سیاہ داڑھی والے کی ہے۔ پھر یہ اس کی اپنی آواز بن گئی اور پھر وہ اس دنیا کا حصہ بن گیا جو اسے شیشے میں سے نظر آنے لگی تھی۔ اسے تختِ سلیمان نظر آرہا تھا جس پر نورانی چہرے والا ایک بادشاہ بیٹھا تھا۔ اس کے دائیں بائیں اور پیچھے چار پانچ لڑکیاں کھڑی تھیں۔ وہ اتنی خوبصورت تھیں کہ وہ پریاں ہو سکتی تھیں۔

"ہاں۔ ہاں"۔۔۔ سپاہی نے کہا۔۔۔ "مجھے تختِ سلیمان نظر آرہا ہے۔"

لڑکی کے بکھرے ہوئے بال اس کے اوپر پھیل گئے۔ سپاہی کو شیشے میں سے نظر آتے ہوئے تخت کے

قریب کھڑے ایک آدمی کی آواز سنائی دی — "یہ بادشاہ تمہارا دادا ہے جو ہفت اقلیم کا بادشاہ ہے۔ شاہ سلیمان کی پریاں اور جنات اس دربار میں سجدے کرتے ہیں۔ اپنے دادا کو پہچانو۔ یہ تمہارا ورثہ ہے۔ تخت جا رہا ہے۔"

سپاہی نے ہڑبڑا کر کہا — "وہ تخت لے جا رہے ہیں۔ یہ دیو ہیں۔ بہت بڑے بڑے۔ بہت ڈراؤنے۔ انہوں نے تخت اٹھا لیا ہے۔"

اور شیشے کے گولے میں کئی رنگوں کے شعلے رہ گئے جو متحرک رہے تھے جیسے وجد میں آتے ہوئے رقص کر رہے ہوں۔ سپاہی نے محسوس کیا جیسے کوئی چیز اس کی ناک کے ساتھ لگی ہوئی ہو۔ شیشے کا گولہ اس کی آنکھوں کے آگے سے خود ہی ہٹ گیا اور اس پر غنودگی طاری ہو گئی۔ وہ اس وقت اپنے آپ میں آیا جب لڑکی اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ اس نے آنکھ کھولی تو اپنے آپ کو قالین پر پڑے پایا۔ لڑکی کا ایک بازو اس کے سر کے نیچے تھا اور لڑکی اس کے پاس نیم دراز تھی۔ سپاہی اٹھ بیٹھا۔ وہ حیران تھا اور پریشان بھی۔ اس کے منہ سے پہلی بات یہ نکلی — "وہ کہتے تھے، یہ تخت تمہارے دادا کا ہے اور یہ تمہارا ورثہ ہے۔"

"حضرت نے بھی یہی فرمایا ہے۔" لڑکی نے بڑی پیاری آواز میں کہا۔

"حضرت کہاں ہیں؟" سپاہی نے پوچھا۔

"وہ اب نہیں مل سکیں گے۔" لڑکی نے جواب دیا — "تم نے کہا تھا کہ رات کے آخری پہر تمہارا پہرہ ہے، اس لیے میں نے تمہیں جگا دیا ہے۔ رات آدھی گزر گئی ہے۔ تم اب چلے جاؤ۔"

وہ وہاں سے نکلنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ پوچھ رہا تھا کہ اس نے خواب دیکھا تھا یا یہ حقیقت تھی۔ لڑکی نے اسے بتایا کہ یہ خواب نہیں تھا۔ یہ حضرت کی خصوصی کرامات تھی۔ ان کے لیے حکم ہے کہ وہ اس قسم کا کوئی راز اپنے پاس نہ رکھیں۔ یہ اس تک پہنچا دیں جس کا یہ راز ہے، مگر یہ کیفیت حضرت پر کسی کسی وقت طاری ہوتی ہے۔ اب معلوم نہیں کب ہو۔ سپاہی نے لڑکی کی منت سماجت شروع کر دی۔ لڑکی نے اسے کہا۔ "تم میرے دل میں اتر گئے ہو۔ میں نے اپنی روح تمہارے حوالے کر دی ہے۔ تمہارے لیے اپنی جان بھی قربان کر دوں گی۔ میں تمہیں کبھی جانے نہ دوں لیکن تمہارے فرض کی ادائیگی ضروری ہے۔ اب چلے جاؤ۔ کل رات آجانا۔ میں حضرت سے درخواست کروں گی کہ وہ تمہارا راز تمہیں دے دیں۔"

وہ جب قلعے سے نکلا تو اس کے قدم اٹھ نہیں رہے تھے۔ اس کے ذہن پر اپنے دادا کا تختِ سلیمان غالب تھا اور دل پر لڑکی کا قبضہ تھا۔ تاریک رات میں قلعے کے کھنڈر لے محل کی طرح خوشنما نظر آرہے تھے۔ وہ مسرور بھی تھا۔ دل میں کوئی خوف اور کوئی پریشانی نہیں تھی۔

☆

صلاح الدین ایوبی کی تمام تر توجہ فوج کی ٹریننگ اور منصوبہ بندی پر مرکوز تھی۔ اس نے اپنے لیے اور مرکزی کمان کے اعلیٰ فوجی حکام کے لیے آرام حرام کر رکھا تھا۔ انٹیلی جنس کا انچارج حسن بن عبداللہ جہاں اپنے کاموں میں مصروف تھا وہاں اسے یہ بھی فکر تھا کہ سلطان ایوبی اپنی حفاظت کا خیال نہیں رکھتا تھا۔ اس کے باڈی

گارڈ کے کمانڈر نے حسن بن عبداللہ سے کئی بار شکایت کی تھی کہ سلطان اسے بتائے بغیر پچھلے دروازے سے نکل جاتے ہیں اور وہ ان کے خالی کمرے کا پہرہ اس خیال سے دیتا رہتا ہے کہ سلطان اندر ہے۔ کمانڈر سلطان ایوبی کے ساتھ اپنے دو چار گارڈ سائے کی طرح لگائے رکھنا چاہتا تھا۔ کمانڈر کو یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ اب فدائی پوری تیاری سے سلطان ایوبی کو قتل کرنے آرہے ہیں۔ اس اطلاع نے کمانڈر کو اور زیادہ پریشان کر دیا تھا، مگر سلطان ایوبی کی بے پروائی کا یہ عالم تھا کہ حسن بن عبداللہ نے اسے کہا کہ وہ باڈی گارڈز کے بغیر باہر نہ نکل جایا کریں، تو سلطان ایوبی نے مسکرا کر اس کے گال پر تھپکی دی اور کہا — "ہم سب کی جان اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ محافظوں کی موجودگی میں مجھ پر چار قاتلانہ حملے ہو چکے ہیں۔ اللہ کو منظور تھا کہ میں زندہ رہوں۔ میں اللہ کی راہ پر چل رہا ہوں۔ اگر اس کی ذاتِ باری مجھے اس سے سبکدوش کرنا چاہے گی تو اس کی رضا کو نہیں روک سکوں گا نہ میرے محافظ۔"

"پھر بھی سلطانِ محترم!" حسن بن عبداللہ نے کہا — "میرے اور محافظ دستے کے فرائض ایسے ہیں کہ آپ کے عقیدوں اور جذبے سے میں متاثر نہیں ہو سکتا۔ مجھے فدائیوں کے متعلق جو اطلاعیں مل رہی ہیں ان کے پیشِ نظر مجھے رات کو بھی آپ کے سرہانے کھڑا رہنا چاہیے۔"

"میں تمہارے اور محافظوں کے فرائض کا احترام کرتا ہوں حسن!" سلطان ایوبی نے کہا — "مگر میں محافظوں کے ساتھ باہر نکلتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں جیسے مجھے اپنی قوم پر بھروسہ نہیں۔ عموماً حکمران اپنی قوم سے ڈرا کرتے ہیں۔ وہ دیانت دار اور مخلص نہیں ہوتے۔"

"ڈر قوم کا نہیں۔" حسن بن عبداللہ نے کہا — "میں فدائیوں کی بات کر رہا ہوں۔"

"میں احتیاط کروں گا۔" سلطان ایوبی نے ہنس کر کہا۔

ناگوں والے قلعے سے آکر محافظ سپاہی اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا۔ اس نے وہ دن اس ذہنی کیفیت میں گزارا کہ وہ تصوروں میں تختِ سلیمان اور لڑکی کو دیکھتا رہا۔ شام گہری ہوتے ہی وہ قلعے کی طرف چل پڑا۔ اس کے دل پر کوئی خوف نہیں تھا۔ وہ دروازے میں داخل ہو کر اندھیرے میں کچھ دور اندر چلا گیا اور رک گیا۔ اس نے گزشتہ رات کی طرح پکارا — "میں آگیا ہوں۔ کیا میں آگے آسکتا ہوں؟" — اسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ مشعل کی روشنی نظر آنے لگی اور مشعل اس سے کچھ دور آکر رک گئی۔ مشعل بردار نے کہا — "حضرت کے قدموں میں سجدہ ضرور کرنا۔ وہ آج کسی سے ملنا نہیں چاہتے۔ تم آجاؤ۔"

گزشتہ رات کی طرح وہ غلام گردشوں وغیرہ سے گزرتا مشعل بردار کے ساتھ حضرت کے دروازے پر جا رکا۔ حضرت نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ سپاہی نے اس کے قدموں میں جا سر رکھا اور التجا کی — "یا حضرت! مجھے میرا راز دے دو۔ میں کون ہوں؟ مجھے آپ کیا دکھائیں گے؟"

سیاہ ریش حضرت نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا تو وہی لڑکی دوسرے کمرے سے آئی۔ وہ سپاہی کو دیکھ کر مسکرائی۔ سپاہی اسے اپنے پاس بٹھانے کو بے تاب ہو گیا۔ سیاہ ریش نے لڑکی سے کہا — "یہ آج پھر آگیا ہے۔ کیا میں یہ

تماشہ دکھانے کے لیے بیٹھا ہوں؟"

"اس گناہ گار کو بخش دیں یا حضرت!" لڑکی نے کہا۔ "بڑی دُور سے اُمید لے کر آیا ہے۔"

تھوڑی دیر بعد گول والا شیشہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ لڑکی نے اس سے پہلے اسے شربت پلایا تھا اور اس کے پیچھے بیٹھ کر اس کی پیٹھ اپنے سینے سے لگالی اور بازو اس کے گرد لپیٹ دیئے جیسے ماں نے اپنے بچے کو گود میں لے رکھا ہو۔ سپاہی کو سیاہ ریش حضرت کی سُریلی آواز سنائی دینے لگی ۔"مجھے شاہ سلیمان کا محل نظر آرہا ہے۔ مجھے شاہ سلیمان کا محل نظر آرہا ہے"۔ یہ آواز دبتی چلی گئی جیسے بولنے والا دُور ہی دُور ہوتا جا رہا ہو۔

"ہاں!" سپاہی نے چونک کر کہا۔ "ایسا محل اس دنیا کے کسی بادشاہ کا نہیں ہو سکتا۔"

"میں اس محل میں پیدا ہوا تھا۔" اُسے کسی کی آواز سنائی دینے لگی جو یہی الفاظ دہرا رہی تھی۔ "میں اس محل میں پیدا ہوا تھا"۔ پھر یہ اس کی اپنی آواز بن گئی اور پھر اس نے یوں محسوس کیا جیسے اس کے وجود کے اندر بھی ایک آواز گونجنے لگی ہے ۔"میں اس محل میں پیدا ہوا تھا"۔ پھر وہ آوازوں سے لاتعلق ہو گیا۔ اسے ایک محل نظر آرہا تھا اور وہ خود اس کے باہر ایک باغ میں گھوم پھر رہا تھا۔ اب یہ اسے شیشے کے گولے میں نظر نہیں آرہا تھا بلکہ یہ محل حقیقت بن گیا تھا جس کی ہر چیز کو، باغ کو، پودوں اور پھولوں کو ہاتھ لگا کر محسوس کر سکتا اور سونگھ سکتا تھا۔ وہ وہاں سپاہی نہیں شہزادہ تھا۔

یہ عمل فضا میں تحلیل ہو گیا اور سپاہی نے بہت دیر بعد اپنے آپ کو لڑکی کی آغوش میں پایا۔ اس نے لڑکی سے بہت کچھ پوچھا۔ لڑکی نے اسے بتایا کہ حضرت کہہ گئے ہیں کہ یہ شخص شہزادہ تھا، اور یہ اب بھی شہزادہ بن سکتا ہے۔ حضرت یہ معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ سپاہی کے تخت و تاج پر کس کا قبضہ ہے۔ لڑکی نے اُسے کہا۔"حضرت کہہ گئے ہیں کہ تم اگر سات آٹھ روز یہیں رہو تو وہ سب کچھ معلوم کر سکیں گے اور تمہیں سب کچھ دکھادیں گے۔"

☆

اگلی رات وہ پھر قلعے کے اسی کمرے میں بیٹھا تھا۔ اس نے چار روز کی چھٹی لے لی تھی۔ اُسے لڑکی نے اسی پیالے میں شربت پلایا اور اس کے ہاتھ میں شیشے کا گولہ دے دیا گیا۔ اس نے کسی کے بتائے بغیر گولہ اپنی آنکھوں کے آگے رکھ لیا اور قندیل کی لَو کو دیکھتا رہا۔ اسے اس میں رنگا رنگ شعلے ناچتے نظر آئے۔ سیاہ ریش نے اپنے طلسماتی انداز سے کچھ بولنا شروع کر دیا۔ اس سے پہلے وہ دوبار اس عمل سے گزر چکا تھا۔ دونوں بار ایسے ہوا تھا کہ اسے شیشے کے گولے میں تختِ سلیمان اور اگلی رات شاہ سلیمان کا محل نظر آیا تھا مگر اس کے بعد گولہ اس کے ہاتھ میں نہیں ہوتا تھا۔ اسے جب گولے میں کوئی منظر نظر آنے لگتا تھا تو سیاہ ریش یا لڑکی سپاہی کے ہاتھ سے گولہ لے کر الگ رکھ دیتی تھی۔ اب تیسری رات بھی یہی ہوا۔ سیاہ ریش اس کے سامنے بیٹھ گیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پُراثر لہجے میں جو دھیما دھیما سا تھا کہہ رہا تھا۔ "یہ پھول ہیں، یہ باغ ہے۔ میں باغ میں موجود ہوں"۔ وہ بھی الفاظ دہرا رہا تھا اور لڑکی سپاہی کے ساتھ لگی بیٹھی اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھی۔

سپاہی کو ایک باغ نظر آگیا۔ زمین اونچی نیچی تھی اور سبزہ زار سے ڈھکی ہوئی۔ ہر طرف رنگ برنگے پھول تھے اور ان کی مہک نشہ طاری کرتی تھی۔ سپاہی نے باغ میں ایک ایسی لڑکی کو ٹہلتے اور گنگناتے دیکھا جو اس لڑکی سے بہت ہی زیادہ خوبصورت تھی جو اس کے ساتھ لگی بیٹھی تھی۔ اس کا لباس ایک ہی رنگ کا تھا اور یہ رنگ ان رنگوں میں سے نہیں تھا جو وہ اس دنیا میں دیکھا کرتا تھا۔ سپاہی اب ناگوں والے قلعے کے کمرے میں نہیں تھا۔ سیاہ ریش حضرت اور اس کے ساتھ کی لڑکی سے وہ بے خبر اور لاتعلق ہو چکا تھا۔ وہ قلعے سے نکل ہی گیا تھا۔ اس نے باغ میں لڑکی کو دیکھا تو اس کی طرف دوڑ پڑا۔ لڑکی بھی دوڑی اور اس کے گلے کا ہار بن گئی۔ لڑکی کے جسم سے پھولوں کی مہک اٹھ رہی تھی۔ سپاہی شاہ سلیمان کے خاندان کا شہزادہ تھا۔ وہ دونوں باغ کے اس گوشے میں چھپ گئے جو ایک غار کی مانند تھا لیکن یہ غار رنگا رنگ بیلوں اور ان کے پھولوں نے بنا رکھا تھا۔ اس کے فرش پر مخمل جیسی گھاس تھی۔

لڑکی نے پھولوں کے اس غار کے ایک کونے سے ایک خوشنما صراحی اٹھائی اور پیالہ بھر کر سپاہی کے ہاتھ میں دے دیا۔ یہ میٹھی شراب تھی۔ سپاہی پر لڑکی کے حسن اور محبت کا نشہ تو پہلے ہی طاری تھا، شراب کے نشے نے اُسے اس سے بھی زیادہ حسین اور طلسماتی دنیا میں پہنچا دیا اور پھر لڑکی نے اسے کہا کہ وہ ابھی آتی ہے۔ وہ چلی گئی۔ سپاہی کو اس کی چیخیں سنائی دیں، وہ باہر کو دوڑا۔ اسے لڑکی کہیں نظر نہ آئی۔ وہ دوڑتا ہی رہا۔ اسے لڑکی کی دلدوز چیخیں سنائی دیتی رہیں مگر وہ سپاہی کو کہیں نظر نہیں آتی تھی۔ اس نے غصے سے پاگل ہو کر تلوار نکال لی اور لڑکی کی تلاش میں باؤلا ہوتا رہا۔ آخر اسے ایک بڑھیا ملی۔ اس نے اسے بتایا کہ لڑکی اب تمہیں نہیں مل سکے گی۔ وہ جو لڑکی کو لے گیا ہے، وہ تم سے زیادہ طاقتور ہے۔ تم اب اسے کبھی نہیں دیکھ سکو گے۔ وہ جو لڑکی کو لے گیا ہے وہ اب اس تخت پر بیٹھے گا جس پر تمہیں بیٹھنا تھا۔ اس کے پیچھے مت بھاگو۔ زندہ رہو اور کبھی موقع پا کر اُسے قتل کر دینا۔ لڑکی تمہاری یاد میں ہلکان ہوتی رہے گی۔

"وہ کون تھا جو اس لڑکی کو لے گیا ہے؟" سپاہی جب ناگوں والے قلعے کے اس کمرے میں لوٹ کر آیا تو اس نے پوچھا ۔"اور میں نے یہ کیا دیکھا تھا؟"

"تم نے اپنی گزری ہوئی زندگی دیکھی ہے"۔ سیاہ ریش نے اسے بتایا ۔"میں تمہیں واپس لے آیا ہوں"۔

"میں وہاں سے واپس نہیں آنا چاہتا تھا"۔ سپاہی نے بے تابی اور بے چینی سے کہا۔ "مجھے وہیں بھیج دو"۔

"کیا کرو گے وہاں جا کر؟" سیاہ ریش نے اُس سے پوچھا ۔"جس کی خاطر جانا چاہتے ہو وہ کسی اور کے قبضے میں ہے۔ اسے جب تک قتل نہیں کرو گے وہ تمہیں نہیں مل سکے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ تم کسی کو قتل کرو اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم اس انسان کو قتل کر بھی نہیں سکو گے"۔

"یا حضرت!" سپاہی نے کہا ۔"اگر قتل کرنے سے مجھے میرا ورثہ اور میری بیوی مل سکتی ہے تو میں سلطان صلاح الدین ایوبی سے بھی اونچے رتبے کے آدمی کو قتل کر دوں گا"۔

"پھر یہ خون میری گردن پر ہوگا میرے دوست!" درویش نے کہا۔

سپاہی اس کے قدموں میں گر پڑا اور اس کے پاؤں پر سر رگڑنے لگا۔ وہ "یا حضرت، یا حضرت" کا ورد کیے جا رہا تھا اور وہ رونے بھی لگا تھا۔

سیاہ ریش حضرت نے اُسے پھر اُسی دنیا میں پہنچا دیا جہاں تختِ سلیمانی تھا، محل اور باغ تھا۔ اس کے کانوں میں آوازیں پڑتی رہیں ___ "یہ ہے تمہارے دادا کا قاتل، تمہارے باپ کا قاتل، تمہارے تخت و تاج کا غاصب اور اس لڑکی کو جو تمہیں چاہتی ہے اسی کی قید میں ہے۔"

"نہیں، نہیں۔" سپاہی نے گھبرا کر کہا ___ "یہ نہیں ہو سکتا۔ یہ سلطان صلاح الدین ایوبی ہے۔"

"یہی تمہاری قسمت کا قاتل ہے۔" اس کے کانوں میں آوازیں پڑ رہی تھیں۔ "یہ تمہارا سلطان نہیں ہو سکتا۔ یہ کُرد ہے۔ تم عرب ہو۔ کہو ___ صلاح الدین ایوبی میرے دادا کا قاتل ہے۔ میرے باپ کا قاتل ہے۔ میرے تخت و تاج کا غاصب ہے ___ اب راز کھُل گیا ہے۔ انتقام لو۔ غیرت مند مرد انتقام لیا کرتے ہیں۔"

اور سپاہی اس طلسماتی ماحول میں گھومتے پھرتے یہی ورد کرتا رہا ___ "صلاح الدین ایوبی میرے دادا کا قاتل ہے۔ میرے باپ کا قاتل ہے۔ میرے تخت و تاج کا غاصب ہے۔ میری محبت کا قاتل ہے۔ میری قسمت کا قاتل ہے۔"

پھر یوں ہُوا کہ اس کی نظروں کے آگے صرف صلاح الدین ایوبی رہ گیا۔ وہ اسے چلتا پھرتا نظر آتا تھا۔ سپاہی ہاتھ میں خنجر لیے اُس کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا مگر قتل کا موقع نہیں ملتا تھا۔ سپاہی کو لڑکی نظر آ گئی۔ وہ پنجرے میں بند تھی۔ صلاح الدین ایوبی پنجرے کے پاس کھڑا قہقہے لگا رہا تھا۔ لڑکی سپاہی کو اداس اور مظلوم نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ سلطان ایوبی کے چہرے پر سفاکی اور بربریت کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔ سپاہی کی زبان خاموش ہوتی تھی تو اسے فضا سے سرگوشیاں سنائی دیتی تھیں ___ "صلاح الدین ایوبی میرے دادا کا قاتل ہے۔ میرے باپ کا قاتل...."

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے کمرے میں اپنے مشیروں اور اعلیٰ فوجی حکام سے جنگ کی باتیں کر رہا تھا۔ جاسوس جو نئی اطلاعیں لائے تھے جن کے مطابق اپنے پلان پر نظرثانی کر رہا تھا، اور اُس وقت یہی محافظ سپاہی باہر پہرے پر کھڑا تھا جسے سیاہ ریش بزرگ نے نئی دنیا دکھائی تھی۔ مشیر وغیرہ بہت دیر بعد کمرے سے نکلے اور سلطان ایوبی اکیلا رہ گیا۔ سپاہی کمرے میں چلا گیا اور اس نے تلوار سونت کر کہا ___ "تم میرے دادا کے قاتل ہو، میرے باپ کے قاتل ہو۔" ___ سلطان ایوبی نے چونک کر اسے دیکھا ___ "اُسے آزاد کر دو وہ میری ہے" ___ اور اس کے ساتھ ہی اس نے قہر اور غضب سے سلطان ایوبی پر تلوار کا وار کیا۔ سلطان خالی ہاتھ تھا۔ وہ پھرتی سے وار بچا گیا۔ اس نے باڈی گارڈز کے کمانڈر کو آواز دی اور لپک کر اپنی تلوار اٹھالی۔ سپاہی نے اور زیادہ غضب ناک ہو کر اس پر حملہ کیا۔ اگر اس کے مقابلے کا تیغ زن سلطان ایوبی نہ ہوتا تو اس تجربہ کار سپاہی کا وار خالی نہ جاتا۔ سلطان ایوبی نے اس کے وار صرف روکے وار ایک بھی نہ کیا اور جب کمانڈر

دوڑتا اندر آیا تو سلطان ایوبی نے اُسے کہا ___ "اس پر وار نہ کرنا۔ زندہ پکڑو۔"

سپاہی نے گھوم کر کمانڈر پر وار کیا۔ اتنے میں تین چار باڈی گارڈ اندر آ گئے۔ سپاہی کے تیور کا یہ عالم تھا کہ اس نے تلوار کے وار پہ وار کر کے کسی کو قریب نہ آنے دیا۔ وہ چونکہ سلطان ایوبی کو قتل کرنا چاہتا تھا اس لیے وہ اسی کی طرف لپکتا اور للکارتا تھا ___ "تم میرے دادا کے قاتل ہو، میرے باپ کے قاتل ہو، میرے تخت و تاج کے غاصب ہو" ___ آخر اس کو پکڑ لیا گیا۔ اس سے تلوار چھین لی گئی۔

"زندہ باد میرے محافظ" ___ سلطان ایوبی نے غصے کا اظہار کرنے کی بجائے اسے خراجِ تحسین پیش کیا اور کہا ___ "سلطنتِ اسلامیہ کو تم جیسے تیغ زنوں کی ضرورت ہے" ___ باڈی گارڈ کمانڈر اور دوسرے سپاہی حیران تھے کہ یہ قصہ کیا ہے۔ سلطان ایوبی نے کمانڈر سے کہا ___ "طبیب کو اور حسن بن عبداللہ کو فوراً بلاؤ۔"

سپاہی کو چار باڈی گارڈز نے جکڑ رکھا تھا اور وہ چلا رہا تھا ___ "یہ میری محبت کا قاتل ہے۔ یہ میری قسمت کا قاتل ہے۔"

ایک باڈی گارڈ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا لیکن سلطان ایوبی نے کہا ___ "اسے بولنے دو۔ ہاتھ ہٹا لو۔" اس نے سپاہی سے کہا ___ "بولو میرے دوست! بتاؤ تم مجھے کیوں قتل کرنے لگے تھے؟"

"اسے آزاد کر دو۔" سپاہی نے چلا کر کہا ___ "تم نے اُسے پنجرے میں بند کر رکھا ہے۔ حضرت نے مجھے کہا تھا کہ میں تمہیں قتل نہیں کر سکوں گا۔ آؤ، میرا مقابلہ کرو۔ بزدلوں کی طرح اتنے آدمیوں کو اپنی جان بچانے کے لیے تم نے بلا لیا ہے۔ تلوار نکالو۔ میری تلوار مجھے دو۔ میدان میں آؤ۔"

سلطان ایوبی اُسے بڑی غور سے دیکھتا رہا۔ باڈی گارڈ سلطان ایوبی کے اس حکم کا انتظار کر رہے تھے کہ اس سپاہی کو قید خانے میں ڈال دیا جائے۔ اس کا جرم معمولی نہیں تھا۔ اس نے قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ اگر سلطان ایوبی بے خبری میں بیٹھا ہوتا یا وہ اس محافظ کو اندر آتے دیکھ نہ لیتا تو اس کا قتل ہو جانا یقینی تھا مگر سلطان ایوبی نے اسے قید میں ڈالنے کا حکم نہ دیا۔ محافظ ہذیانی کیفیت میں بول رہا تھا.... اتنے میں طبیب آ گیا اور اس سے ذرا بعد حسن بن عبداللہ آ گیا۔ اندر کا منظر دیکھ کر وہ گھبرا گیا۔

"اسے لے جائیں۔" سلطان ایوبی نے طبیب سے کہا۔ "یہ غالباً اچانک پاگل ہو گیا ہے۔"

"یہ آج ہی چار روز چھٹی کاٹ کر آیا ہے۔" باڈی گارڈ کمانڈر نے کہا۔ "جب سے آیا ہے خاموش ہے۔"

اسے گھسیٹ کر باہر لے گئے۔ طبیب بھی ساتھ ہی چلا گیا۔ سلطان ایوبی نے حسن بن عبداللہ کو بتایا کہ اس سپاہی نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ حسن بن عبداللہ نے اس شک کا اظہار کیا کہ یہ فدائی ہو گا۔ سلطان ایوبی نے کہا کہ یہ سپاہی کسی وجہ سے دماغی توازن کھو بیٹھا ہے۔ حسن بن عبداللہ کو سلطان ایوبی نے کہا کہ اس کے متعلق اچھی طرح چھان بین کی جائے۔

☆

بہت دیر بعد طبیب سلطان ایوبی کے پاس آیا اور انکشاف کیا کہ اس سپاہی کو کئی روز مسلسل نشے کی

حالت میں رکھا گیا ہے اور اس پر عملِ تنویم (ہپناٹزم) کیا گیا ہے۔ طبیب نے اس کی سانس سونگھ کر معلوم کر لیا
تھا کہ اسے نشہ آور چیزیں کھلائی یا پلائی گئی ہیں۔ اس نے سلطان ایوبی کو بتایا — "یہ عمل طب کے لیے کوئی عجوبہ
نہیں۔ اس کا موجد حسن بن صباح ہے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ اس نے ایک نشہ آور شربت تیار کیا تھا جس میں یہ
اثر تھا کہ جو پی لے اُسے نہایت حسین اور دلنشیں مناظر نظر آتے تھے۔ اس کیفیت میں اس کے کان میں جو
بات ڈالی جائے وہ اسی کو حقیقی روپ میں دیکھنے لگتا تھا جو وہ اصل تصور ہوتا تھا۔ حسن بن صباح نے اسی نشے
اور عملِ تنویم کی بنیادوں پر ایک جنت بنائی تھی جس میں داخل ہونے والے وہاں سے نکلنے پر آمادہ نہیں ہوتے
تھے۔ وہ منہ میں مٹی اور کنکریاں ڈال کر سمجھتے تھے کہ مرغن کھانے کھا رہے ہیں۔ کانٹوں پر چلتے تو سمجھتے تھے کہ مخمل پر
چل رہے ہیں۔ حسن بن صباح تو مر گیا اس کا یہ شربت اور عمل پیچھے رہ گیا۔ اس کا گروہ قاتلوں کا گروہ بن گیا۔ اپنے
مقاصد کے لیے یہ گروہ حسین لڑکیوں اور اس شربت کا استعمال کرتا ہے۔ اس سپاہی کو آپ کے قتل کے لیے اس
عمل کا شکار بنایا گیا ہے۔"

طبیب نے یہ تشخیص کر کے سپاہی کو دوائیاں پلا دی تھیں جنہوں نے اس کی ہذیانی کیفیت پر قابو پا لیا
تھا اور وہ گہری نیند سو گیا تھا۔ حسن بن عبداللہ نے پہلے ہی طبیب سے معلوم کر لیا تھا کہ یہ سپاہی اپنی حقیقی حالت
میں نہیں۔ وہ سراغرساں تھا۔ اس نے باڈی گارڈوں سے معلوم کر لیا کہ یہ سپاہی چار روز کی چھٹی گیا تھا لیکن کسی
کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اس نے چھٹی کہاں گزاری ہے۔ شہر میں ناگوں والے قلعے کے متعلق جو باتیں مشہور ہو گئی تھیں
وہ حسن بن عبداللہ تک اس کے جاسوسوں کے ذریعے پہنچی تھیں۔ لوگ کہتے تھے کہ قلعے میں ایک بزرگ نمودار ہوا ہے
جو غیب کا حال بتاتا اور مرادیں پوری کرتا ہے۔ حسن بن عبداللہ نے ان باتوں کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ اس قسم کے
بزرگوں اور پیروں پیغمبروں کی آمد و رفت لگی ہی رہتی تھی۔ مجذوب اور دیوانے آدمی کو بھی لوگ برگزیدہ انسان کو کران
سے مرادیں پوری کرانے لگتے تھے۔ حسن بن عبداللہ کو ایک جاسوس نے بتایا کہ اس نے ایک سیاہ ریش آدمی کو دو بار
قلعے کے اندر جاتے دیکھا ہے۔

قلعے کے اردگرد گھومنے پھرنے والوں سے پوچھ گچھ کی گئی تو ایک آدمی نے بتایا کہ سیاہ داڑھی اور سفید چغے
والا ایک آدمی قلعے کے اندر آتا جاتا دیکھا گیا ہے۔ ایسی چند اور شہادتیں حاصل کر کے حسن بن عبداللہ نے سورج غروب
ہونے سے پہلے فوج کے ایک دستے سے چھاپہ مارا۔ مشعلیں ساتھ تھیں۔ قلعہ اندر سے کچھ پیچیدہ سا تھا۔ گری ہوئی
دیواروں اور چھتوں کا ملبہ بھی تھا۔ کئی کمرے سلامت تھے۔ فوجیوں کو ہر طرف پھیلا دیا گیا۔ کسی گوشے سے شور اُٹھا۔
کچھ سپاہی اُدھر دوڑے گئے۔ وہاں دو سپاہی پڑے تڑپ رہے تھے۔ ان کے سینوں میں تیر اُترے ہوئے تھے۔ کہیں
سے تین چار تیر آئے۔ تین چار سپاہی اور گر پڑے۔ بعض سپاہی اس ڈر سے پیچھے ہٹ آئے کہ یہاں کوئی انسان نہیں ہو
سکتا۔ یہ جن بھوت ہوں گے۔ حسن بن عبداللہ حقیقت پسند انسان تھا۔ اس نے سپاہیوں کا حوصلہ بڑھایا اور انہیں
بتایا کہ یہ تیر انسانوں کے چلائے ہوئے ہیں۔ اس نے گھیرے کی ترتیب بدل دی اور گھیرا تنگ کرنے لگا۔ وہاں کوئی
انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ کہیں سے دو چار تیر آتے اور دو چار سپاہی زخمی ہو جاتے تھے۔

حسن بن عبداللہ نے فوج کا ایک اور دستہ منگوا لیا۔ رات گہری ہو گئی تھی۔ بے شمار مشعلیں منگوالی گئیں۔ ایک
دستے کا کمانڈر اُس کمرے تک پہنچ گیا جہاں سپاہی آتا رہا تھا۔ اس ڈراؤنے کھنڈر میں ایسے سجے سجائے کمرے کو
دیکھ کر سپاہی ڈر گئے۔ یہ جنوں کا ہی مسکن ہو سکتا تھا۔ حسن بن عبداللہ کو بلایا گیا۔ اس نے اندر جا کر سامان دیکھا تو اس پر
راز کھلنے لگے۔ اتنے میں چند ایک سپاہیوں نے سیاہ ریش والے آدمی کو کہیں سے پکڑ لیا۔ اس کے ساتھ ایک
خوبصورت لڑکی تھی۔ ان کے بعد چھ اور آدمی کو نوں کھدروں میں چھپے ہوئے پکڑے گئے۔ ان کے پاس کمانیں اور
تیر تھے۔ سیاہ ریش نے خدا کا برگزیدہ انسان اور تنہائی میں چلّہ کاٹنے والا تارک الدنیا بننے کی بہت کوشش کی
لیکن اتنی حسین اور جوان لڑکی اور تیر و کمان سے مسلح افراد اور ان کا فوج کے ساتھ مقابلہ اسے جھٹلا رہا تھا۔ اس کے
سامان پر قبضہ کر لیا گیا اور ان سب کو لے گئے۔

تین چار مرتبان، اصراحیاں اور پیالے بھی برآمد ہوئے تھے۔ یہ چیزیں رات کو طبیب کو دے دی گئیں۔ اس
نے مرتبانوں اور صراحیوں کو سونگھ کر ہی بتا دیا کہ ان میں وہ شربت ہے جو حسن بن صباح کی ایجاد تھا — ان تمام
آدمیوں اور لڑکی کو قید خانے میں لے گئے۔

☆

صبح طلوع ہو رہی تھی جب لڑکی نے اذیتوں کے پہلے مرحلے میں ہی بتا دیا کہ یہ گروہ فدائیوں کا ہے اور یہ
رنگ نیا حلف لے کر آئے تھے کہ سلطان ایوبی کو قتل کر کے لوٹیں گے ورنہ مر جائیں گے۔ لڑکی نے بتایا کہ اس محافظ سپاہی
کو سیاہ ریش نے پھانسا تھا اور اسے نشہ پلا کر اس پر عملِ تنویم کیا جاتا تھا۔ سپاہی کے ذہن میں اس نشے اور عمل کے
ذریعے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف ایسی نفرت پیدا کی گئی کہ وہ سلطان کو قتل کرنے کے لیے چل پڑا۔ ان لوگوں
کو توقع تھی کہ سلطان ایوبی اس سپاہی کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا اس لیے وہ اطمینان سے قلعے میں بیٹھے رہے۔ سیاہ
ریش جاسوسی کے لیے گیا تھا لیکن اُسے کچھ پتہ نہیں چل سکا، نہ اسے وہ سپاہی کہیں نظر آیا۔ شام کے وقت اچانک
فوج آ گئی۔

سیاہ ریش بڑا سخت جان نکلا۔ اس نے صاف کہہ دیا کہ اس لڑکی کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ اس
کھنڈر میں ایک وظیفے کا چلّہ کرنے آیا تھا۔ اس کے دوسرے ساتھیوں نے بھی پہلے انکار کیا لیکن حسن بن عبداللہ نے
جب انہیں تہہ خانے میں لے جا کر اذیت رسانی کے عمل میں ڈالا تو انہوں نے باری باری اپنے جرم کا اعتراف
کر لیا۔ سیاہ ریش کو جب ان کے سامنے کھڑا کیا گیا تو اس کے لیے انکار کی کوئی صورت نہ رہی۔ اس نے جب اپنے
ساتھیوں کی حالت دیکھی تو اُس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ اسے کہا گیا کہ وہ تمام تر واقعات پوری تفصیل سے سُنا دے
تو اُسے باعزت طریقے سے رکھا جائے گا ورنہ اسے مسلسل اذیتوں میں ڈال کر مرنے بھی نہیں دیا جائے گا اور
زندہ رہنے کے قابل بھی نہیں رہنے دیا جائے گا۔ اس نے تہہ خانے میں اذیت رسانی کا سامان اور طریقے
دیکھے تو وہ سب کچھ بتانے پر رضامند ہو گیا۔

اُس کے بیان کے مطابق وہ فدائی قاتلوں کے گروہ کا آدمی تھا۔ فدائیوں کے سرغنہ شیخ سنان کا وہ

خصوصی تجربہ کار قاتل تھا لیکن وہ اپنے ہاتھوں قتل نہیں کرتا تھا۔ اُس کا طریقۂ کار اسی قسم کا تھا جو اس نے اس واردات میں استعمال کیا تھا۔ یہ حسن بن صباح کی ایجاد تھی۔ اگر اس فرقے کے متعلق کتابیں پڑھی جائیں تو ان میں اس طریقے کی تفصیلات واضح ہو جاتی ہیں۔ تمام مؤرخین نے رائے دی ہے کہ حسن بن صباح کو خدا نے غیر معمولی عقل عطا کی تھی جو اس نے شیطانی کاموں میں استعمال کی۔ اس سپاہی کو جس طرح سلطان ایوبی کے قتل کے لیے استعمال کیا گیا وہ اس فرقے کا ایک عام طریقۂ قتل تھا۔ اس سپاہی کی مثال سے اس انوکھے طریقۂ قتل کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ اگر انسانی نفسیات کا مطالعہ کیا جائے تو کسی کو یوں اپنا آلۂ کار بنانا حیران کن نہیں لگتا۔ اس سپاہی کے لاشعور پر قبضہ کر کے اس میں سلطان ایوبی کے خلاف نفرت ڈالی گئی پھر اسے جذبۂ انتقام میں بدلا گیا۔

سیاہ داڑھی والے نے بتایا کہ چونکہ سلطان ایوبی پر پہلے چار قاتلانہ حملے ناکام ہو چکے تھے اس لیے اس شخص کو بھیجا گیا تھا کہ وہ اپنا خصوصی طریقہ استعمال کرے۔ سلطان ایوبی پر پہلے چار حملے براہ راست کیے گئے تھے۔ یہ دیکھ لیا گیا تھا کہ سلطان ایوبی کو سیدھے طریقے سے قتل نہیں کیا جا سکتا۔ سیاہ ریش (جس کا نام وقائع نگاروں کے ہاں محفوظ نہیں) اپنے گروہ کے چھ تجربہ کار آدمیوں اور ایک لڑکی کو دمشق لے گیا۔ اس نے ناگوں والے ویران قلعے کو اپنا مسکن بنایا۔ اس میں یہ گروہ رات کے اندھیرے میں داخل ہوا۔ انہوں نے اپنا سامان بھی رات کو وہاں پہنچایا۔ اس گروہ کے آدمیوں نے شہر میں یہ افواہ پھیلائی کہ قلعے میں ایک درویش نمودار ہوا ہے جس کے ہاتھ میں غیبی طاقت ہے اور وہ مستقبل کی باتیں بتاتا ہے۔ ان افواہوں کا مقصد یہ تھا کہ لوگ قلعے میں آئیں اور سیاہ ریش کو غیب سے نمودار ہونے والا درویش یا پیغمبر تسلیم کریں۔ اپنی یہ حیثیت منوا کر وہ کسی ایک یا ایک سے زیادہ آدمیوں کو قبضے میں لے کر سلطان ایوبی کے قتل کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا، مگر خلافِ توقع لوگ قلعہ میں نہ آئے جس کی وجہ یہ تھی کہ قلعے کے متعلق بڑی ہی ڈراؤنی روایات مشہور تھیں۔ ان میں یہ روایت سب سے زیادہ خطرناک تھی کہ دو ناگوں کی عمر ایک ہزار سال ہو چکی ہے اور اب انسانوں کے روپ میں ظاہر ہوتے ہیں، اور کوئی ان کے قریب جائے تو اسے نگل لیتے ہیں۔

گروہ کا سرغنہ منجھا ہوا قاتل تھا۔ اس کے دماغ میں یہ سکیم آئی کہ سلطان ایوبی کے دستے کے کسی سپاہی کو استعمال کیا جائے۔ چنانچہ وہ کئی روز یہ دیکھتا رہا کہ محافظ دستے کے سپاہی کہاں رہتے ہیں اور ان کی ڈیوٹی کس طرح لگتی ہے۔ وہ سلطان ایوبی کے دفتر تک اور گھر تک نہ پہنچ سکا کیونکہ ان دونوں جگہوں کے قریب کوئی شہری یا فوجی نہیں جا سکتا تھا۔ یہ ممنوعہ علاقہ تھا۔ تاہم اس استاد نے اس محافظ سپاہی کو دیکھ لیا اور کسی طرح یہ بھی معلوم کر لیا کہ وہ سلطان ایوبی کے دفتر کے محافظوں میں سے ہے۔ یعنی یہ آسانی سے سلطان ایوبی تک پہنچ سکتا تھا۔ اُس نے اس سپاہی پر نظر رکھی۔ اُس وقت سیاہ ریش کا حلیہ کچھ اور تھا۔ ایک روز یہ سپاہی اسے باہر جاتا نظر آ گیا۔ سیاہ ریش نے اسے راستے میں روک لیا اور اس کے ساتھ ایسی باتیں کیں جنہیں کوئی انسان خواہ وہ کتنی ہی مضبوط شخصیت کا ہو نظر انداز نہیں کر سکتا۔ ان باتوں کے لیے جو لب و لہجہ اختیار کیا گیا اور جو اداکاری کی گئی وہ انسانی فطرت پر طلسماتی اثر کرتی ہے۔ یہ سپاہی معمولی سے ذہن کا پسماندہ آدمی تھا، جال میں آ گیا اور رات کو قلعے میں پہنچ گیا۔

قلعے کے ایک کمرے میں جو اہتمام کیا گیا تھا وہ پتھروں کو موم کرنے کے لیے کافی تھا۔ ایک تو کمرے کی سجاوٹ تھی، اور بیش قیمت قالین۔ دوسرے یہ لڑکی تھی جس کے حسن میں اور جسمانی ساخت میں جادو تھا۔ اس کا لباس ایسا تھا جس میں وہ نیم عریاں تھی اور اس کے کھلے ہوئے ریشمی بالوں کا تاثر نشہ طاری کرتا تھا۔ سیاہ ریش کے کہنے کے مطابق یہ لڑکی، اس کا لباس اور انداز زاہدوں اور پرہیزگاروں میں بھی حیوانی جذبہ بیدار کر دیتا ہے۔ تیسری اور اصل چیز وہ شربت تھا جو وہ لوگ اپنے شکار کو پلاتے تھے۔ شیشے کا گولا فریبِ نظر پیدا کرنے کے لیے تھا۔ اس سپاہی کے ذہن میں یہ ڈالا گیا کہ وہ شاہی خاندان کا فرد ہے اور اس کا خاندان تختِ سلیمان کا وارث ہے۔ تختِ سلیمان کا وجود تھا یا نہیں، دلچسپ کہانیوں میں اس کا بہت ذکر آتا ہے اور ایسے انداز سے آتا ہے کہ یہ ایک حسین اور پُراسرار تصور کی طرح لوگوں کے ذہنوں پر سوار ہو جاتا ہے۔

یہ سپاہی جب اس کمرے میں داخل ہوا تو کمرے کی زیبائش اور قیمتی سامان نے اسے متاثر کیا۔ سیاہ ریش مراقبے کی حالت میں تھا۔ اس کا بھی اثر تھا۔ اس نے جب اتنی حسین لڑکی دیکھی تو مرعوب ہو گیا۔ لڑکی نے اسے جو شربت پلایا اس میں نشہ تھا۔ اس نشے کا اثر یہ تھا کہ انسان حقیقی دنیا سے لاتعلق ہو کر حسین تصورات کی دنیا میں چلا جاتا ہے۔ اس کیفیت میں اس پر عملِ تنویم کیا جاتا یعنی اسے ہپناٹائز کر لیا جاتا اور اس کے ذہن میں اپنے مطلب کے تصورات ڈالے جاتے تھے۔ اس کے ہاتھ میں شیشے کا جو گولا دیا جاتا تھا اس میں سے قندیل کی لو کے کئی رنگ نظر آتے تھے۔ جو کوئی عجوبہ نہیں تھا۔ شیشے کی ساخت ایسی تھی کہ اس میں سے گزرتی روشنی اپنے ساتوں رنگوں میں نظر آتی تھی۔ ان رنگوں کا ذہن پر اثر ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک انتہائی حسین لڑکی سپاہی کے ساتھ لگ کر بیٹھ جاتی اور باتوں میں یہ ظاہر کرتی تھی کہ وہ اسے دل و جان سے چاہتی ہے۔ سیاہ ریش سریلی اور پُراثر آواز میں بولنے لگتا تھا۔ اس کے الفاظ سپاہی کے کان میں پڑتے تھے اور اس کے ذہن میں مطلوبہ تصور آراستہ کرتے تھے۔ سیاہ ریش بھانپ لیتا تھا کہ سپاہی اپنے آپ میں نہیں رہا۔ اس وقت وہ اس کے ہاتھ سے شیشے کا گولا لے کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیتا اور اسے ہپناٹائز کر لیتا تھا۔

سپاہی جسے اپنی آواز سمجھتا تھا وہ سیاہ ریش کی آواز ہوتی تھی۔ پھر وہ اُس مرحلے میں داخل ہو جاتا تھا جہاں وہ اپنے تصور کو حقیقی سمجھ کر اس کا حصہ بن جاتا تھا۔ کمزور شخصیت کے سپاہی نے یہ اثرات قبول کر لیے۔ سیاہ ریش اسے حقیقی دنیا میں واپس لے آیا۔ اس مقصد کے لیے اسے کچھ سونگھایا جاتا تھا۔ سیاہ ریش دوسرے کمرے میں چلا جاتا اور لڑکی سپاہی کے ساتھ اکیلی رہ جاتی۔ وہ سپاہی کے اعصاب اور دماغ پر غالب آ جاتی۔ اس مقصد کے لیے وہ ایسی حرکات اور ایسی باتیں کرتی تھی جس کے اثر سے کم از کم یہ سپاہی بچ نہیں سکتا تھا۔ سپاہی کو صرف تختِ سلیمان دکھا کر رخصت کر دیا گیا اور اس کے ذہن میں یہ ڈال دیا گیا کہ راز ابھی باقی ہے۔ سپاہی کے دل میں تجسس پیدا ہو گیا۔ دوسری بار اس پر یہی عمل کیا گیا اور اسے کچھ اور دکھا دیا گیا۔ انہوں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ سپاہی پوری طرح اُن کے جال میں آ گیا اور وہ اس کے ذہن پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ وہ اب ان کی منت سماجت کرتا تھا کہ اسے سارا راز بتایا جائے۔ اسے کہا گیا کہ وہ کئی روز ان کے پاس رہے۔ اس نے چھٹی لے لی۔ وہ یہی

چاہتے تھے۔

ان چار دنوں اور چار راتوں کے عرصے میں مسلسل نشے اور ہپناٹزم کے زیر اثر رکھا گیا اور اس کے ذہن لاشعور میں صلاح الدین ایوبی کا تصور پیدا کر کے یہ بات ڈال گئی کہ سلطان ایوبی سپاہی کے دادا اور باپ کا قاتل ہے اور اس کے تخت پر بھی اس نے قبضہ کر رکھا ہے۔ سپاہی کو ایک حسین لڑکی کا تصور دکھایا گیا، پھر یہ دکھایا گیا کہ سلطان ایوبی نے اس لڑکی کو پنجرے میں بند کر دیا ہے۔ چار روز بعد اسے اسی حالت میں قلعے سے نکال دیا گیا۔ وہ اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہو گیا۔ اسے جوں ہی موقع ملا اس نے سلطان ایوبی پر حملہ کر دیا۔

٭

سپاہی بیہوش پڑا تھا طبیب نے اس کے ذہن سے نشہ آور شربت کا اثر زائل کرنے کے لیے دوائی دی تھی۔ وہ حقیقت اور تصورات کے درمیان بھٹک رہا تھا معلوم نہیں اس کے اعصاب پر کیسے کیسے اثرات تھے کہ اثرات اترتے ہی اعصاب جواب دے گئے۔ طبیب نے اسے ہوش میں لانے کے کچھ طریقے اختیار کیے اور دو روز بعد سپاہی نے آنکھ کھولی۔ وہ اس طرح اٹھا جیسے گہری نیند سو گیا تھا اور خواب دیکھتا رہا تھا۔ اپنے ارد گرد کھڑے آدمیوں کو حیرت سے دیکھنے لگا طبیب نے اُسے پوچھا کہ وہ کہاں تھا؟ —— اس نے کہا کہ وہ سویا ہوا تھا۔ بہت دیر بعد وہ اپنے آپ میں آیا تو وہ زیادہ کچھ نہ بتا سکا۔ اس نے بتایا کہ سیاہ داڑھی اور چغے والا ایک آدمی اسے قلعے میں لے گیا تھا۔ وہاں کی اس نے کچھ اور باتیں بھی بتائیں لیکن اسے بالکل یاد نہیں تھا کہ اس نے تخت سلیمانی وغیرہ دیکھا ہے۔ اسے یہ بھی یاد نہیں تھا کہ اس نے سلطان ایوبی پر تلوار سے حملہ کیا تھا۔

یہ یقین کرنے کے لیے کہ سپاہی دھوکہ نہیں دے رہا، اسے سلطان ایوبی کے سامنے لے جایا گیا۔ اس نے فوجیوں کی طرح سلطان کو سلام کیا۔ سلطان ایوبی نے اس کے ساتھ شفقت اور پیار سے بات کی مگر وہ حیران تھا کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے اور یہ کیا کر رہے ہیں۔ آخر اسے بتایا گیا کہ اس نے کیا کیا ہے تو وہ چلا اٹھا —— "یہ جھوٹ ہے۔ میں اپنے سلطان پر حملہ نہیں کر سکتا" —— سلطان ایوبی نے کہا کہ یہ بے گناہ ہے۔ اسے یاد ہی نہ کرایا جائے کہ اس نے کیا کیا ہے۔

٭ ٭

صلیب کے سائے میں

قتل کا یہ طریقہ صلاح الدین ایوبی کے فوجی حاکموں وغیرہ کے لیے بڑا ہی عجیب تھا کہ سلطان ایوبی پر جان قربان کرنے والے ایک محافظ کے ذہن کو اپنے قبضے میں لے کر سلطان ایوبی پر ہی قاتلانہ حملہ کرا دیا۔ اللہ نے کرم کیا کہ سلطان ایوبی بال بال بچ گیا۔ اس واقعہ کے فوراً بعد سلطان ایوبی نے جو کانفرنس بلائی اس میں دمشق کی انتظامیہ اور فوج کے حکام بلائے گئے تھے۔ ان سب کے مزاج اُکھڑے ہوئے تھے۔ سب غصے سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ سب الصالح اور اس کے اُمراء وزراء سے بہت جلد انتقام لینے کو بے تاب ہوئے جا رہے تھے جنہوں نے سلطان ایوبی کو قتل کرنے کی سازش کی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ سلطان نے انہیں قاتلانہ حملے پر غور و خوض کرنے کے لیے بلایا ہے لیکن سلطان آیا تو اس نے اس واقعہ کا ذکر ہی نہ کیا جیسے اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی۔ اسے اس وقت تک جاسوسوں نے دشمن کی سرگرمیوں کی جو اطلاعات دی تھیں وہ ان کے مطابق اپنے پلان کی تبدیلی کے متعلق سب کو آگاہ کر رہا تھا۔ اس کا رویّہ اور انداز سرد سا تھا۔

جونہی اس نے اپنا لیکچر ختم کیا سب بھڑک اٹھے۔ وہ انتقام کی باتیں کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی نے بے نیازی سے مسکرا کر وہی بات کہی جو وہ پہلے بھی کئی بار کر چکا تھا "اشتعال، غصے اور جذباتیت سے بچو۔ دشمن آپ کو مشتعل کر کے ایسی کارروائی پر مجبور کرنا چاہتا ہے جس میں عقل کی بجائے جذبات اور غصہ ہو۔ میرا تمام تر منصوبہ ایک قسم کی انتقامی کارروائی ہے لیکن انتقام اپنی ذات کا نہیں اپنے مذہب کا۔ میری جان اور میری ذات اور تم میں سے ہر کسی کی جان اور ذات کی اس سے بڑھ کر کوئی اہمیت نہیں کہ تم اسلام اور سلطنتِ اسلامیہ کے پاسبان ہو تم سب کو جانیں قربان کرنی ہیں۔ خواہ میدانِ جنگ میں مارے جاؤ خواہ دھوکے میں دشمن کے ہاتھوں قتل ہو جاؤ۔ حکمران اور مجاہد میں یہی فرق ہے۔ حکمران اپنی حکومت کی اور اپنی ذات کی حفاظت کرتا ہے اور مجاہد اپنے ملک و ملت پر قربان ہوتا ہے۔ الصالح اور اس کے امیر وزیر اپنی بادشاہی کی حفاظت کر رہے ہیں۔ یہ احکام خداوندی کی خلاف ورزی ہے اس لیے وہ ناکام ہوں گے۔"

اس نے اپنی انٹیلی جنس کے نائب سربراہ حسن بن عبداللہ سے کہا کہ وہ ایسے تمام کھنڈروں اور پرانی عمارتوں کو جن کا کوئی مصرف نہیں مسمار کرا دے۔ اس نے یہ ہدایات بھی جاری کیں کہ مسجدوں میں اس موضوع پر خطبے دیئے جائیں کہ دونوں جہاں کا حاکم خدا ہے اور غیب کا حال اس کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ خدا کا کوئی بندہ

خدا اور بندوں کے درمیان رابطے کا ذریعہ نہیں بن سکتا. خدا ہر کسی کی سنتا ہے اور کسی انسان کے آگے سجدہ ناجائز ہی نہیں گناہ ہے. توہم پرستی سے لوگوں کو بچاؤ۔ اس نے کہا۔ "اپنے سپاہیوں کو سمجھاؤ کہ جس طرح میدانِ جنگ میں اپنے جسم کو دشمن کی تلوار سے بچاتے ہو، وار روکتے ہو، اسی طرح ذہن اور دل کو بھی دشمن کے وار سے بچاؤ۔ یہ وار تلوار کا نہیں زبان کا ہوتا ہے. جسم کے زخم مل جاتے ہیں. جسم زخمی ہو کر بھی لڑتا رہتا ہے مگر ذہن اور دل پر زخم آجائے تو جسم بیکار ہو جاتا ہے. تم نے نشے کا اثر دیکھ لیا ہے. میرے اپنے محافظ نے مجھ پر ہی حملہ کر دیا. جب نشہ اترا تو وہ مان نہیں رہا تھا کہ اس نے مجھ پر حملہ کیا ہے. اس نشے میں ایک خوبصورت لڑکی کا نشہ بھی شامل تھا. یہ بھی یاد رکھو کہ یہ حالت صرف ان لوگوں کی ہوتی ہے جنہیں تم اپنا غلام اور مویشی بنا لیتے ہو۔ ان میں ذمہ داری کا اور مسلمان کی عظمت کا احساس بیدار کرو۔ ان پر ذمہ داریوں اور قومی وقار کا نشہ طاری کر دو. ملک وملت کا وقار اور اس وقار کا دفاع ان کے ایمان میں شامل کر دو، پھر اُن پر کوئی اور نشہ طاری نہیں ہو سکے گا۔"

سلطان ایوبی نے حملے کا جو پلان بنایا تھا اس کے مطابق قلعہ بہ قلعہ آگے بڑھنا تھا. مضبوط اور مشہور قلعے حمص، حلب اور حماۃ کے تھے. حلب شہر الگ تھا. اس کے دفاعی انتظامات مضبوط تھے اور شہر سے کچھ دور قلعہ تھا جسے قلعہ حلب کہا جاتا تھا. ان کے علاوہ کئی اور قلعہ بندیاں تھیں جن میں زیادہ تر پہاڑی اور دشوار گزار علاقے میں تھیں. سب سے بڑی دشواری اس علاقے کی سردی تھی. پہاڑیوں پر برف باری بھی ہوتی تھی جو سردی میں اضافہ کر دیتی تھی. چونکہ وہاں سردیوں میں کبھی لڑائی نہیں ہوئی تھی اس لیے مخالفین نے اپنی فوج جو مختلف امراء کے زیرکمان تھی قلعہ بند کر دی تھی۔ ان کے صلیبی مشیروں نے بھی انہیں یہی مشورہ دیا تھا۔ اِدھر سلطان ایوبی نے سردیوں میں ہی لڑنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ اسے جاسوس مسلسل خبریں دے رہے تھے۔

ان خبروں میں ایک اطلاع یہ بھی تھی کہ حلب کی مسجدوں میں امام اور خطیب لوگوں کو اس موضوع پر وعظ اور خطبے دے رہے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی وہ گناہگار انسان ہے جس نے بادشاہی کے لالچ اور نشے میں اور جنگی طاقت کے گھمنڈ میں خلیفہ کا نام خطبے سے نکال دیا ہے. سلطان ایوبی کو عیاش اور بدکار کہا جا رہا تھا، اور یہ بھی کہ خطبے میں خلیفہ کا نام نہ لیا جائے تو خطبہ مکمل نہیں ہوتا اور نامکمل خطبہ گناہ ہے. سراؤں، مسافر خانوں اور بازاروں میں بھی یہی الفاظ سنے اور سنائے جا رہے تھے کہ صلاح الدین ایوبی عیاش اور بدکار ہے اور نام کا مسلمان۔ اس کے ساتھ ہی جاسوسوں کی اطلاعوں کے مطابق لوگوں میں صلاح الدین ایوبی کے خلاف جنگی جنون پیدا کیا جا رہا تھا۔ الصالح کی فوج تھوڑی تھی۔ آدھی فوج سپہ سالار توفیق جواد کے زیرکمان سلطان ایوبی کے ساتھ مل گئی تھی۔ لہٰذا الصالح کے مفاد پرست مسلمان امراء اور حکمران شہریوں کو لڑنے کے لیے تیار کر رہے تھے۔ ان منصوبوں میں صلیبیوں نے اس طرح جان ڈال دی تھی کہ جن علاقوں پر اُن کا قبضہ تھا وہاں کے صلیبی باشندوں کی خاصی تعداد کو حلب، موصل اور دیگر قصبوں اور دیہات میں ان ہدایات کے ساتھ آباد کر دیا تھا کہ وہ وہاں کے مسلمانوں کو صلاح الدین ایوبی کے خلاف بھڑکاتے اور اکساتے رہیں۔

جاسوسوں نے بتایا تھا کہ حلب میں شہریوں نے جنگی تربیت کا انتظام کر لیا ہے. ہر کوئی ہتھیاروں کی زبان میں بات کر رہا تھا. جنگی جنون کے ساتھ لوگوں پر اضطراری اور ہیجانی کیفیت بھی طاری ہوئی جا رہی تھی. البتہ پرانی عمر کے مسلمان بہت ہی پریشان تھے اور کہتے تھے کہ یہ قیامت کی نشانی ہے کہ مسلمان مسلمان سے ٹکرائے گا. مگر ان کی آواز صلاح الدین ایوبی کے خلاف نعروں اور بہتان تراشی کے شوروغوغا میں دبتی جا رہی تھی. یہ آواز صلیبیوں کے عزائم کے خلاف تھی اس لیے انہوں نے اسے دبانے کا خاص اہتمام کیا تھا. یہ سارا منصوبہ دراصل تھا ہی صلیبیوں کا. کئی ایک مسجدوں سے پرانے اماموں اور خطیبوں کو نکال دیا گیا تھا کیونکہ وہ منبر پر کھڑے ہو کر مسلمان کو مسلمان کے خلاف بھڑکانے کا گناہ نہیں کرنا چاہتے تھے.

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ الصالح نے تریپولی کے صلیبی حکمران ریمانڈ کو زر وجواہرات اور بے اندازہ خزانہ اس کام کی اجرت کے لیے بھیج دیا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کے ساتھ جنگ کی صورت میں وہ اُسے جنگی مدد دے گا. ریمانڈ نے یہ اجرت وصول کر کے اپنے چند ایک فوجی کمانڈر مشیروں کی حیثیت سے حلب بھیج دیئے تھے. ان میں انٹیلی جنس کا ایک ماہر بھی تھا جو تخریب کاری میں بھی مہارت رکھتا تھا. ان مشیروں نے آتے ہی حلب میں مسلمان فوجوں کی مشترکہ ہائی کمانڈ بنا دی تھی. فوجیں مختلف قلعوں میں تھیں. ان فوجوں کے کمانڈروں میں سیف الدین والیٔ موصل، ایک قلعہ دار گمشتگین جسے گورنر کا درجہ حاصل تھا، سلطان الملک الصالح اور عزالدین قابلِ ذکر ہیں. ریمانڈ نے انہیں یقین دلایا تھا کہ جنگ کی صورت میں وہ مصر سے صلاح الدین ایوبی کی کمک اور رسد کو روکے رکھے گا اور وہ جہاں کہیں محاصرہ کرے گا، صلیبی فوج باہر سے حملہ کر کے محاصرہ توڑ دے گی.

☆

دمشق میں سلطان ایوبی دوسرے تیسرے دن تمام کمانڈروں کی کانفرنس بلاتا تھا. فوجوں کی ٹریننگ خود بھی دیکھتا اور کمانڈروں سے رپورٹیں بھی لیتا تھا. راتوں کو کپڑوں کے بغیر ٹریننگ دے کر اس نے اپنی فوج کو سردیوں میں لڑنے کے لیے تیار کر لیا تھا. قریب چٹانیں تھیں. اس نے صحرا میں بھاگنے دوڑنے والے گھوڑوں کو چٹانوں پر چڑھنے اور اترنے کا عادی بنا دیا تھا. اُدھر حلب میں بھی دو تین کانفرنسیں ہو چکی تھیں. وہاں کے کمانڈروں کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ سلطان ایوبی کی فوج رات کو جنگی مشقیں کرتی ہے لیکن انہوں نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی تھی. وہ کہتے تھے کہ ایوبی کا دماغ خراب ہو گیا ہے. ہمارے سامنے آئے گا تو اس کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے. ان کمانڈروں میں کوئی ایک بھی انٹیلی جنس کی سوجھ بوجھ نہیں رکھتا تھا. یہ اہتمام بھی صلیبیوں نے کیا تھا کہ دمشق میں جاسوس بھیجے تھے اور شیخ سنان نے فدائی قاتل اور تخریب کار بھیجے تھے، مگر ریمانڈ نے اپنا ایک ماہر بھیج دیا تو اس نے اس اطلاع پر توجہ دی کہ سلطان ایوبی راتوں کو کیوں جنگی مشقیں کرا رہا ہے. اس نے حلب کے کمانڈروں کی کانفرنس میں ابھی یہ مسئلہ پیش نہیں کیا تھا. وہ ابھی اس کی وجہ معلوم نہیں کر سکا تھا.

سلطان ایوبی نے تو حلب اور موصل وغیرہ میں جاسوسوں کا جال بچھا دیا تھا. ان کی زمین دوز مرکزی کمانڈ حلب میں تھی اور کمانڈر ایک عالم فاضل کے بہروپ میں تھا جو تمام جاسوسوں سے خبریں لیتا اور دمشق بھیجنے کا

انتظام کرتا تھا۔ وہ اپنے جاسوسوں کی حفاظت کا اور انہیں خطرے کے وقت روپوش کرنے کا بندوبست بھی کرتا تھا۔ صلاح الدین ایوبی کو برا بھلا کہنے میں وہ پیش پیش تھا۔ جہاں لوگ اس کا احترام کرتے تھے وہاں امیر و وزیر اور اونچی حیثیت کے شہری بھی اسے عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس کے جاسوسوں کا گروہ ہر ضروری جگہ موجود تھا۔ الملک الصالح کے محل کے باڈی گارڈز میں بھی جاسوس موجود تھے۔ دو جاسوس خصوصی پہرہ داروں کی حیثیت سے خلیفہ کی مرکزی کمانڈ کی اس عمارت تک بھی پہنچ گئے تھے جہاں اُن کی جنگی کانفرنسیں منعقد ہوتی تھیں۔ صلیبی جاسوسوں کے کمانڈر نے آتے ہی ایک تو اس پر توجہ دی کہ دمشق میں جاسوسی کے نظام کو مضبوط اور کارگر بنایا جائے اور حلب میں سلطان ایوبی کے جو جاسوس ہیں ان کا سراغ لگایا جائے۔

سلطان ایوبی کے ان دو جاسوسوں میں جو حلب کی ہائی کمانڈ کے پہرہ داروں میں شامل ہو گئے تھے ایک خلت نام کا جاسوس تھا۔ ایک عمارت کے کئی چھوٹے کمرے تھے اور اس میں ایک ہال تھا جو ضیافتوں، ناچ گانے اور دربار منعقد کرنے کے کام آتا تھا۔ خوب سجا ہوا تھا۔ جب سے حلب کے امیروں وزیروں نے صلیبیوں کے ساتھ دوستانہ گانٹھا تھا، اس ہال کو اور زیادہ سجایا گیا تھا۔ ناچ گانے کا خصوصی اہتمام کیا گیا تھا۔ ناچنے والیاں جو رکھی گئی تھیں وہ چُنی ہوئی خوبصورت، جوان اور فن کی ماہر تھیں۔ ان رقاصاؤں میں صلیبیوں نے اپنی لڑکیوں کا اضافہ کر دیا تھا۔ یہ پیشہ ور لڑکیاں تھیں جو حلب کے امیروں وزیروں کو انگلیوں پر نچاتی رہتی تھیں۔ ان کا کام یہ تھا کہ اُس کے خصوصی درباریوں، امراء اور فوج کے اعلیٰ کمانڈروں پر نظر رکھیں اور بھانپتی رہیں کہ ان میں کوئی سلطان ایوبی کا وفادار تو نہیں۔ اس کے علاوہ یہ لڑکیاں ان اعلیٰ حکام وغیرہ کے دلوں میں صلیبیوں کی محبت اور صلیب کی وفاداری پیدا کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔

کبھی کبھی اس ہال میں ضیافت ہوتی تھی جس میں شراب کے مٹکے خالی ہوتے، رقص ہوتا اور جب شراب اپنا رنگ دکھاتی تو بدکاری انتہا کو پہنچ جاتی تھی۔ اس بڑے کمرے میں جنگی کانفرنسیں بھی ہوتی تھیں۔ اس کے بڑے دروازے پر باڈی گارڈز کے دو پہریدار کمر سے تلواریں اور ہاتھوں میں برچھیاں لیے مستعد کھڑے رہتے تھے۔ تین چار گھنٹوں بعد پہریدار بدلتے تھے۔ خلت سلطان ایوبیؒ کا جاسوس تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور پہرہ دار بھی جاسوس تھا۔ ان دونوں کا پہرہ اکٹھا لگا کرتا تھا۔ انہوں نے یہاں سے بہت سی معلومات حاصل کیں اور دمشق بھیجی تھیں۔ ایک شام ایک نئی رقاصہ آئی۔ اُس شام ہال میں ضیافت تھی۔ مہمان بھی آ رہے تھے۔ ناچنے گانے والیاں اور دوسری لڑکیاں بھی آ رہی تھیں۔ خلت اور اس کا ساتھی ان سب کو جانتے پہچانتے تھے۔ دُور دُور کے قلعہ دار بھی آئے ہوئے تھے۔ مہمانوں میں ایک آدمی نیا تھا۔ یہ ریناڈ کا بھیجا ہوا جاسوسوں کا کمانڈر تھا۔ خلت نے معلوم کر لیا تھا کہ یہ کون ہے۔ اسے اب اس کی سرگرمیاں دیکھنی تھیں۔

اس کے علاوہ اس نے ایک اور نیا چہرہ دیکھا۔ یہ ایک لڑکی تھی جسے وہ تین چار دنوں سے دیکھ رہا تھا۔ یہ نئی آئی تھی۔ خلت اپنے ساتھی کے ساتھ ڈیوٹی ختم کر کے جا رہا تھا کہ یہ لڑکی سامنے آ گئی۔ وہ ٹھٹھک گیا۔ یہ چہرہ اسے جانا پہچانا لگا مگر وہ سمجھا کہ چہروں میں مشابہت بھی ہوتی ہے۔ اس نے توجہ ہٹا لی لیکن اس لڑکی نے اُسے کچھ زیادہ ہی غور

سے دیکھا اور اُسے دیکھتی آگے نکل گئی۔ خلت نے گھوم کر دیکھا تو لڑکی مُڑ کر اُسے دیکھ رہی تھی۔ دوسرے دن بھی ایسے ہی ہوا۔ خلت نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ یہ رقاصہ ہے۔ وہ کوئی شہزادی معلوم ہوتی تھی۔ خلت سپاہی تھا۔ اس کا ایسی لڑکی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ شہزادی قسم کی رقاصہ تو امیروں کی ملکیت تھی۔ البتہ خلت کو ایک اور لڑکی یاد آ گئی تھی جس کی شکل و صورت اس رقاصہ سے ملتی جلتی تھی۔

☆

وہ گیارہ بارہ سال پہلے کی بات تھی جس کی یاد بھی خلت کے ذہن سے محو ہوتی جا رہی تھی۔ اُس وقت خلت سترہ اٹھارہ سال کا نوجوان تھا۔ وہ دمشق سے تھوڑی ہی دُور ایک گاؤں میں رہتا تھا اور اپنے باپ کے ساتھ کھیتی باڑی کیا کرتا تھا۔ وہ خوبرو بھی تھا اور اس کی طبیعت بہت شگفتہ تھی۔ ہنسی مذاق زیادہ کرتا تھا اور حاضر جواب بھی تھا۔ اسی لیے گاؤں میں بچے سے بڈھے تک اُسے سب بہت چاہتے تھے۔ ہجرت کا سلسلہ تو چلتا ہی رہتا تھا جن علاقوں پر صلیبی قابض تھے وہاں سے مسلمان کنبے صلیبیوں کے جور و ستم سے تنگ آ کر مسلمانوں کی حکمرانی کے علاقوں میں آتے رہتے تھے۔ مقامی لوگ ان کی مدد امداد کرتے اور انہیں آباد کر لیتے تھے۔ ایسا ہی ایک کنبہ کہیں سے ہجرت کر کے خلت کے گاؤں میں آ گیا۔ اس میں حمیرہ نام کی ایک بچی تھی جس کی عمر اُس وقت گیارہ بارہ سال تھی۔ خوبصورت بچی تھی۔

گاؤں والوں نے اس کنبے کو آباد کر لیا اور کھیتی باڑی کے لیے زمین اور سامان بھی مہیا کر دیا۔ حمیرہ کے بہن بھائی چھوٹے تھے۔ کام کرنے کے قابل صرف باپ تھا۔ خلت نے اس کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ حمیرہ کو خلت کی باتیں اچھی لگتی تھیں اور خلت کو یہ بچی اچھی لگتی تھی۔ وہ خلت کے گھر آ جایا کرتی۔ گھر ہو یا کھیت حمیرہ اس سے کہانیاں ضرور سنتی تھی۔ خلت دلچسپ قصے گھڑ لیا کرتا تھا۔ دو چار ماہ بعد حمیرہ کے باپ نے کھیتی باڑی میں دلچسپی لینی چھوڑ دی۔ دمشق قریب تھا۔ وہ شہر میں چلا جاتا اور شام کو واپس آتا تھا۔ ایک سال گزرا تو اس نے کھیتی باڑی ختم کر دی۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ اس نے کون سا ذریعہ معاش اختیار کر لیا ہے۔ البتہ اس کنبے کی حالت بہتر ہوتی جا رہی تھی۔

حمیرہ خلت میں گھل مل گئی تھی۔ وہ کھیتوں میں کام کرنے جاتا تو حمیرہ وہاں چلی جاتی۔ گھر میں ہوتا تو وہاں آ جاتی۔ اب وہ تیرہ سال کی ہو گئی تھی اور اچھا برا سمجھنے لگی تھی۔ ایک روز خلت نے اس سے پوچھا کہ اس کا باپ کیا کام کرتا ہے۔ حمیرہ نے بتایا کہ اُسے یہ تو معلوم نہیں کہ وہ کیا کرتا ہے اور پیسے کہاں سے لاتا ہے۔ اُسے صرف یہ پتہ ہے کہ اس کا باپ اچھا آدمی نہیں۔ وہ شہر سے کوئی نشہ کر کے آتا ہے۔ حمیرہ نے ایک نئی بات بتائی۔ اس نے کہا ـــ "یہ شخص میرا باپ نہیں ہے۔ میرے اصل باپ مر گئے تھے۔ میں پانچ چھ سال کی تھی۔ اس نے مجھے سنبھال لیا اور اپنے گھر لے آیا۔ پھر میں اسی کو اپنا باپ کہنے لگی۔ میرے ساتھ یہ اپنی بیٹیوں جیسا سلوک کرتا ہے، مگر اچھا آدمی نہیں"۔

ڈیڑھ دو سال گزر گئے۔ خلت میں حمیرہ کی بچپنے کی دلچسپی محبت میں بدل گئی۔ شباب نے حمیرہ کے چہرے

پر بڑا ہی دلکش نکھار پیدا کر دیا تھا اور قد بھی بڑھ کر جاذبِ نظر ہو گیا تھا۔ ایک روز وہ خلت سے ملی بہت پریشان تھی۔ اس نے خلت کو بتایا کہ اسے شک ہے کہ اس کا باپ اسے شادی کے بہانے کسی اجنبی کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔ یہ شک اُسے اس طرح ہُوا تھا کہ اس کے باپ کے ساتھ ایک آدمی آیا تھا۔ باپ نے اس آدمی کی بہت خاطر تواضع کی تھی اور کچھ دیر بعد حمیرہ کو اپنے پاس بلایا تھا۔ اس اجنبی نے حمیرہ کو بڑی غور سے دیکھا تھا۔ حمیرہ نے باپ سے پوچھا کہ اس نے کیوں بلایا ہے تو باپ نے کوئی ایسا بہانہ پیش کیا تھا جس نے حمیرہ کے دل میں شک پیدا کر دیا تھا۔ حمیرہ نے خلت سے کہا کہ وہ اس کے سوا کسی اور کے پاس نہیں جانا چاہتی۔ خلت نے اُسے کہا کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ بات کرکے اس کے ساتھ شادی کی کوشش کرے گا۔

یہ تو الگ بات ہے کہ حمیرہ جسے باپ کہتی تھی وہ اس کا باپ نہیں تھا، لہٰذا اس شخص کو حمیرہ کے مستقبل کے متعلق کوئی فکر نہیں تھا لیکن اُس دور میں عورت کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ بہت سی رقم لے کر لڑکیوں کو کسی کے ساتھ بیاہ دینے کا رواج عام تھا۔ امیر کبیر لوگوں نے حرم بنا رکھے تھے جن کے لیے وہ نئی سے نئی لڑکیاں خریدتے رہتے تھے۔ اگر حمیرہ کو اس کا باپ فروخت کر رہا تھا تو یہ کوئی جرم یا کوئی انوکھا واقعہ نہیں تھا۔ خلت امیر ماں باپ کا بیٹا نہیں تھا۔ وہ یہی کر سکتا تھا کہ حمیرہ کو بھگا لے جائے اور کہیں غائب ہو جائے۔ وہ سوچ میں پڑ گیا کہ کیا کرے۔ حمیرہ کے ساتھ اُسے محبت اتنی زیادہ تھی کہ وہ آسانی سے اُس سے نظریں نہیں پھیر سکتا تھا۔

اس نے سوچنے میں زیادہ ہی وقت صرف کر دیا۔ تیسرے دن وہ کھیتوں میں تھا کہ حمیرہ اُسے پکارتی اور دوڑتی آ رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ تین آدمی اس کے پیچھے دوڑے آ رہے تھے جن میں ایک حمیرہ کا باپ تھا۔ دوسرے دونوں کو وہ نہیں پہچانتا تھا۔ گاؤں کے بہت سے آدمی باہر آ گئے تھے مگر وہ سب تماشائی تھے۔ وہ اس لیے حمیرہ کی مدد کو آگے نہیں آتے تھے کہ اس کے پیچھے بھاگنے والوں میں اس کا باپ بھی تھا۔ حمیرہ خلت کے پیچھے ہو گئی۔ اس نے روتے ہوئے اسے بتایا کہ یہ دو آدمی اسے اپنے ساتھ لے جانے آئے ہیں اور اس کے باپ نے ان کے ساتھ سودا کر لیا ہے۔

حمیرہ کے باپ نے خلت کے پیچھے سے حمیرہ کو پکڑنے کی کوشش کی تو خلت نے اُسے دھکا دے کر کہا۔

”خبردار، اسے ہاتھ نہ لگانا۔ پہلے میرے ساتھ بات کرو۔“

”یہ میری بیٹی ہے“۔۔۔ باپ نے کہا۔۔۔ ”تم کون ہو مجھے روکنے والے؟“

”یہ تمہاری بیٹی نہیں ہے۔“ خلت نے کہا۔

دوسرے دو آدمی حمیرہ کی طرف بڑھے۔ ایک نے تلوار نکال لی تھی۔ خلت کے ہاتھ میں کدال کی قسم کی کوئی چیز تھی۔ اس نے گھما کر ماری تو یہ ہتھیار تلوار والے کے سر پر پڑا۔ اس کی تلوار گر پڑی، پھر وہ خود بھی چکرا کر گرا۔ خلت نے تلوار اٹھالی۔ دوسرے آدمی نے بھی تلوار نکال لی۔ خلت کو تیغ زنی کی کوئی مشق نہیں تھی، پھر بھی اس نے وار روکے۔ دوسرا آدمی تیغ زن معلوم ہوتا تھا۔ خلت کو لڑنے کا زیادہ موقعہ نہ ملا۔ اس کے سر پر کوئی وزنی چیز پڑی۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا اور وہ گر پڑا۔۔۔۔ اس کے ہوش ٹھکانے آئے تو وہ اپنے گھر میں تھا۔ وہ

جوش میں آ کر اٹھا لیکن اس کے باپ اور دو تین آدمیوں نے اسے جکڑ لیا۔ اُسے بتایا گیا کہ وہ بہت دیر سے بے ہوش پڑا ہے اور حمیرہ اس گاؤں سے رخصت ہو چکی ہے۔ خلت چلانے لگا کہ لڑکی کو فروخت کیا جا رہا ہے، مگر اسے بتایا گیا کہ اُس کا نکاح پڑھا کر رخصت کر دیا گیا ہے۔

خلت کے سر کی حالت یہ تھی کہ وہ اٹھتا تھا تو اس کا سر چکرا جاتا تھا۔ اُسے شدید چوٹ آئی تھی۔ بڑوں نے اُسے نصیحت کی کہ حمیرہ کے معاملے میں اس کا بولنا جائز نہیں کیونکہ اگر بیچا بھی گیا ہے تو اس کا باقاعدہ نکاح کیا گیا ہے۔ بہرحال خلت کے لیے یہ حادثہ تھا۔ وہ جب ٹھیک ہو کر باہر نکلا تو حمیرہ کا باپ اپنے سارے کنبے کے ساتھ گاؤں سے ہمیشہ کے لیے جا چکا تھا۔

☆

خلت پر دیوانگی سی طاری ہو گئی۔ اُسے حمیرہ کی محبت اور انتقام کا جذبہ پریشان رکھتا تھا۔ کام کاج سے اس کا دل اچاٹ ہو گیا۔ وہ کبھی کبھی دمشق چلا جاتا اور حمیرہ کے باپ کو ڈھونڈتا رہتا۔ ماں باپ نے اسے اچھی اچھی لڑکیاں دکھائیں لیکن اس نے کسی کو بھی قبول نہ کیا۔ اس کے دل و دماغ پر حمیرہ غالب رہی۔۔۔۔ ڈیڑھ ایک سال تک اس کی یہی حالت رہی۔ ایک روز دمشق میں گھومتے پھرتے اُسے پتہ چلا کہ فوج کی بھرتی ہو رہی ہے۔ اس نے اس خیال سے کہ اس بہانے وہ گاؤں سے دُور رہے گا فوج میں بھرتی ہو جانا بہتر سمجھا اور بھرتی ہو گیا۔ اسے ٹریننگ دی گئی۔ گھوڑسواری سکھائی گئی۔ تیر اندازی اور مختلف ہتھیاروں کا استعمال سکھایا گیا۔ اس کے ذہن کو مصروفیت مل گئی تو اس کے دل سے حمیرہ کا دکھ کم ہونے لگا۔ اپنے جیسے ہزاروں سپاہیوں کے ساتھ رہتے، گپ شپ لگاتے اور ہنستے کھیلتے اس کے دل کی زندگی عود کر آئی اور وہ ایک بار پھر شگفتہ مزاج جوان بن گیا۔

یہ اُن دنوں کا ذکر ہے جب صلاح الدین ایوبی کا نام ابھی مشہور نہیں ہُوا تھا۔ لوگ ابھی نورالدین زنگی کو جانتے تھے۔ اُسے ایک بار جنگ میں جانے کا موقعہ ملا۔ یہ ایک خونریز لڑائی تھی۔ اس نے پہلی بار اپنے دشمن کو دیکھا۔ اس نے وہ لٹے پٹے مسلمان کنُبے دیکھے جو صلیبیوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے تھے۔ اُسے یہ بھی بتایا گیا کہ صلیبی بہت سی مسلمان لڑکیوں کو اپنے قبضے میں رکھے ہوئے ہیں۔ یہ سب کچھ دیکھ سُن کر اس کے اندر قومی جذبہ اور اسلام کی لگن بیدار ہو گئی۔ اس جذبے اور لگن نے جنون کی صورت اختیار کر لی اور اس جنون نے اُسے ان سپاہیوں کی صف میں کھڑا کر دیا جو تنخواہ اور مالِ غنیمت کی خاطر نہیں اللہ کے نام پر لڑا اور جانیں قربان کیا کرتے ہیں۔

تین چار سال بعد جب صلاح الدین ایوبی کو مصر کا امیر بنا کر قاہرہ بھیجا گیا تو صلیبیوں نے سوڈانیوں کے ساتھ خفیہ معاہدہ کر کے سمندر کی طرف سے مصر پر حملہ کیا تو سلطان ایوبی نے نورالدین زنگی سے کمک مانگی۔ زنگی نے اپنے منتخب دستے قاہرہ روانہ کر دیئے۔ ان میں خلت بھی تھا۔ اس کا شمار اُن ذہین عسکریوں میں ہوتا تھا جو تلوار کے ساتھ دماغ بھی استعمال کرتے تھے۔ اُسے پچاس سپاہیوں کے ایک جیش کا کمانڈر بنا دیا گیا تھا۔ مصر میں اس کا ذہن پوری طرح بیدار ہو گیا۔ سلطان ایوبی نے اپنی انٹیلی جنس کے سربراہ علی بن سفیان سے کہا کہ وہ لڑاکا (کمانڈو) جاسوسوں کا انتخاب کرے تو خلت کو حاضر دماغی، ذہانت، جسم اور زبان کی مستعدی اور پھرتی، جسم اور شکل و

صورت کی دلکشی کی بدولت اُسے جاسوسوں میں لے لیا گیا۔ اسے کمانڈو اور گوریلا قسم کے شبخون مارنے کے لیے چند بار بھیجا گیا تھا لیکن جاسوسی کے لیے ملک سے باہر نہ بھیجا گیا۔ ملک کے اندر جاسوسوں کی سراغرسانی، تعاقب اور گرفتاری کے لیے اُسے استعمال کیا جاتا رہا۔ جاسوسوں کو وہ خوب پہچانتا تھا۔

اب ۱۱۷۴ء میں جب سلطان ایوبی نورالدین زنگی کی وفات کے بعد سات سو سوار لے کر دمشق پر قبضہ کرنے اور الملک الصالح کی معزولی کی مہم پر روانہ ہوا تو اس نے اپنے جاسوسوں کو پہلے ہی دمشق بھیج دیا تھا جو مختلف بہروپ دھار کر دمشق میں داخل ہوئے اور پھیل گئے تھے اور جب دمشق پر سلطان ایوبی کا قبضہ ہو گیا اور الصالح، اس کے امیر وزیر اور اس کے باڈی گارڈز دمشق سے بھاگے تو علی بن سفیان کے معاون حسن بن عبداللہ نے جو جاسوسوں کے ساتھ دمشق گیا تھا کئی ایک جاسوس دمشق سے اُس طرف روانہ کیے جس طرف الصالح اور اس کے باڈی گارڈز دستے گئے تھے۔ ان جاسوسوں کو خصوصی ہدایات اور مختلف مشن دیئے گئے تھے۔ خلت کو بھی ان کے ساتھ گیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور ساتھی بھی تھا۔

حلب میں پہنچے تو وہاں افراتفری کا عالم تھا۔ الصالح کے حواریوں کو فوری طور پر فوج کی ضرورت تھی۔ انہیں خطرہ تھا کہ سلطان ایوبی ان کا تعاقب کرے گا اور حملہ کرے گا۔ اس صورتِ حال میں انہیں جیسا کیسا سپاہی ملا انہوں نے رکھ لیا۔ خلت اور اس کے ساتھی نے اپنے آپ کو اس کی فوج کے سپاہی ظاہر کیا جو دمشق سے بھاگ آئے تھے۔ کمانڈروں میں سے کسی کو ہوش نہیں تھی کہ چھان بین کرتے کہ کوئی مشکوک افراد فوج میں نہ آ گئے ہوں۔ سلطان ایوبی کے جاسوسوں نے کئی اہم جگہیں سنبھال لیں اور حلب میں زمین دوز اڈہ بھی قائم کر لیا۔ خلت چونکہ خوبرو اور تنومند جوان تھا اور زبان کی چاشنی سے بھی مالا مال تھا اس لیے اُسے قصرِ سلطنت کے محافظوں کے لیے منتخب کر لیا گیا۔ اس نے اپنے ایک ساتھی کو بھی اپنے ساتھ رکھا۔

☆

اسلام کا عسکری جذبہ اس کی رُوح میں اُتر گیا تھا۔ اس نے حمیرہ کو کبھی یاد نہیں کیا تھا۔ اسے اتنی مہلت ہی نہیں ملتی تھی، مگر اس نئی رقاصہ نے اسے حمیرہ یاد دلا دی۔ حمیرہ سے جُدا ہوئے سات آٹھ سال گزر گئے تھے۔ اُس وقت حمیرہ پندرہ سولہ سال کی تھی۔ یہ رقاصہ بہت خوبصورت تھی۔ اس کے چہرے پر حمیرہ والی معصومیت اور سادگی نہیں تھی۔ اس نے جو لباس پہن رکھا تھا وہ اتنا سا ہی تھا کہ سینے کا تھوڑا سا حصہ اور ستر ڈھانپا ہوا تھا۔ آدھے سے زیادہ جسم عریاں تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ یہ رقاصہ حمیرہ ہو۔ تیسری بار رقاصہ اس کے قریب سے گزری تو بھی خلت نے اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھا۔ رقاصہ بھی اسے دیکھ رہی تھی۔ اب کے وہ رُک گئی۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" رقاصہ نے پوچھا۔

خلت نے اپنا وہ فرضی نام بتایا جو اس نے وہاں لکھوا رکھا تھا، اور پوچھا — "آپ نے نام کیوں پوچھا ہے؟"

"تم مجھے گھور گھور کر دیکھا کرتے ہو اس لیے نام پوچھ رہی ہوں۔" حمیرہ نے ایسے لہجے میں کہا جس میں شریف

عورتوں والی ذرا سی بھی جھلک نہیں تھی۔ کہنے لگی — "تم سپاہی ہو۔ اپنے کام پر توجہ رکھا کرو۔"

خلت کو کوفت تو ہوئی لیکن اسے خوشی بھی ہوئی کہ یہ حمیرہ نہیں۔ حمیرہ تو بھولی بھالی لڑکی تھی۔

اسی شام ہال میں ضیافت تھی۔ ریجانڈ کے جاسوسوں کا کمانڈر تین چار روز پہلے آیا تھا۔ اس کا نام ونڈسر تھا۔ یہ ضیافت اسی کے اعزاز میں دی جا رہی تھی۔ خلت نے معلوم کر لیا تھا کہ یہ جاسوسی کا ماہر ہے اور جاسوسی کے نظام کو بہتر بنانے کے لیے آیا ہے۔ شام کا اندھیرا گہرا ہو گیا تھا۔ ہال میں مہمان آ رہے تھے۔ کھانے چُنے جا رہے تھے اور شراب کے دور چل رہے تھے۔ ابھی ونڈسر نہیں آیا تھا۔ خلت اور اس کے ساتھی کی ڈیوٹی ہال کے دروازے پر تھی۔ کچھ دیر بعد ونڈسر آ گیا۔ اس نے دونوں پہرہ داروں کو غور سے دیکھا پھر اس نے خلت کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔

"تم خلیفہ کے محافظ دستے میں کب آئے ہو؟" ونڈسر نے خلت کی زبان میں پوچھا۔

"یہاں آ کر مجھے محافظ دستے میں لیا گیا ہے۔" خلت نے جواب دیا — "اس سے پہلے میں دمشق کی فوج میں تھا۔"

"تم مصر بھی گئے تھے؟" ونڈسر نے پوچھا۔

"نہیں!"

ونڈسر نے دوسرے پہرہ دار سے خلت کے متعلق پوچھا۔ "تم اُسے کب سے جانتے ہو؟"

"ہم دونوں دمشق کی فوج میں اکٹھے رہے ہیں۔" اس نے جواب دیا — "ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"اور میں شاید تم دونوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔" ونڈسر نے مسکرا کر کہا — "ذرا میرے ساتھ آؤ۔"

وہ انہیں پہرے سے ہٹا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ وہ گھاگ سراغرساں اور جاسوس تھا۔ یہاں پہنچتے ہی اس نے باڈی گارڈز کی خفیہ چھان بین شروع کر دی تھی۔ خلت کو دیکھتے ہی اُسے کچھ یاد آ گیا تھا اور اس نے جب اس کے ساتھی کو دیکھا تو اس کا شک پکا ہو گیا۔ شک غلط بھی نہیں تھا۔ خلت اور اس کا ساتھی تین چار سال سے انٹیلی جنس میں تھے اور وہ اکٹھے رہتے تھے۔ اُن کی جوڑی پکی ہو گئی تھی۔ ونڈسر انہیں اپنے کمرے میں لے گیا جو اسی عمارت میں بڑے ہال سے تھوڑی ہی دور تھا۔ کمرے میں لے جا کر اس نے مشعل کی روشنی میں دونوں کو ایک بار پھر غور سے دیکھا۔

"اگر تم مجھے یقین دلا دو کہ تم یہاں کے وفادار ہو اور صلاح الدین ایوبی کو اپنا دشمن سمجھتے ہو تو میں تمہیں چھوڑ ہی نہیں دوں گا بلکہ ایسے کام پر لگاؤں گا جہاں عیش کرو گے۔" ونڈسر نے کہا۔ "جھوٹ نہ بولنا، پچھتاؤ گے۔"

"ہم خلیفہ کے وفادار ہیں۔" خلت نے کہا۔

"تم نے وفاداری کب سے بدلی ہے؟" ونڈسر نے پوچھا۔ "اور کیوں بدلی ہے؟"

"خدا اور رسولؐ کے بعد خلیفہ کا رتبہ ہے۔" خلت نے کہا۔ "صلاح الدین ایوبی کا کوئی رتبہ نہیں۔"

"مصر سے کب آئے ہو؟" ونڈسر نے پوچھا اور جواب کا انتظار کیے بغیر کہا۔ "تم شاید مجھے نہیں جانتے۔ میں

بھی تمہاری طرح جاسوس ہوں۔ نام شاید بھول جاؤں چہرے نہیں بھولا کرتا۔ علی بن سفیان کہاں ہے؟ مصر میں یا دمشق میں؟"

"ہم اُسے نہیں جانتے۔" خلت کے ساتھی نے جواب دیا۔ "ہم سیدھے سادے سپاہی ہیں۔"

ونڈسر نے دروازے میں جاکر دیکھا اور کسی ملازم کو آواز دی۔ ملازم آیا تو اس نے کسی لڑکی کا نام لے کر ملازم سے کہا کہ اُسے بلا لاؤ۔ وہ لڑکی قریب ہی کسی کمرے میں تھی۔ ذرا سی دیر میں ایک بڑی ہی حسین لڑکی آگئی۔ خلت کو معلوم تھا کہ یہ صلیبی لڑکی ہے۔ اس کے ساتھ نئی رقاصہ تھی جسے دیکھ خلت کو حیرہ یاد آجایا کرتی تھی۔ ونڈسر نے صلیبی لڑکی سے عربی زبان میں بات کی۔ اس سے ہنس کر پوچھا کہ اس رقاصہ کو کیوں ساتھ لے آئی ہو۔ لڑکی نے جواب دیا کہ یہ میرے کمرے میں تیار ہو کر آگئی تھی اور میں تیار ہو رہی تھی۔ آپ کا بلاوا آیا تو سمجھی کہ آپ نے مجھے ضیافت میں ساتھ چلنے کے لیے بلایا ہے۔ میں اسے بھی ساتھ لے آئی۔"

"کوئی بات نہیں۔" ونڈسر نے کہا۔ "اچھا ہوا یہ بھی آگئی ہے۔ تماشہ دیکھ لے گی۔" اس نے صلیبی لڑکی سے کہا۔ "میں نے تمہیں کسی اور کام کے لیے بلایا ہے۔" دونوں پہرہ داروں کی طرف اشارہ کرکے اُس نے لڑکی سے کہا۔ "ان دونوں کے چہروں کو دیکھو۔ شاید تمہیں کچھ یاد آجائے۔"

لڑکی نے دونوں کو بڑی غور سے دیکھا۔ ماتھے پر شکن ڈال کر سوچا۔ پھر دیکھا اور اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ اس نے خلت اور اس کے ساتھی سے پوچھا۔ "تم کس وقت ہوش میں آئے تھے؟"

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، پھر لڑکی کو دیکھا۔ خلت حاضر دماغ تھا۔ وہ جان گیا کہ انہیں پہچان لیا گیا ہے۔ وہ بچنے کے طریقے سوچنے لگا۔ یہ اب عقل اور ہوش کا کھیل تھا۔ اس نے بھولا بن کر کہا۔ "میں سمجھ نہیں سکتا کہ میرے آقا آپ نے ہمارے ساتھ کیوں مذاق شروع کر دیا ہے۔ ہمارے کماندار نے دیکھ لیا تو ہمیں سزا دے گا۔"

"تم پہرہ دار نہیں ہو۔" ونڈسر نے کہا۔ "تم دونوں کو وہاں کھڑا کرنے کی بجائے بہتر ہے کہ وہاں کوئی بھی کھڑا نہ ہو۔ وہاں تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔" اس نے خلت کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "یہاں آکر اپنا حُلیہ ذرا سا تو بدل لیا ہوتا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اور علی بن سفیان جاسوسی کے ماہر ہیں لیکن ہم بھی اناڑی نہیں۔ اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈالو۔ فوراً بتا دو کہ تم دونوں مصر سے آئے ہوئے جاسوس ہو۔ تمہارے ساتھ میری اور اس (صلیبی) لڑکی کی ملاقات پہلے بھی ہو چکی ہے۔ تم مجھے نہیں پہچان سکے کیونکہ میں بگاڑے ہوئے حلیے میں تھا۔ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے کیونکہ تم آج بھی اُسی حلیے میں ہو جس میں اڑھائی سال پہلے تھے۔ ذرا ذہن پر زور دو۔ تمہیں یاد آجائے گا۔ مصر کے شمال میں تم دونوں ایک قافلے کے ساتھ چل پڑے تھے کیونکہ تمہیں شک تھا کہ یہ قافلہ مشکوک ہے۔ تم نے ایک قافلے کے ساتھ سفر کیا تھا۔ ایک رات بھی قافلے کے ساتھ گزاری تھی، مگر تمہاری بدقسمتی کہ تمہاری جب آنکھ کھلی تو تم صحرا میں اکیلے پڑے تھے۔ قافلہ بہت دور نکل گیا تھا۔"

☆

ونڈسر نے انہیں یاد دلایا۔۔۔

خلت اور اس کا یہی ساتھی جاسوسوں کی سراغرسانی کی ڈیوٹی پر تھے۔ یہ اڑھائی تین سال پہلے کا واقعہ ہے۔۔۔۔ سوڈانیوں کو شکست تو دی جا چکی تھی لیکن وہ صلیبیوں کی مدد سے مصر پر حملے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ مصر کے اندر صلیبی جاسوس اور تخریب کار سرگرم تھے۔ ان کی سراغرسانی کے لیے علی بن سفیان کا جاسوسی کا نظام کام کر رہا تھا۔ سرحدوں پر گشتی دستے بھی تھے۔ مصر کے اپنے جاسوس مسافروں وغیرہ کے بھیس میں سرحدی علاقوں میں گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ ایک بار خلت اپنے اس ساتھی کے ساتھ مصر کے شمال میں گشت پر تھا۔ دونوں اونٹوں پر سوار تھے اور دونوں غریب سے صحرائی مسافروں کے بھیس میں تھے۔ انہیں ایک قافلہ جاتا نظر آیا جس میں بہت سے اونٹ اور چند ایک گھوڑے تھے۔ قافلے والوں میں بوڑھے بھی تھے، جوان بھی تھے، بچے اور عورتیں بھی تھیں۔

خلت اور اس کا ساتھی جاسوس تھے۔ وہ قافلے کو روک کر نہیں دیکھ سکتے تھے۔ انہیں ہدایت یہ تھی کہ آتے جاتے قافلوں کو دیکھیں اور ذرا سا بھی شک ہو تو قریبی سرحدی چوکی کو اطلاع دیں۔ یہ چوکی والوں کا فرض تھا کہ قافلے کو روک کر چھان بین کریں اور سامان کی تلاشی بھی لیں۔ سرحدی دستے فوجی طاقت کے زور پر یہ کام کر سکتے تھے۔ دو جاسوسوں سے اتنی زیادہ تعداد کا قافلہ نہیں رُک سکتا تھا۔ خلت اور اس کے ساتھی نے ہدایات اور ٹریننگ کے مطابق قافلے والوں پر ظاہر کیا کہ وہ مسافر ہیں اور آگے جا رہے ہیں۔ اُس زمانے میں یہی طریقہ تھا کہ مسافر اکٹھے چلا کرتے تھے کیونکہ سفر بہت طویل اور لوٹ مار کا خطرہ زیادہ تھا۔ قافلے والوں نے ان دونوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔

ان دونوں نے گپ شپ کے انداز سے معلوم کرنا شروع کر دیا کہ یہ قافلہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ اگلی سرحدی چوکی کہاں ہے، مگر انہوں نے دیکھا کہ قافلہ ایسی سمت کو جا رہا تھا جس طرف کوئی چوکی نہیں تھی۔ وہ علاقہ ہی ایسا تھا کہ گشتی پہرے اور چوکی سے بچ کر نکلا جا سکتا تھا۔ اونٹوں پر جو سامان لدا ہوا تھا وہ بھی مشکوک سا معلوم ہوتا تھا۔ پتہ نہیں چلتا تھا کہ ان بڑے بڑے مشکوں اور لپٹے ہوئے خیموں وغیرہ میں کیا ہے۔ بہرحال سامان معمولی نہیں تھا۔ خلت اور اُس کے ساتھی صحرائی خانہ بدوشوں کے انداز سے معلوم کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ قافلے میں چار جوان لڑکیاں بھی تھیں۔ ان کے لباس تو خانہ بدوشوں بلکہ بدوؤں کی طرح تھے۔ ان کے بالوں کا انداز بھی بتاتا تھا کہ تہذیب و تمدن سے دُور رہنے والی لڑکیاں ہیں لیکن اُن کے چہروں اور آنکھوں کے رنگ اور خدوخال کی دلکشی بتا رہی تھی کہ معاملہ کچھ اور ہے اور یہ بہروپ ہے۔

قافلے میں ایک بوڑھا آدمی تھا۔ اس کا رنگ گورا تھا اور چہرے پر جھریاں مگر اس کے دانت بتاتے تھے کہ اس کی عمر اتنی زیادہ نہیں جتنی چہرہ بتا رہا تھا۔ اس بوڑھے نے خلت اور اس کے ساتھی کو اپنے ساتھ کر لیا اور بڑے پیارے انداز سے ان سے پوچھنے لگا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ خلت اپنے متعلق غلط باتیں بتاتا رہا اور اس سے معلوم کرنے کی کوشش کرتا رہا کہ قافلہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے اور سامان کیا ہے۔ وہ بوڑھا اتنی اچھی باتیں کرتا تھا کہ خلت اور اس کا ساتھی اس کی باتوں میں اُلجھ گئے۔ چلتے چلتے شام ہو گئی پھر رات گہری ہو گئی اور قافلہ چلتا رہا۔ خلت نے قافلے کا رُخ بدلنے کے لیے بوڑھے سے کہا کہ فلاں طرف سے چلیں تو منزل قریب آجائے گی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ قافلے کو چوکی کے قریب سے گزارا جائے۔ صاف پتہ

چل رہا تھا کہ قافلہ چوکی سے بچنے کی کوشش میں ہے۔

شکوک پختہ ہوتے گئے۔ کچھ اور آگے گئے تو پڑاؤ کرنے کے لیے نہایت موزوں جگہ آگئی۔ قافلہ رک گیا اور پڑاؤ کر لیا گیا۔ خلت اور اس کا ساتھی ذرا الگ ہٹ کر بیٹھے اور سوچنے لگے کہ سب سو جائیں تو سامان کی تلاشی لیں یا ان دونوں میں سے ایک خاموشی سے نکل جائے اور کسی قریبی سرحدی چوکی کو اطلاع کر دے، تاکہ قافلے پر چھاپہ مارا جائے مگر خطرہ یہ تھا کہ قافلے والوں کو شک ہو جائے گا اور وہ پیچھے رہنے والے اکیلے جاسوس کو قتل کر کے یا اغوا کر کے تیز رفتاری سے غائب ہو جائیں گے۔ انہوں نے سونے کی نہیں بلکہ جاگتے رہنے کی کوشش کی۔ قافلے والے کھاپی کر سو گئے۔

اتنے میں دو لڑکیاں جو قافلے کے ساتھ تھیں اس طرح اُن کے پاس آئیں جیسے چوری چھپے آئی ہوں۔ وہ اس علاقے کی صحرائی زبان بول رہی تھیں۔ انہوں نے خلت اور اس کے ساتھی سے کہا کہ اگر وہ انہیں راز کی ایک بات بتائیں تو کیا وہ ان کی مدد کریں گے؟ — "راز" ایک ایسا لفظ تھا جس نے صلاح الدین ایوبی کے ان دونوں جاسوسوں کو چونکا دیا۔ وہ راز حاصل کرنے کے لیے ہی ریگزاروں میں مارے مارے پھر رہے تھے اور اس قافلے کے ساتھ وہ راز کی خاطر ہی چلے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ قافلہ بردہ فروشوں کا ہے اور یہ چاروں لڑکیاں اغوا کر کے لائی جا رہی ہیں۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ انہیں کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ لڑکیوں نے بتایا کہ وہ مسلمان ہیں اور ان لوگوں سے آزاد ہونا چاہتی ہیں۔

باتوں باتوں میں ایک لڑکی خلت کو الگ لے گئی۔ لڑکی کی باتوں میں سادگی بھی تھی اور جاذبیت بھی۔ اس نے خلت سے کہا کہ وہ اگر اسے اپنے ساتھ لے جائے تو اس کے ساتھ شادی کرے گی اور ساری عمر اُس کی وفادار رہے گی۔ اس نے کچھ ایسی باتیں بھی کیں جیسے وہ خلت کو دل دے بیٹھی ہو۔ اس نے محبت اور مظلومیت کا اظہار ایسے الفاظ میں اور ایسے انداز سے کیا کہ خلت اس کی اور باقی لڑکیوں کی رہائی کے متعلق سوچنے لگا۔ دوسری لڑکی خلت کے ساتھی کے ساتھ الگ بیٹھی تھی اور وہ بھی اسی قسم کی باتیں کر رہی تھی۔ کسی عورت کا محض عورت ہونا اس کی قوت ہوتی ہے اور جب عورت خوبصورت اور جوان ہو اور وہ مظلوم بھی ہو تو مرد پگھل جاتے ہیں۔ یہ کیفیت ان دونوں مردوں کی ہو گئی۔ دونوں میں جوانی کا جوش تھا۔ ان میں غیرت بھی تھی اور اپنی فوج کا یہ اصول بھی کہ عورت کی پاسبانی کرنی ہے، خواہ وہ اپنی ہو خواہ کسی اور کی۔

دونوں لڑکیوں نے الگ الگ، ان دونوں مصری جاسوسوں کو خوش کرنے کے لیے انہیں کوئی بڑی ہی لذیذ چیز کھانے کو دی۔ ایک لڑکی دبے پاؤں گئی اور چھوٹا سا ایک مشکیزہ اٹھا لائی۔ اس میں سے اُس نے دونوں کو کچھ پلایا جو کوئی شربت تھا۔ اس کا ذائقہ اتنا اچھا تھا کہ دونوں خاصا زیادہ پی گئے۔ تھوڑی ہی دیر بعد دونوں کی آنکھ لگ گئی اور جب ان کی آنکھ کھلی تو اگلے دن کا سورج افق سے تھوڑا ہی اوپر رہ گیا تھا۔ وہ ساری رات اور سارا دن سوئے رہے۔ ریگزار کی جھلسا دینے والی تپش بھی انہیں نہیں جگا سکی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھے۔ وہاں قافلہ بھی نہیں تھا اور ان دونوں کے اونٹ بھی نہیں تھے اور وہ اس جگہ بھی نہیں تھے جہاں

انہوں نے رات پڑاؤ کیا تھا۔ یہ کوئی اور جگہ تھی۔ ارد گرد مٹی اور ریت کے ٹیلے تھے۔ دونوں دوڑتے ہوئے ایک بلند ٹیلے پر چڑھے۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ انہیں ٹیلوں کی چوٹیوں اور ان سے دور صحرا کی ریت کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

☆

"وہ بوڑھا آدمی میں تھا جس کے ساتھ تم سفر کے دوران باتیں کرتے رہے تھے" — ریمانڈ کے جاسوسوں کے کمانڈر وینڈسر نے انہیں کہا — "میں تمہاری باتوں سے جان گیا تھا کہ تم جاسوس ہو اور معلوم کرنا چاہتے ہو کہ ہم کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں"

"وہ تم نہیں تھے" — خلت نے کہا — "وہ تو کوئی بوڑھا آدمی تھا"

"وہ میرا بہروپ تھا" — وینڈسر نے کہا — "مجھے خوشی ہے کہ تم مان گئے ہو کہ تم دونوں جاسوس تھے، اور اب بھی جاسوس ہو اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ تمہیں بے ہوش کرنے والی لڑکیوں میں سے ایک یہ تھی"

"ہم اب جاسوس نہیں ہیں" — خلت نے کہا — "اب ہم خلیفہ کے وفادار ہیں"

"تم بکواس کرتے ہو" — وینڈسر نے کہا — "علی بن سفیان کی میں نے ہمیشہ تعریف کی ہے، مگر تمہاری تربیت مکمل نہیں۔ تم نے ابھی تک اپنے آپ کو چھپانا اور اپنا حلیہ بدلنا نہیں سیکھا"

وینڈسر نے انہیں بتایا کہ وہ جنگی سامان اور بہت سی رقم سوڈان لے جا رہے تھے۔ قافلے میں جو افراد صحرائی لباس میں تھے، وہ فوجی مشیر تھے۔ وہ سب صلیبی تھے اور سوڈان جا رہے تھے۔ انہوں نے ہی سوڈانی فوج تیار کی اور صلاح الدین ایوبی کے بھائی تقی الدین کو ایسی بُری شکست دی تھی کہ وہ اپنی آدھی فوج وہیں چھوڑ آیا تھا۔ اگر صلاح الدین ایوبی عقل استعمال نہ کرتا تو تقی الدین باقی فوج وہاں سے نہیں نکال سکتا تھا۔ ان لڑکیوں نے بھی تمہاری شکست میں بہت کام کیا تھا۔ وینڈسر نے انہیں بتایا کہ ان کی ملاقات جب مصر کے شمال میں ہوئی تھی تو رات پڑاؤ کے دوران ان میں سے کوئی بھی نہیں سویا تھا اور ان دونوں لڑکیوں کو اسی مقصد کے لیے خلت اور اس کے ساتھی کے پاس بھیجا گیا تھا کہ انہیں باتوں میں اُلجھا کر بے ہوش کر دیں۔ ان کی ترکیب کامیاب رہی۔ ان کے بے ہوش ہوتے ہی قافلہ روانہ ہو گیا۔

خلت کو وہ واقعہ اچھی طرح یاد تھا اور یہ واقعہ اس کے دل میں کانٹے کی طرح اُترا ہوا تھا۔ اتنے خطرناک جاسوسوں کا قافلہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اس کے ساتھ ایسے کبھی بھی نہیں ہُوا تھا۔ اس خلش کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ اس نے اس واقعہ کی رپورٹ اپنے ہیڈ کوارٹر کو دی ہی نہیں تھی کیونکہ اسے دشمن کے جاسوس دھوکہ دے گئے تھے۔ اس میں اس کی اور اس کے ساتھی کی بے عزتی تھی۔ انہیں دو لڑکیاں بے وقوف بنا گئی تھیں۔ اب ان میں سے ایک لڑکی اور ایک آدمی اس کے سامنے کھڑا تھا۔ خلت اپنے ساتھی سمیت اس کا قیدی تھا۔ اب وہ ہتھیار ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے یہاں سے نکلنے یا مر جانے کو فیصلہ کر لیا۔

"میری ایک پیشکش قبول کر لو" — وینڈسر نے انہیں کہا — "میں تم پر ایسا رحم کر رہا ہوں جو میں نے کبھی کسی

پر نہیں کیا۔ تم دونوں میرے گروہ میں شامل ہو جاؤ۔ جتنی اُجرت مانگو گے دوں گا۔ کہو گے تو دمشق بھیج دوں گا اور اگر تم جانا چاہو تو وہاں بھیج دوں گا۔ وہاں تم صرف صلاح الدین ایوبی کے جاسوس بنے رہنا ہے لیکن کام ہمارے لیے کرو۔ تمہارا کام یہ ہوگا کہ ہمارے جو جاسوس وہاں کام کر رہے ہیں ان کی مدد کرو۔ اگر کوئی ان کی نشاندہی کرتا ہے تو انہیں قبل از وقت خبردار کر کے ادھر اُدھر کر دینا۔" وہ بولتا جا رہا تھا اور یہ دونوں خاموشی سے سُن رہے تھے۔ اسے توقع تھی کہ یہ دونوں مان جائیں گے۔ اس نے کہا۔ "یہ پیش کش قبول کرنے سے پہلے میری یہ شرط ہے کہ یہاں تمہارے جتنے جاسوس ہیں وہ پکڑوا دو۔ یہ بتا دو کہ وہ کہاں کہاں ہیں۔"

"ہمیں تمہاری پیش کش کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں۔" خلت نے کہا۔ "ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ یہاں کوئی جاسوس ہے یا نہیں۔"

"تمہیں شاید معلوم نہیں کہ میں تمہارے جسموں کی کیا حالت بنا دوں گا۔" ونڈسر نے کہا۔ "اگر تمہیں یہ توقع ہے کہ تمہیں فوراً قتل کر دیا جائے گا تو تمہاری یہ توقع پوری نہیں ہوگی۔ میں تمہیں جس تنور میں پھینکوں گا اس میں سے اتنی جلدی نجات حاصل نہیں کر سکو گے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "کیا تم مجھ سے منوا لو گے کہ تم جاسوس نہیں ہو؟ کیا میں ابھی شک میں ہوں؟ تم میں اتنی عقل نہیں کہ مجھے دھوکہ دے سکو۔ تم میں اتنی عقل ہوتی تو اس لڑکی کے ہاتھوں بے وقوف نہ بنتے۔ اس نے تمہیں اپنی جوانی اور خوبصورتی کے جال میں پھانس لیا تھا۔"

"سنو میرے عیسائی دوست!" خلت کھری باتوں پر آ گیا۔ بولا۔ "ہم دونوں جاسوس ہیں مگر یہ جھوٹ ہے کہ میں یا میرا یہ رفیق لڑکیوں کے حسن کے فریب میں آ گیا تھا۔ میں پتھر ہوں لیکن مجھ میں ایک کمزوری ہے۔ بہت عرصہ گزرا پندرہ سولہ سال کی ایک لڑکی میرے سامنے فروخت ہو گئی تھی۔ میں نے اُسے بچانے کی کوشش میں ایک آدمی کی تلوار چھین لی تھی۔۔۔ اور ایک کو زخمی بھی کر دیا تھا۔ وہ تین تھے اور میں اکیلا۔ انہوں نے مجھے گرا لیا۔ اگر میں بے ہوش نہ ہو جاتا تو اس لڑکی کو بچا لیتا۔ وہ اُسے لے گئے اور مجھے لوگ بے ہوشی کی حالت میں اُٹھا کر گھر لے گئے۔"

"تم کہاں کے رہنے والے ہو؟" ونڈسر نے پوچھا۔

"دمشق سمجھ لو۔" خلت نے جواب دیا۔ "میں اب کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ دمشق کے قریب ایک گاؤں ہے۔ میں وہاں کا رہنے والا ہوں اور میرا رفیق بغدادی ہے۔ میں یہ باتیں تمہارے ڈر سے نہیں بتا رہا۔ تم مجھے اتنی آسانی سے پکڑ نہیں سکو گے۔ ہمت ہے تو ہمارے ہاتھوں سے برچھیاں لے لو۔ ہم سے تلوار لو۔ جس تنور کا تم ذکر کرتے ہو اس میں ہماری لاشیں جائیں گی۔"

ونڈسر کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔ صلیبی لڑکی نے ہنس کر کہا۔ "انہیں خوش فہمی ہو گئی ہے۔" اور نئی رقاصہ خلت کو گہری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"میں تمہیں بتا رہا تھا کہ میں اس لڑکی کو نہیں بچا سکا تھا۔" خلت نے کہا۔ "اس لڑکی کی یاد کانٹا بن کر

میرے دل میں اُتر گئی۔ اس رات جب ہم دونوں تمہارے قافلے کے ساتھ آ رہے تھے اور تمہاری دو لڑکیوں نے مجھے بتایا کہ انہیں بیچنے کے لیے اغوا کر کے لایا جا رہا ہے تو میری آنکھوں کے سامنے وہ لڑکی آ گئی جسے میں بچا نہیں سکا تھا۔ میں نے ان دونوں لڑکیوں کے چہروں پر اسی لڑکی کا چہرہ دیکھا۔ میرے اسی جذبے نے میری عقل پر پردہ ڈال دیا۔ اگر مجھے وہ لڑکی یاد نہ آتی تو میں کبھی بے وقوف نہ بنتا۔"

نئی رقاصہ کا جسم بڑی زور سے کانپا۔ وہ پیچھے ہٹ گئی اور پلنگ پر بیٹھ گئی۔ اس کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔

"اور اب تو موت بھی مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتی۔" خلت نے کہا۔ "اور تمہارا کوئی لالچ مجھے فرض سے گمراہ نہیں کر سکتا۔"

اُدھر ضیافت کے ہال میں ونڈسر کا انتظار ہو رہا تھا۔ انہیں پتہ چل چکا تھا کہ کوئی نئی رقاصہ آئی ہے۔ وہ رقاصہ کے انتظار میں تھے۔ یہ تو کسی نے بھی نہ دیکھا کہ دروازے کے باہر جو دو سنتری مستعد کھڑے رہتے تھے وہ کہاں چلے گئے ہیں۔

برچھیاں اور تلواریں ابھی تک خلت اور اس کے ساتھی کے پاس تھیں۔ ونڈسر نے جب دیکھا کہ وہ اس کی پیش کش ٹھکرا چکے ہیں اور دونوں اپنے عقیدے اور فرض کے پکے معلوم ہوتے ہیں تو اس نے انہیں کہا کہ ہتھیار اس کے حوالے کر دیں۔ دونوں نے صاف انکار کر دیا۔ ونڈسر ان سے زبردستی ہتھیار لینے کے لیے دروازے کی طرف بڑھا۔ وہ باڈی گارڈز کو بلانا چاہتا ہوگا۔ خلت نے تیزی سے دروازہ بند کر دیا اور زنجیر چڑھا کر برچھی کی نوک ونڈسر کی طرف کر کے کہا۔ "جہاں ہو وہیں کھڑے رہو۔" اس نے آگے بڑھ کر برچھی کی نوک ونڈسر کی شاہ رگ پر رکھ دی۔

خلت کے ساتھی نے اپنی برچھی کی نوک صلیبی لڑکی کی شہ رگ پر رکھی۔ ونڈسر اور لڑکی پیچھے ہٹتے ہٹتے دیوار کے ساتھ جا لگے۔ خلت اور اس کے ساتھی نے دونوں کو وہیں دبا لیا۔ خلت نے نئی رقاصہ سے کہا۔ "تم ان کے ساتھ کھڑی ہو جاؤ۔ اگر تم نے شور مچایا تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گی۔"

"اگر تم خلت ہو تو میرا نام حمیرو ہے۔" نئی رقاصہ نے کہا۔ "میں نے تمہیں پہلے دن ہی پہچان لیا تھا اور تم مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہے تھے۔"

تھوڑی دیر پہلے خلت نے اپنے نام کے سوا باقی نشانیاں بتا دی تھیں۔ حمیرو جب سے یہاں آئی تھی وہ خلت کو دیکھ رہی تھی مگر خلت کی طرح وہ بھی شک میں تھی۔ وہ بھی یہی سوچتی رہی تھی کہ انسانوں کی صورتیں ایک جیسی بھی ہو سکتی ہیں۔

"کیا تم بھی جاسوس ہو؟" خلت نے پوچھا۔

"نہیں۔" حمیرو نے جواب دیا۔ "میں صرف رقاصہ ہوں۔ مجھ پر کوئی شک نہ کرو خلت! میں تمہارے ساتھ ہوں اور تمہارے ساتھ جاؤں گی۔ مرنا ہے تو تمہارے ساتھ مروں گی۔"

☆

العلاج ضیافت میں آگیا۔ اس کے تمام اُمراء، وزراء اور دوسرے مہمان بھی آگئے۔ ان میں صلیبی فوج کے افسر بھی تھے جو مشیروں کی حیثیت سے یہاں آئے تھے۔ ان کا انداز بادشاہوں جیسا تھا۔ ان میں ریمانڈ کا فوجی نمائندہ بھی تھا۔ وہ سب ونڈسر کو ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ ابھی تک غیر حاضر تھا۔ تمام صلیبی لڑکیاں ہال میں پہنچ گئی تھیں صرف ایک نہیں تھی۔ ناچنے والیاں بھی آگئی تھیں، نئی رقاصہ غیر حاضر تھی۔ العلاج کے آجانے سے سب کی بیتابی بڑھ گئی۔ ایک ملازم سے کہا گیا کہ وہ ونڈسر اور دونوں لڑکیوں سے کہے کہ سب آگئے ہیں۔

"انہیں باندھ کر یہیں پھینک چلتے ہیں" — غلت کے ساتھی نے کہا۔

"کیا تم سانپوں کو زندہ رکھنا چاہتے ہو؟" — غلت نے کہا اور برچھی جس کی نوک ونڈسر کی شہ رگ کو چھو رہی تھی پوری طاقت سے دبائی۔ ونڈسر کا سر دیوار کے ساتھ لگا ہُوا تھا۔ برچھی کی انی اس کی شہ رگ میں داخل ہو کر پیچھے کو نکل گئی۔ ونڈسر کا ہلکا سا خراٹہ سنائی دیا۔

اس کے فوراً بعد ایسا ہی ایک خراٹہ صلیبی لڑکی کے منہ سے نکلا۔ اس کی شہ رگ کو چیرتی ہوئی برچھی کی انی غلت کے ساتھی نے پار کر دی تھی۔ دونوں نے برچھیاں نکالیں۔ ونڈسر اور لڑکی گر کر تڑپنے لگے۔ غلت اور اس کے ساتھی نے دونوں کے دلوں پر برچھیاں رکھ کر اوپر سے پورا وزن ڈالا۔ دونوں کے دل چر گئے اور وہ ٹھنڈے ہو گئے۔ دونوں کی لاشوں کو پلنگ کے نیچے پھینک دیا گیا۔ یہ کمرہ ونڈسر کا تھا۔ دیوار کے ساتھ اس کا چغہ لٹک رہا تھا جس کے ساتھ سر کو ڈھانپنے والا حصہ بھی تھا۔ حمیرہ نے خود ہی یہ چغہ پہن لیا اور سر بھی ڈھانپ لیا۔ وہیں سے کپڑے اٹھا کر اس نے رقص والا گھگھرا اتار دیا اور مردانہ لباس کمر سے نیچے تک چڑھا لیا۔ پاپوش بھی بدل لیے اور چہرہ بھی چھپا لیا۔ اسے اب ایک نظر میں کوئی نہیں پہچان سکتا تھا کہ یہ لڑکی ہے۔

غلت نے دروازہ کھولا۔ باہر دیکھا۔ برآمدے میں ملازموں کی آمد و رفت اور بھاگ دوڑ تھی۔ وہ تینوں باہر نکلے۔ دروازہ بند کیا اور ایک طرف چل پڑے۔ فوراً بعد وہ اندھیرے میں ہو گئے۔ ادھر ایک گھاٹی تھی۔ اُس سے اُترے اور خطرے کے علاقے سے نکل گئے۔ غلت اور اس کے ساتھی کو معلوم تھا کہ انہیں کہاں جانا ہے۔ ان کا کمانڈر ایک عالم فاضل کے روپ میں جہاں رہتا تھا وہاں چھپنے کی جگہ بھی تھی اور وہاں نکلنے کا بندوبست بھی ہو سکتا تھا۔ اُس وقت شہر سے نکلنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ گھوڑے بھی نہیں تھے۔ انہیں حلب سے فرار ہو کر دمشق پہنچنا تھا۔ انہیں یہ اندازہ بھی تھا کہ قتل کا پتہ چلتے ہی شہر میں کیا اودھم بپا ہو گا۔

قتل کا انکشاف ہوتے زیادہ دیر نہیں لگی۔ کسی نے ونڈسر کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ پلنگ کے نیچے سے جو خون بہہ رہا تھا وہ فرش پر پھیلتا ہُوا دروازے تک پہنچ گیا تھا۔ ہنگامہ بپا ہو گیا۔ وہاں ایک نہیں دو لاشیں تھیں۔ دونوں کے زخم ایک جیسے تھے۔ فوری طور پر پہرہ داروں کا خیال آیا۔ ان کی موجودگی میں بیک وقت دو قتل کون کر سکتا تھا؟ جن سنتریوں کی ڈیوٹی تھی انہیں بلایا گیا۔ دونوں غائب تھے۔ اس عمارت میں کسی کا بغیر اجازت داخلہ ممنوع تھا۔ یہاں چیدہ چیدہ لوگ جو حاکم یا معزز شہری تھے آسکتے تھے۔ اُن کی بھی چیکنگ ہوتی تھی۔ باڈی گارڈز کے کمانڈر کے لیے مصیبت کھڑی ہو گئی۔ یہ قتل پیشہ وروں کا کام تھا یا سلطان ایوبی کے جاسوسوں کا، اور یہ کام فدائی قاتلوں

کا بھی ہو سکتا تھا۔ کسی نے کہا کہ کرائے کے یہ قاتل کسی سے بھی اجرت لے کر قتل کر سکتے ہیں۔

دروازے کے دونوں سنتری نہ ملے تو یہ شک پختہ ہو گیا کہ وہ سلطان ایوبی کے آدمی ہوں گے اور انہوں نے ونڈسر کو اس وجہ سے قتل کیا ہے کہ وہ جاسوسوں کا سربراہ بن کے آیا تھا۔ رات دیر تک غلت اور اس کا ساتھی نہ ملے تو شہر میں ان کی تلاش شروع ہو گئی۔ یہ انکشاف بہت دیر بعد ہوا کہ نئی رقاصہ بھی غائب ہے۔ شہر کی ناکہ بندی کر دی گئی۔

غلت، اس کا ساتھی اور حمیرہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے کمانڈر کو اپنا کارنامہ سنایا تو اُس نے انہیں چھپا لیا اور کہا کہ وہ باہر کے حالات کے مطابق انہیں بتائے گا کہ وہ کب یہاں سے نکلیں۔ اس پر کسی کو شک نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اسے لوگ عالم اور برگزیدہ انسان سمجھتے تھے۔ اداکاری میں اسے مہارت حاصل تھی۔ اس نے اپنے جو دو شاگرد اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھے وہ بھی جاسوس تھے۔ حلب سے دمشق تک وہی اطلاعات پہنچاتے تھے۔ اس نے دونوں شاگردوں کو حکم دیا کہ وہ باہر کی خبر لیں کہ کیا ہو رہا ہے۔

حمیرہ نے اس "عالم" کے سامنے غلت کو سنایا کہ اس پر کیا گزری تھی۔ وہ واقعہ تو سات آٹھ سال پرانا ہو چکا تھا۔ اس نے سنایا کہ غلت جب حمیرہ کو اس کے باپ (جو دراصل اس کا باپ نہیں تھا) اور ان دو آدمیوں سے بچانے کے لیے لڑا تھا تو حمیرہ کے باپ نے پیچھے سے کدال غلت کے سر پر ماری تھی۔ اس سے وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ وہ تینوں حمیرہ کو گھر لے گئے۔ ایک نکاح خوان کو بلایا جس نے اس سے پوچھے بغیر نکاح پڑھ دیا اور وہ دونوں آدمی حمیرہ کو اپنے ساتھ لے گئے۔ ایک رات وہ دمشق میں ٹھہرے پھر اسے ان علاقوں میں لے گئے جو صلیبیوں کے قبضے میں تھے۔ اُسے ناچ کی تربیت دی جانے لگی۔ ابتدا میں اس نے مزاحمت کی مگر اُس پر اس قدر تشدد کیا گیا کہ وہ بے ہوش ہو جاتی تھی۔ اس دوران اُسے خوراک نہایت اچھی دی جاتی تھی۔ اُسے کوئی بڑا ہی لذیذ شربت پلایا جاتا تھا جس کے اثر سے وہ ہنسنے اور ناچنے لگتی تھی۔

تشدد اور نشے سے اُسے رقاصہ بنا لیا گیا۔ بہت اونچے درجے کے لوگ اُسے داد دینے لگے۔ وہ ایسے قیمتی تحفے لاتے تھے کہ وہ دنگ رہ جاتی تھی۔ اسے یروشلم بھی لے جایا گیا تھا جہاں دو آدمیوں نے اس کے مالکوں سے کہا تھا کہ وہ منہ مانگی قیمت لے لیں اور یہ لڑکی انہیں دے دیں۔ انہوں نے صاف بتا دیا تھا کہ وہ اسے جاسوسی وغیرہ کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے مالکوں نے سودا قبول نہیں کیا تھا۔ اُسے اغوا کرنے کی کوشش بھی کی گئی تھی جو ناکام بنا دی گئی تھی۔ اب اُسے حلب میں کسی اور امیر کی فرمائش پر بلایا گیا تھا۔ اُس نے بتایا کہ پہلے دن اس نے غلت کو دیکھا تو اس نے بلاشک وشبہ دل سے کہا تھا کہ یہ غلت ہے لیکن یہ شک بھی ہوتا تھا کہ ہو سکتا ہے یہ غلت کی شکل و صورت کا کوئی اور آدمی ہو۔ وہ اسے غور سے دیکھتی تھی۔ آخر یہ اتفاق ہُوا کہ ونڈسر نے غلت اور اس کے ساتھی کو پہچان لیا۔ ونڈسر نے اپنی لڑکی کو بلایا تو حمیرہ بھی اس کے ساتھ چلی گئی۔ غلت نے جب اپنے متعلق چند ایک باتیں بتائیں تو حمیرہ کے شکوک رفع ہو گئے۔

اس نے کہا "میں اس ذلیل زندگی کی عادی ہو گئی تھی۔ میرے دل میں جذبات مر گئے تھے۔ میں ایک پتھر

کی طرح ادھر ادھر دھکے پھر رہی تھی، لیکن خلت کو دیکھا تو میرے سارے جذبات زندہ ہو گئے۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ خلت ہی ہے مگر اس کی صورت نے مجھے وہ وقت یاد دلا دیا جب میرے دل میں اس کی محبت تھی اور اس کے بچوں کی ماں بننے کی خواہش۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ کسی وقت اس سے پوچھوں گی کہ تم خلت ہو؟ اگر خلت نکلا تو اسے کہوں گی کہ آؤ بھاگ چلیں اور صحرا کے خانہ بدوشوں کی طرح زندگی بسر کریں گے۔"

اُسے خلت تو مل گیا اور وہ اُس کے ساتھ بھاگ بھی آئی لیکن حلب سے بچ کر نکلنا ایک مسئلہ تھا۔

☆

خلیفہ کی ضیافت اور رقص کی محفل ویران ہو چکی تھی۔ وہاں ونڈسر کا انتظار ہو رہا تھا مگر ونڈسر کی لاش پہنچی۔ وہاں صلیبی فوج کے جو اعلیٰ افسر تھے وہ سخت غصے میں تھے۔ ریمانڈ کا فوجی نمائندہ تو سب سے زیادہ بھڑکا ہوا تھا۔ ونڈسر بہت قیمتی افسر تھا۔ فوجی نمائندہ الملک الصالح اور اس کے اُمرا اور اس کے فوجی کمانڈروں پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتا تھا اور سب اس سے دبک رہے تھے۔ ان کے دلوں میں صلاح الدین ایوبی کی دشمنی اتنی زیادہ تھی کہ وہ صلیبی افسروں کو فرشتے سمجھ بیٹھے تھے۔ انہی کی مدد سے وہ جنگ کی تیاری کر رہے تھے، لہٰذا اُن کی خوشامد کو وہ ضروری سمجھتے تھے۔ فوجی نمائندہ جو کچھ کہتا تھا سب اس کے آگے سر جھکا لیتے اور ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔ اس نے کہا۔ "قاتل رات ہی رات شہر سے نہیں نکل سکتے۔ صبح سویرے حلب کے ایک ایک گھر کی تلاشی لی جائے۔ یہاں کی ساری فوج کو اس پر لگا دو۔ فوج لوگوں کے جاگنے سے پہلے گھروں میں داخل ہو جائے۔ یہاں کے باشندوں کو اتنا پریشان کیا جائے کہ وہ قاتلوں کو خود ہی ہمارے حوالے کر دیں۔"

"ایسا ہی ہوگا"۔۔۔ ایک مسلمان امیر نے کہا۔۔۔ "ہم فوج کو ابھی حکم دے دیتے ہیں کہ سحر کے اندھیرے میں شہر میں پھیل جائے۔"

"ایسا نہیں ہوگا"۔۔۔ یہ آواز ایک مسلمان قلعہ دار کی تھی۔ اس نے ایک بار پھر گرج کر کہا۔۔۔ "ایسا نہیں ہوگا۔ تلاشی صرف اُس گھر کی لی جائے گی جس پر پختہ شک اور کوئی واضح شہادت ہوگی۔"

اتنے سارے اعلیٰ حکام کے ہجوم پر اس گرجدار آواز نے سناٹا طاری کر دیا۔ کسی کو توقع نہیں تھی کہ ریمانڈ کے فوجی نمائندے کے حکم کو کوئی مسلمان ایسے جوش سے ٹوکے گا۔ سب نے دیکھا کہ یہ کون ہے۔ وہ حماۃ کا قلعہ دار تھا جس کا نام جوردیک تھا۔ تاریخ میں اس کا نام جوردیک ہی لکھا گیا ہے۔ پورے نام کا علم نہیں ہو سکا۔ اس کے متعلق تاریخ اتنا ہی بتاتی ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کا دوست تھا، لیکن وقائع نگاروں کے مطابق اس واقعہ تک وہ صلاح الدین ایوبی کے مخالف کیمپ میں تھا اور الصالح کے وفاداروں میں سے تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ صرف اس ضیافت میں ہی شریک نہیں تھا بلکہ جنگی کانفرنسوں میں شریک ہوتا تھا۔ سلطان ایوبی کے خلاف جنگ کا جو منصوبہ بنا تھا، وہ اس میں بھی شریک تھا۔

اس نے جب ایک صلیبی کے منہ سے یہ الفاظ سُنے کہ حلب کے ہر گھر کی تلاشی لی جائے گی تو اس میں اسلامی وقار بیدار ہو گیا۔ اس نے کہا۔۔۔ "یہاں سب مسلمان گھرانے ہیں جن میں پردہ نشین خواتین بھی ہیں۔ ہم اُن کی

بے عزتی برداشت نہیں کریں گے۔ شریف گھرانوں میں فوجی داخل نہیں ہوں گے۔"

"قاتل اسی شہر کے تھے"۔۔۔ ایک صلیبی افسر نے کہا۔۔۔ "ہم تمام شہریوں سے انتقام لیں گے۔ ونڈسر جیسا قابل افسر قتل ہو گیا ہے۔ ہمیں کسی کی عزت اور کسی کے پردے کی پرواہ نہیں۔"

"اور مجھے تمہارے ایک افسر کے قتل کی پرواہ نہیں"۔۔۔ جوردیک نے قہر سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"جوردیک! خاموش رہو!"۔۔۔ کم عمر اور ناتجربہ کار سلطان نے حکم کے لہجے میں کہا۔۔۔ "یہ لوگ اتنی دور سے ہماری مدد کے لیے آئے ہیں۔ کیا تم مہمان نوازی کے آداب سے ناواقف ہو؟ احسان فراموش نہ بنو۔ ہمیں قاتل کو پکڑنا ہے۔"

خلیفہ کی تائید میں کئی آوازیں سنائی دیں۔

"میں صلاح الدین ایوبی کے خلاف ہو سکتا ہوں، اور ہوں بھی"۔۔۔ جوردیک نے کہا۔۔۔ "لیکن اپنی قوم کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ محترم سلطان! اگر آپ نے شہریوں کو پریشان کیا تو سب آپ کے خلاف ہو جائیں گے۔ آپ صلاح الدین ایوبی کے خلاف جو محاذ بنا رہے ہیں وہ کمزور ہو جائے گا۔"

"ہم نے قوم کی کبھی پرواہ نہیں کی"۔۔۔ ریمانڈ کے فوجی نمائندے نے کہا۔۔۔ "ہم قاتلوں کو ڈھونڈیں گے۔ وہ کسی گھر میں ہی ہوں گے۔ ہم انہیں باہر نکال لیں گے۔ یہ قتل صلاح الدین ایوبی نے کرایا ہے۔"

"میرے دوست!"۔۔۔ جوردیک نے کہا۔۔۔ "تمہارے ایک افسر کا قتل کوئی بڑی بات نہیں۔ تم صلاح الدین ایوبی کو قتل کرانے کی کتنی بار کوشش کر چکے ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ تم اسے قتل نہیں کر سکے۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ تم نے کوئی جرم کیا تھا۔ دشمن ایک دوسرے کو ہر جائز ناجائز طریقے سے مارنے اور مروانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر تمہارے ونڈسر کو ایوبی نے قتل کرایا ہے تو فرق صرف یہ پڑا ہے کہ تم اُسے قتل کرانے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور وہ تمہارے ایک اہم افسر کو قتل کرانے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ تم اس کے کئی ایک اہم افسروں کو قتل کرا چکے ہو۔ اس نے شہریوں کو کبھی پریشان نہیں کیا۔"

تمام مسلمان اُمرا اور حکام جوردیک کے خلاف بولنے لگے۔ وہ صلیبیوں کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے، لیکن جوردیک نے سب کا مقابلہ کیا اور اسی بات پر ڈٹا رہا کہ شہر کے کسی گھر کی تلاشی نہیں لی جائے گی۔

"تو کیا ہم یہ سمجھیں کہ تم بھی اس قتل میں شریک ہو؟" ایک صلیبی مشیر نے کہا۔۔۔ "مجھے شک ہے کہ تم صلاح الدین ایوبی کے دوست ہو۔"

"اگر حلب کے مسلمان گھرانوں کو پریشان کیا گیا تو میں کسی کے بھی قتل میں شریک ہو سکتا ہوں۔" جوردیک نے کہا۔۔۔ "اور میں ایوبی کا دوست بھی ہو سکتا ہوں۔"

"ہم جب تک یہاں ہیں ہمارا حکم چلے گا۔" صلیبی نمائندے نے کہا۔

"تم یہاں اُجرت پر آئے ہو"۔ جوردیک نے کہا۔۔۔ "یہاں ہمارا حکم چلے گا۔ ہم مسلمان ہیں۔ حالات ہمیں آپس میں لڑا رہے ہیں۔ مسلم اور غیر مسلم کی کبھی دوستی نہیں ہو سکتی۔ اگر تم بلا اُجرت آئے ہوتے تو میں تمہاری مدد سے دستبردار ہوتا ہوں۔ میں قلعہ داری کے عہدے سے بھی دستبردار ہوتا ہوں اور میں تم سب کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ

میری قوم کے کسی ایک بھی بے گناہ فرد کو تکلیف دی گئی تو میں انتقام لوں گا۔"

کسی کے اشارے پر دو آدمی جوردیک کو باہر لے گئے۔ اس کی غیر حاضری میں صلیبی نمائندے نے سب سے کہا کہ حالات ایسے ہیں کہ قلعہ دار کو ناراض نہیں کیا جا سکتا۔ یہ شخص اتنی دلیری سے باتیں کر رہا ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے قلعے میں جو فوج ہے وہ اس کی مرید ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ صورتِ حال اچھی نہیں۔ آپس میں صلاح مشورہ کر کے جوردیک کو اندر بلایا گیا اور اُسے بتایا گیا کہ شہریوں کو پریشان نہیں کیا جائے گا مگر قاتلوں کی تلاش ضرور کیا جائے گا۔ جوردیک نے کہا کہ وہ دو تین چار دن وہیں رہے گا۔

☆

تین چار دنوں بعد جوردیک حلب سے روانہ ہُوا۔ وہ اپنے قلعے حماۃ کو جا رہا تھا۔ اُس کی موجودگی میں قاتلوں کی تلاش اور سراغرسانی ہوتی رہی۔ اُس کی خواہش کے مطابق کسی گھر کی تلاشی نہیں لی گئی تھی۔ وہ مطمئن ہو کر جا رہا تھا، مگر صلیبیوں کو اس کے متعلق اطمینان نہیں تھا۔ اس کے ساتھ دس بارہ محافظ تھے۔ جوردیک سمیت سب گھوڑوں پر سوار تھے۔ راستے میں ٹیلوں اور چٹانوں کا علاقہ آتا تھا۔ جوردیک اس علاقے میں داخل ہُوا تو بیک وقت کہیں سے دو تیر آئے۔ دونوں اس کے گھوڑے کے سر میں پیوست ہو گئے۔ تیر اندازوں نے تیر جوردیک پر چلائے ہوں گے۔ گھوڑا بے لگام ہو کر دوڑ پڑا۔ دو تیر اور آئے۔ وہ بھی گھوڑے کو لگے۔ اب کے نشانہ خطا ہونے کی وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ گھوڑا بِدک کر اِدھر اُدھر دوڑ رہا تھا۔

جوردیک شاہسوار تھا۔ وہ دوڑتے گھوڑے سے کود کر ایک چٹان کی اوٹ میں ہو گیا۔ اس کے محافظ اِدھر اُدھر بکھر گئے۔ وہ تیر اندازوں کے تعاقب میں گئے تھے۔ علاقہ ایسا تھا کہ کسی کو پکڑنا آسان نہیں تھا۔ جوردیک سمجھ گیا کہ یہ کرائے کے قاتل ہیں جنہیں صلیبیوں نے اسے قتل کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ انہیں یہ شک تھا کہ جوردیک سلطان ایوبی کا دوست ہے۔ وہ جنگجو تھا۔ چٹان کی اوٹ سے نکل کر اوپر چلا گیا۔ اسے صرف چٹانیں نظر آئیں یا اپنے محافظ جو اِدھر اُدھر تیر اندازوں کو ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔

"اِدھر آجاؤ!" کسی نے چلّا کر کہا ــــ "اِدھر آجاؤ۔ پکڑ لیے ہیں۔"

محافظ اُدھر کو بھاگے۔ محافظوں نے تین آدمیوں کو گھیرے میں لے رکھا تھا۔ تینوں نقاب پوش تھے مگر ان کے پاس کمانیں نہیں تھیں۔ ترکش بھی کسی کے پاس نہیں تھی۔ اُن کے ساتھ گھوڑے تھے۔ انہیں اس حالت میں پکڑا گیا تھا کہ وہ گھوڑوں پر سوار ہو رہے تھے۔ تینوں نے چہرے چھپا رکھے تھے۔ ان کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ انہیں پکڑ کر جوردیک کے پاس لے گئے۔

"تمہاری کمانیں اور ترکش کہاں ہیں؟" جوردیک نے ان سے پوچھا۔

"ہمارے پاس صرف تلواریں ہیں۔" ایک نے جواب دیا۔

"سنو بھائیو!" جوردیک نے بڑے تحمل سے کہا ــــ "تمہارے چاروں تیر خطا گئے۔ تم مجھے قتل نہیں کر سکے۔ تم پکڑے بھی گئے ہو۔ تم ہار گئے ہو۔ اب جھوٹ سے بچو۔"

"کیسے تیر؟" ایک نے حیرت زدہ ہو کر کہا ــــ "ہم نے کسی پر تیر نہیں چلائے۔ ہم مسافر ہیں۔ ذرا آرام کرنے کے لیے رُکے تھے۔ اب جا رہے تھے کہ ان لوگوں نے پکڑ لیا۔"

جوردیک ہنس پڑا اور جواب دینے والے نقاب پوش سے کہنے لگا ــــ "میں تمہیں اپنا دشمن نہیں سمجھتا۔ اگر ایسا ہوتا تو اب تک میں تم تینوں کی گردنیں اڑا چکا ہوتا۔ تم کرائے کے قاتل ہو۔ صرف یہ بتا دو کہ میرے قتل کے لیے تمہیں کس نے بھیجا ہے؟ صاف صاف بتا دو اور جاؤ۔"

دو نقاب پوشوں نے قسمیں کھائیں۔ تیسرا خاموش رہا۔

"اپنے آپ کو عذاب میں نہ ڈالو۔" جوردیک نے کہا ــــ "کسی کے لیے اپنی جانیں ضائع نہ کرو۔ میں تمہیں کوئی سزا نہیں دوں گا۔ فوراً آزاد کر دوں گا۔"

نقاب پوشوں نے پھر پس و پیش کی۔

"ان کے نقاب اُتار دو۔" جوردیک نے اپنے محافظوں سے کہا ــــ "ان سے تلواریں لے لو۔"

دو نقاب پوشوں نے نیاموں سے تلواریں نکال لیں اور پھرتی سے پیچھے ہٹ گئے۔ تیسرا نقاب پوش ان دونوں کے پیچھے ہو گیا۔ اس کے پاس تلوار نہیں تھی۔ جوردیک نے قہقہہ لگا کر کہا ــــ "کیا تم اتنے سارے محافظوں کا مقابلہ کر سکو گے جبکہ تمہارے تیسرے ساتھی کے پاس تلوار ہی نہیں ہے؟ میں تمہیں ایک اور موقع دیتا ہوں۔ میں نے ابھی اپنے محافظوں کو حکم نہیں دیا کہ وہ تمہاری بوٹیاں اڑا دیں" ــــ محافظوں نے ان کے گرد گھیرا ڈال لیا تھا۔

"اور میں تمہیں آخری بار کہتا ہوں کہ ہم میں سے کسی نے تیر نہیں چلائے۔" ایک نقاب پوش نے کہا۔

محافظوں کا کمانڈر ان تینوں کے پیچھے کھڑا تھا۔ اُسے جانے کس طرح کچھ شک ہُوا۔ اس نے اس تیسرے نقاب پوش جس کے پاس تلوار نہیں تھی کا چغہ اوپر سے کھینچا تو اس کے سر کا حصہ پیچھے کو ہو گیا۔ اس نے اس کا نقاب بھی نوچ لیا، اور جب چہرہ بے نقاب ہُوا تو سب یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ جوردیک نے کہا کہ اسے اُس کے پاس لایا جائے۔ دونوں نقاب پوشوں نے حیران کُن پھرتی سے پیچھے کو مڑ کر لڑکی کو پکڑنے والے محافظ کے سینے پر تلواریں رکھ دیں۔ ایک نے للکار کر کہا ــــ "جب تک ہمیں پوری بات نہیں بتاؤ گے اور ہماری نہیں سنو گے اس لڑکی کو ہاتھ نہیں لگا سکو گے۔ ہم جانتے ہیں ہمیں تمہارے ہاتھوں مرنا ہے لیکن ہم ان میں سے آدھے محافظوں کو مار کر مریں گے۔ تمہیں یہ لڑکی زندہ نہیں مل سکتی۔"

جوردیک ایک ٹھنڈے مزاج کا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے محافظوں کو پیچھے ہٹا دیا اور نقاب پوشوں سے کہا ــــ "تم مجھ سے اور کیا بات سننا چاہتے ہو؟ بات اتنی سی ہے کہ تم کرائے کے قاتل ہو اور یہ لڑکی تمہیں انعام کے طور پر ملی ہے۔"

"دونوں باتیں غلط ہیں۔" ایک نقاب پوش نے کہا ــــ "ایک صلیبی حاکم اور ایک جاسوس صلیبی لڑکی کو قتل کرنا گناہ نہیں۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم فرار میں پکڑے گئے ہیں لیکن ہم خوش ہیں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ یہ لڑکی مسلمان ہے۔ مظلوم ہے۔ اسے ہم صلیبیوں کے پنجے سے چھڑا کر لا رہے ہیں اور دمشق جا رہے ہیں۔"

"کیا وِنڈسر اور صلیبی لڑکی کو تم نے قتل کیا ہے؟" جوردیک نے پوچھا۔

"ہاں!" ایک نقاب پوش نے جواب دیا۔ "ہم نے ان دونوں کو قتل کیا ہے۔"

"اور کیا تم نے بعد پر اس لیے تیر چلائے ہیں کہ ہم سلطان صلاح الدین ایوبی کے دشمن ہیں؟" جوردیک نے پوچھا۔

"ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ تمہارا نام جوردیک ہے اور تم حماۃ کے قلعہ دار ہو۔" نقاب پوش نے کہا ۔۔۔ "اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ تم سلطان ایوبی کے دشمن ہو لیکن تمہیں قتل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس کی مدد سے ہم بہت جلد تم سے ہتھیار ڈلوا کر تمہیں تمہاری فوج سمیت اپنا قیدی بنا لیں گے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی حسن بن صباح اور شیخ سنان نہیں۔ وہ مقابلہ کرتا ہے بزدلوں کی طرح قتل نہیں کرایا کرتا۔ ونڈسر اور لڑکی کا قتل ہمارا ذاتی فعل تھا۔ حالات کا تقاضا تھا کہ وہ قتل کر دیئے جائیں۔ ہم نے قتل کا ارتکاب کیا۔ یہ سلطان ایوبی کا حکم اور نشانہ نہیں تھا" ۔۔۔ اس نے جوردیک کے گھوڑے کی طرف دیکھا جو کچھ دور مرا پڑا تھا۔ وہ تیر اس کی پیشانی میں اور دو پہلو میں اترے ہوئے تھے۔ نقاب پوش نے کہا ۔۔۔ "گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ ہم دونوں میں سے کسی کو تیر و کمان دو۔ تم گھوڑا دوڑاؤ، جس طرح بھی دوڑا سکتے ہو دوڑاؤ۔ دائیں بائیں ہوتے جاؤ۔ ہم دونوں میں سے کوئی ایک گھوڑے پر سوار ہو کر تم پر تیر چلائے گا۔ اگر پہلا تیر خطا جائے تو تیر انداز کی گردن اڑا دینا۔ یہ تیر ہمارے چلائے ہوئے نہیں تھے جو تمہاری بجائے تمہارے گھوڑے کو لگے۔"

"تم معمولی سپاہی نہیں لگتے۔" جوردیک نے کہا ۔۔۔ "کیا تم سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج کے آدمی ہو؟"

"اور تم کون ہو؟" نقاب پوش نے کہا ۔۔۔ "کیا تم صلاح الدین ایوبی کی فوج کے آدمی نہیں ہو؟ کیا تم اسلام کے سپاہی نہیں ہو؟ ... تم اپنی حیثیت کو بھول گئے ہو۔ قلعہ داری کے عہدے نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے۔ تم نے اس سے زیادہ رتبہ حاصل کرنے کے لیے کافروں سے دوستانہ گانٹھ لیا ہے۔"

"تم درخت سے ٹوٹی ہوئی وہ ٹہنی ہو جس کی قسمت میں سوکھ کر تنکا تنکا ہو جانا لکھ دیا گیا ہے" ۔۔۔ دوسرے نقاب پوش نے کہا ۔۔۔ "تم اتنے اہم انسان نہیں ہو کہ سلطان ایوبی تمہارے قتل کی ضرورت محسوس کرے۔ تم اپنے کیے کی سزا بھگتنے کے لیے زندہ رہو گے۔ مر گئے تو صلیبیوں کے ہاتھوں مرو گے۔"

"تم حلب شراب پینے اور عیش کرنے گئے تھے۔" پہلے نقاب پوش نے کہا ۔۔۔ "تم اس لڑکی کے ناچ سے لطف اندوز ہونے گئے تھے۔"

"میں مسلمان لڑکی ہوں۔" لڑکی بولی ۔۔۔ "مجھے صلیبیوں کی محفلوں میں نچایا گیا اور وہ میرے جسم کے ساتھ کھیلتے رہے۔ ذرا سی دیر کے لیے تصور کرو کہ میں تمہاری بیٹی ہوں۔ میں نے وہاں مسلمانوں کی بیٹیوں کو ننگا ناچتے دیکھا ہے۔ تم اتنے بے غیرت ہو گئے ہو کہ اپنی بیٹیوں کی آبروریزی بھی تم میں غیرت بیدار نہیں کر سکتی۔ میں صلیبیوں میں سات آٹھ سال گزار کر آئی ہوں۔ میں نے ان صلیبی حاکموں کے ساتھ بھی وقت گزارا ہے جنہیں تم نے اپنا دوست بنا کر یہاں بلا لیا ہے۔ میں نے ان کی باتیں سنی ہیں۔ وہ دوستی کا فریب دے کر مسلمانوں کو آپس میں لڑا رہے ہیں۔"

جوردیک پر خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ اُس کے محافظ حیران تھے کہ آقا خود سر اور دلیر قلعہ دار اُن تینوں کی اتنی سخت

باتیں برداشت کر رہا ہے۔ وہ گہری سوچ میں کھو گیا تھا۔ اُسے وہ جھڑپ یاد آ رہی تھی جو اُس نے ریمانڈ کے فوجی نمائندے سے اس مسئلے پر کی تھی کہ حلب کے باشندوں کے گھروں کی تلاشی لی جائے گی۔ اُسے یہ خیال آیا کہ اس پر تیر چلانے والے صلیبیوں کے آدمی ہوں گے۔ اس نے نرم سے لہجے میں نقاب پوشوں سے کہا ۔۔۔ "میں تمہیں اپنے قلعے میں لے جانا چاہتا ہوں۔"

"قیدی بنا کر؟"

"نہیں!" جوردیک نے یہ کہہ کر سب کو حیران کر دیا ۔۔۔ "مہمان بنا کر۔ مجھ پر بھروسہ رکھو۔ اپنی تلواریں اپنے پاس رکھو۔"

سب گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ جوردیک کا گھوڑا مر چکا تھا۔ اُس نے ایک محافظ کا گھوڑا لے لیا اور یہ قافلہ چل پڑا۔

☆

وہ چٹانی علاقے سے نکلنے والے تھے کہ سرپٹ دوڑتے گھوڑوں کے ٹاپو سنائی دیئے۔ سب نے اپنے گھوڑوں کو ایڑیں لگائیں اور نظر آ گیا کہ دو گھوڑ سوار پوری رفتار سے حلب کی سمت بھاگے جا رہے تھے۔ ان کی کمانیں اور ترکش صاف نظر آ رہے تھے۔ وہ یقیناً یہاں سے بھاگے تھے۔

"یہ ہو سکتے ہیں تمہارے قاتل!" ایک نقاب پوش نے کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ دوسرے نقاب پوش نے بھی گھوڑا دوڑا دیا۔ دونوں نے تلواریں نکال لیں۔ لڑکی وہیں رہی۔

تمام محافظوں نے گھوڑے تعاقب میں ڈال دیئے۔ ان میں سب سے زیادہ تیز گھوڑے نقاب پوشوں کے تھے۔ آگے کچھ علاقہ ریت کی ڈھیریوں اور گھاٹیوں کا تھا۔ بھاگنے والے سواروں نے گھوڑے موڑے۔ نقاب پوش تجربہ کار سوار معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے گھوڑوں کا رُخ موڑ کر فاصلہ کم کر لیا۔ بھاگنے والوں نے کندھوں سے کمانیں اتار لیں اور اُن میں ایک ایک تیر ڈال لیا۔ گھوڑوں کے رُخ بدل کر انہوں نے تعاقب کرنے والوں پر تیر چلائے۔ تیر خطا گئے مگر تعاقب میں خطرہ پیدا کر گئے۔ نقاب پوش پہنچ گئے۔ فاصلہ چند گز رہ گیا تو بھاگنے والوں نے تیر چلانے کی کوشش کی مگر نقاب پوشوں نے انہیں مہلت نہ دی۔ ایک نے بھاگنے والے گھوڑے کے پچھلے حصے میں تلوار دی۔ گھوڑا بے قابو ہو گیا۔ دوسرے نے دوسرے بھاگنے والے پر تلوار کا وار کیا تو اس کا ایک بازو صاف کاٹ دیا۔ دوسرے کا گھوڑا زخمی ہو کر بے لگام ہو گیا تھا۔ اُسے محافظوں نے پکڑ لیا۔

انہیں جب جوردیک کے سامنے لے جایا گیا تو اصل صورت واضح ہو گئی۔ نقاب پوشوں نے نقاب اُتار دیئے اور انہوں نے بتا دیا کہ وہ سلطان ایوبی کے جاسوس ہیں۔ ان میں ایک خلّت تھا اور دوسرا اس کا ساتھی اور جو بھاگتے ہوئے پکڑے گئے تھے وہ مسلمان ہی تھے لیکن جوردیک کو قتل کرنے آئے تھے۔ ان میں سے جس کا بازو کٹ گیا تھا، اُسے بڑی بے رحمی سے کچھ دور پھینک دیا گیا۔ دوسرے سے کہا گیا کہ وہ زندہ واپس جانا چاہتا ہے تو بتا دے کہ اُسے کس نے بھیجا تھا، ورنہ اس کا بھی بازو کاٹ کر یہیں پھینک دیا جائے گا۔ اُس نے بتایا کہ ان دونوں کو ریمانڈ کے فوجی نمائندے نے دو مسلمان اُمرا کی موجودگی میں کہا تھا کہ فلاں دن اور فلاں وقت جوردیک حلب سے روانہ ہو رہا ہے اور

وہ فلاں وقت چٹانی علاقے میں سے گزرے گا۔ ان دونوں کو بے تحاشہ انعام پیش کیا گیا تھا۔ انہیں جوردیک کے قتل کی یہ ترکیب بتائی گئی تھی کہ چٹانی علاقے میں چھپ جائیں اور جوردیک کو تیروں کا نشانہ بنا کر بھاگ آئیں۔

مقررہ وقت پر دونوں اس علاقے میں پہنچ گئے اور گزرنے والے راستے کو دیکھ کر ایک بلند چٹان پر چھپ گئے۔ بہت سے انتظار کے بعد جوردیک آگیا۔ دو محافظ گھوڑسوار آگے تھے۔ ایک اُس کے دائیں اور دوسرا بائیں۔ باقی پیچھے تھے۔ تیراندازوں نے نشانے تو ٹھیک لیے تھے لیکن پہلو والا محافظ آگے آجاتا تھا۔ جوردیک اور قریب آیا تو تیر چلاتے وقت آگے والا محافظ آگے آگیا۔ تیر چلا دیے گئے لیکن نشانہ ذرا پیچھے ہو گیا تھا۔ دونوں تیر گھوڑے کی پیشانی میں لگے۔ دوسرے دو تیر اس لیے خطا گئے کہ گھوڑا دو تیر کھا کر بدک گیا تھا اور جب تیر چلائے گئے تو وہ بہت زور سے اچھل پڑا تھا۔ اس سے تیر جوردیک کو لگنے کی بجائے گھوڑے کے پہلو میں لگے۔

وہاں چھپنے کی جگہیں بہت تھیں اور موزوں بھی تھیں۔ انہوں نے گھوڑے ایسی ہی ایک جگہ چھپا دیے تھے اور اُن کے منہ باندھ دیے تھے تاکہ ہنہنا نہ سکیں۔ تیرانداز بھاگ کر کہیں چھپ گئے۔ انہوں نے محافظوں کو دیکھا جو بکھر کر انہیں ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ چھپ کر انہیں دیکھتے رہے۔ پھر ایک طرف سے شور اٹھا کہ اِدھر آجاؤ، پکڑ لیے ہیں۔ تیراندازوں نے دیکھا کہ محافظ تین نقاب پوشوں کو پکڑ کر لے جا رہے تھے۔ تیرانداز بہت خوش ہوئے کہ اُن کی جان بچی، مگر وہ ابھی وہاں سے بھاگنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ ابھی پکڑے جانے کا خطرہ تھا۔ ایک محافظ ایک چٹان پر کھڑا رہا۔ اُسے وہاں دیکھ بھال کے لیے کھڑا کیا گیا تھا۔ بہت دیر بعد اس محافظ کو وہاں سے بلا لیا گیا۔ دونوں تیرانداز اپنے گھوڑوں کے پاس گئے۔ اُن کے منہ کھولے اور سوار ہو کر فرار ہوئے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ جوردیک اپنے محافظوں کے ساتھ وہاں سے چل پڑا ہے۔

اس تیرانداز کو جوردیک نے اپنے ساتھ لے لیا اور سب حماۃ کی سمت روانہ ہو گئے۔ دوسرا تیرانداز کٹے ہوئے بازو سے خون بہ جانے کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر مر چکا تھا۔ راستے میں خلت نے اُسے حمیرہ کے متعلق ساری بات سنائی اور یہ بھی سنایا کہ اس نے رینڈسر کو کس طرح قتل کیا تھا۔ جوردیک کے لیے حیران کن یہ تھا کہ وہ حلب سے نکل کر کس طرح آئے۔ خلت نے اُسے بتایا کہ وہاں ان کا ایک کمانڈر بھی تھا جس کا وہ نام اور حلیہ نہیں بتانا چاہتا تھا۔ اُس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ کپڑے وغیرہ لپیٹ کر نوزائیدہ بچے کے قد بُت کی شکل بنا دی اور اس پر کفن چڑھا دیا۔ چار پانچ جاسوسوں نے اِدھر اُدھر بتایا کہ فلاں (جاسوس) کا بچہ مر گیا ہے۔ کفن میں لپٹے ہوئے کپڑوں کو کمانڈر نے ہاتھوں پر اٹھایا۔ خلت، اُس کا ساتھی، حمیرہ (مردانہ لباس میں) اور چار پانچ آدمی جنازے کی شکل میں ساتھ چل پڑے۔

قبرستان شہر سے باہر تھا۔ وہاں تین گھوڑے کھڑے تھے۔ یہ گھوڑے ایک ایسا جاسوس لایا تھا جو حلب کی فوج میں تھا۔ یہ چرائے ہوئے گھوڑے تھے۔ "جنازہ" فوجیوں کے سامنے سے گزرا اور قبرستان میں گیا۔ وہاں قبر کھودی گئی۔ جنازہ پڑھا گیا۔ خلت، اُس کا ساتھی اور حمیرہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور نکل گئے۔

قلعے میں جوردیک کا قافلہ رات کو پہنچا۔ خلت وغیرہ کو اُس نے باعزت مہمانوں کی طرح رکھا۔ اُس نے خلت سے پوچھا — "مجھے اب اپنا دوست سمجھو۔ مجھے یہ بتاؤ کہ صلاح الدین ایوبی کیا کر رہا ہے۔ تمہیں ضرور معلوم ہوگا۔ اُس نے

الصالح کا تعاقب کیوں نہیں کیا تھا؟"

"میں اگر سلطان کا منصوبہ جانتا بھی ہوں تو آپ کو نہیں بتاؤں گا" خلت نے جواب دیا — "اور میں آپ کو یہ بھی نہیں بتاؤں گا کہ میں نے حلب سے کیا کیا معلومات حاصل کی ہیں۔"

"صلاح الدین ایوبی کے ساتھ میری ذاتی دشمنی تھی" جوردیک نے کہا — "پھر میں اس کے خلاف ہو گیا۔ اُس کی وجہ جو کچھ بھی تھی، میں غلطی پر تھا۔ مجھے اس غلطی کا احساس دشمن نے دلایا ہے۔ میں نے صلیبیوں کی نیت معلوم کر لی ہے۔ ایک طرف وہ میری فوج اور میرے قلعے کو استعمال کرنا چاہتے ہیں، دوسری طرف انہوں نے مجھے قتل کرانے کی کوشش کی۔ مجھے نورالدین زنگی مرحوم اور صلاح الدین ایوبی کی باتیں اور اصول یاد آگئے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ یہ جنگ ہلال اور صلیب کی ہے۔ یہ کسی عیسائی بادشاہ کی کسی مسلمان بادشاہ کے خلاف جنگ نہیں۔ ایوبی کہا کرتا ہے کہ جب تک دنیا میں ایک بھی مسلمان زندہ ہے صلیبی اُسے ختم کرنے کی کوشش میں لگے رہیں گے۔ غیر مسلم خواہ کسی بھی مذہب کا ہو مسلمان کا دوست نہیں ہو سکتا۔ غیر مسلم دوستی کا ہاتھ بڑھائیں گے تو اس میں دشمنی کا زہر ملا ہوا ہوگا۔ نورالدین زنگی بھی اسی اصول کا پابند تھا۔ وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ جس روز مسلمان کسی غیر مسلم سے دوستی کریں گے، اُس روز اسلام کا خاتمہ شروع ہو جائے گا۔"

"تو کیا آپ صلاح الدین ایوبی کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے ہیں؟" خلت نے پوچھا اور یہ بھی کہا — "میں ایک چھوٹا سا آدمی ہوں۔ معمولی سا سپاہی ہوں۔ مجھے ایسی جرأت نہیں کرنی چاہیے کہ ایک قلعہ دار سے یہ پوچھوں کہ وہ کیا سوچ رہا ہے اور اس کے ارادے کیا ہیں، لیکن مسلمان کی حیثیت سے مجھے یہ حق حاصل ہے کہ کوئی مسلمان گمراہ ہو جائے تو اُسے اتنا کہہ سکوں کہ تم گمراہ ہو گئے ہو۔"

"ہاں!" جوردیک نے کہا — "تمہیں یہ حق حاصل ہے۔ میں تمہیں ایک پیغام دینا چاہتا ہوں۔ یہ سلطان ایوبی کے کانوں میں ڈال دینا۔ میں تحریری پیغام نہیں دینا چاہتا۔ میں اپنا کوئی ایلچی بھی نہیں بھیجنا چاہتا۔ تم ایوبی سے کہنا کہ حماۃ کے قلعے کو اپنا سمجھو مگر اپنے کسی معتمد سالار کو بھی پتہ نہ چلنے دینا کہ میں نے یہ پیش کش کی ہے۔ یہ ایک بڑا ہی نازک راز ہے۔ اُسے کہنا کہ صلیبی دوستی کے پردے میں ہمارے علاقوں میں قدم جماتے جا رہے ہیں۔ تم سردیوں کے بعد شاید حملہ کرو، مگر یہ خیال رکھنا کہ اِدھر سے تم پر پہلے ہی حملہ نہ ہو جائے۔ اگر تم نے پیش قدمی کی تو حماۃ کے راستے سے آنا۔ میں انشاء اللہ پرانی دوستی کا حق ادا کروں گا۔"

دوسرے دن جوردیک نے خلت، اُس کے ساتھی اور حمیرہ کو رخصت کر دیا۔

☆

صلیبی انٹیلی جنس کے کمانڈر رینڈسر کا قتل بے شک اتفاقیہ تھا۔ اس نے سلطان ایوبی کے دو جاسوسوں کے لیے ایسے حالات پیدا کر دیے تھے کہ وہ اُن کے ہاتھوں قتل ہو گیا، لیکن یہ بہت بڑا کارنامہ تھا۔ اس کے قتل سے سلطان ایوبی کو فائدہ پہنچا کہ اس کے دشمن کی انٹیلی جنس جو پہلے ہی کمزور تھی منظم نہ ہو سکی۔ اس کے مقابلے میں سلطان ایوبی کا نظام جاسوسی زیادہ منظم اور ذہین تھا۔ اُس کے جاسوس صرف جاسوس نہیں تھے جو پکڑے جائیں، تو

خاموشی اختیار کریں۔ اس نے جاسوسوں کو بڑی ہی سخت کمانڈو ٹریننگ دے رکھی تھی تاکہ وہ پکڑے جانے کی صورت میں لڑ کر نکلیں اور جسے قتل کرنا ضروری ہوا اُسے قتل بھی کریں اور اُن کے جسم اتنے سخت ہوں کہ زیادہ سے زیادہ اذیت بھوک، پیاس اور تھکن برداشت کر سکیں۔ یہ خوبیاں غلت اور اس کے ساتھیوں میں بھی تھیں۔ انہوں نے نہ صرف صلیبیوں کے اتنے اہم افسر کو مار کر دشمن کو اندھا کر دیا بلکہ جور دیک جیسے سخت مزاج قلعہ دار کے ساتھ ایسی باتیں کیں کہ اُسے سلطان ایوبی کا حامی بنا آئے۔

غلت نے سلطان ایوبی کو جب جور دیک کا پیغام دیا تو سلطان کو یوں سکون سا محسوس ہوا جیسے صحرا میں ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا بھولے بھٹکے سے آ گیا ہو۔ اسے ہر طرف دشمن ہی دشمن نظر آتے تھے۔ اپنے بھی دشمن، پرائے بھی دشمن۔ جور دیک کے پیغام نے اُسے سکون تو دیا لیکن وہ کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہوا۔ یہ دھوکہ بھی ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے اپنے حملے کے پلان میں کوئی ردوبدل نہ کیا۔ اتنا ہی پیش نظر رکھا کہ حماۃ سے حمایت کی توقع ہے۔

اب دشمن کے کیمپ (حلب) سے جو اطلاعیں آ رہی تھیں ان میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہاں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہاں کے کمانڈروں اور مشیروں کو یہی توقع تھی کہ سردیوں میں جنگ کا امکان نہیں۔ ایک اطلاع یہ بھی ملی تھی کہ صلیبی بظاہر سب کے دوست بنے ہوئے ہیں مگر وہ درپردہ بڑے بڑے اُمراء کو ایک دوسرے کے خلاف اُکسا رہے ہیں۔ یہ تو سلطان ایوبی کو معلوم ہی تھا کہ علاقے کے تمام حواری ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ وہ اکٹھے صرف اس لیے ہو گئے تھے کہ سلطان ایوبی کو وہ اپنا مشترکہ دشمن بنا بیٹھے تھے اور اس دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ سلطان ایوبی انہیں عیش و عشرت کی اور من مانی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ انہیں سلطان ایوبی کا یہ مشن بھی اچھا نہیں لگتا تھا کہ سلطنتِ اسلامیہ کی توسیع اور استحکام کو جنون یا صحیح الفاظ میں ایمان بنا لیا جائے۔ وہ اُن حکمرانوں میں سے نہیں تھا جو آرام اور سکون سے حکومت اور عیش کرنے کی خاطر دشمن کو دوست بنا لیا کرتے تھے۔

اُسے جنگی نوعیت کی جن معلومات کی ضرورت تھی وہ اُس نے حاصل کر لی تھیں۔ اُس کی فوج سردی میں لڑنے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ اب رات کی ٹریننگ میں کوئی سپاہی بیمار نہیں ہوتا تھا۔ ۱۱۷۴ء کا دسمبر شروع ہو چکا تھا سلطان ایوبی نے اپنے فوجی کمانڈروں کی آخری کانفرنس بلائی۔ اس میں مرکزی کمان کے تمام افسر شامل تھے اور دستوں کے کمانڈروں کو بھی بلایا گیا تھا۔ سلطان ایوبی نے انہیں پہلا حکم یہ دیا کہ اس لمحے سے فوج کی نقل و حرکت کے متعلق کوئی بات وہ کتنی ہی بے ضرر کیوں نہ ہو باہر کے کسی آدمی کے ساتھ نہیں کی جائے گی جو عسکری اپنے بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہیں وہ گھروں میں بھی کوئی بات نہیں کریں گے۔ فوج کے کوچ کا وقت آ گیا ہے۔ یہ ظاہر کیا جائے گا کہ فوج روزمرہ کی طرح تربیت اور مشق کے لیے جا رہی ہے۔

ان ہدایات کے بعد اُس نے کہا۔ ”ہمارے عیش پرست اور ایمان فروش بھائی اسلام کی تاریخ کو اُس موڑ پر لے آئے ہیں جہاں تمہارا اپنے ہی عزیزوں کے خلاف لڑنا تم پر فرض ہو گیا ہے۔ کیا کسی نے کبھی یہ بھی سوچا تھا کہ میں اپنے پیر و مرشد نورالدین زنگی مرحوم کے بیٹے کے خلاف لڑوں گا؟ مگر صورت یہ پیدا ہو گئی ہے کہ بیٹے کی ماں بھی مجھ پر لعنت بھیج رہی ہے کہ اس کا مرتد بیٹا ابھی زندہ کیوں ہے۔ میرے رفیقو! تم جس فوج سے لڑنے جا رہے ہو، اس میں تمہارے

چچا زاد بھائی بھی ہوں گے، ماموں زاد اور خالہ زاد بھی ہوں گے۔ مجھے دو بھائی ایسے بھی اپنی فوج میں نظر آئے ہیں جن کا ایک بھائی ایمان فروشوں کی فوج میں ہے۔ اگر تم خون کے رشتوں کو دل میں جگہ دو گے تو اسلام کے ساتھ جو تمہارا رشتہ ہے وہ ٹوٹتا ہے۔ کوچ سے پہلے تمہیں عہد کرنا ہو گا کہ تم یہ نہیں دیکھو گے کہ تمہارا مقابل کون ہے۔ تمہاری نظریں اپنے علم پر رہیں گی۔ دل میں یہ حقیقت بٹھا لو کہ تمہارے سامنے تمہارے کلمہ گو بھائی ہیں مگر ان کی پیٹھ پر صلیبی ہیں۔ میں اس بھائی کو بھائی نہیں سمجھتا جو اپنے مذہب کے دشمن کو دوست سمجھتا ہے۔“

ایک وقائع نگار کی تحریر سے پتہ چلتا ہے کہ اس لیکچر کے دوران صلاح الدین ایوبی کی آواز بھرا گئی۔ اُس نے خاموش ہو کر سر جھکا لیا۔ یہ دیکھنا کسی کے لیے مشکل نہ تھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ وہ کچھ دیر سر جھکا کر خاموش بیٹھا رہا۔ کانفرنس کے شرکاء پر سکوت طاری ہو گیا۔ سلطان ایوبی نے سر اٹھایا اور دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے اور آسمان کی طرف منہ کر کے گڑگڑایا۔ ”خدائے عزوجل! میں تیرے نام کی خاطر، تیرے رسولؐ کی ناموس کی خاطر اپنے بھائیوں کے خلاف تلوار اٹھا رہا ہوں۔ اگر یہ گناہ ہے تو مجھے بخش دینا میرے خدا! مجھے تیری رہنمائی کی ضرورت ہے۔ مجھے اشارہ دو۔ میں گمراہ ہوں۔ گناہگار ہوں۔“ اس نے سر پھر جھکا لیا اور جانے اسے اپنی ذات سے کوئی اشارہ ملا یا خدا نے اُسے کوئی اشارہ دے دیا، اس نے گرجدار آواز میں کہا۔ ”ہمیں قبلۂ اول کو آزاد کرانا ہے۔ تمہیں بیت المقدس پکار رہا ہے۔ میرے راستے میں میرا باپ آیا تو اُسے بھی قتل کر دوں گا۔ میرے بچے راستے میں حائل ہوئے انہیں بھی قتل کر دوں گا۔“

اُس کا چہرہ دمکنے لگا۔ جذباتیت کا غلبہ ختم ہو چکا تھا۔ وہ پھر وہی صلاح الدین بن گیا جو صرف حقائق کے متعلق مختصر سی بات کیا کرتا تھا۔ اس نے کمانڈروں کو بتایا کہ دو روز بعد رات کو کوچ ہو گا۔ اُس نے پلان کے مطابق فوجوں کی جو تقسیم کی تھی وہ سب کو بتائی اور ہر حصے کے کمانڈر کو کوچ کا وقت بتایا۔ ہراول کے کمانڈر کو ضروری ہدایات دیں۔ چھاپہ مار (کمانڈو) جیشوں کی تقسیم بتائی۔ پہلوؤں پر جن دستوں کو رکھنا تھا اُن کے کمانڈروں کو کوچ کا انداز، راستہ اور وقت بتایا اور اس نے سب کو یہ بھی بتایا کہ اُس کا اپنا ہیڈ کوارٹر گھومتا پھرتا رہے گا۔ اس سے پہلے اُس نے معرکے والے پر متحرک رہنے والے چھاپہ مار دستے بھیج دیئے تھے اور مسافروں اور خانہ بدوشوں کے بہروپ میں اس نے اپنی انٹیلی جنس کی بہت سی نفری ان علاقوں میں بھیج دی تھی جہاں ریمانڈ کی فوج کے آنے کی توقع تھی۔

رسد کے متعلق اسے کوئی پریشانی نہیں تھی۔ کم و بیش ایک سال تک مصر سے رسد اور کمک منگوانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسلحہ اور جانوروں کا سٹاک بھی اس نے دمشق میں جمع کر لیا تھا۔ اس نے گھوڑ سوار چھاپہ ماروں کو معرکے راستے کے اردگرد کے علاقوں میں اس ہدایت کے ساتھ بھیج دیا تھا کہ ریمانڈ کی فوج ادھر آئے تو اس پر شب خون مارتے رہیں اور اگر ضرورت محسوس ہو تو فوراً اطلاع دیں تاکہ صلیبیوں کو گھیرے میں لینے کا انتظام کیا جائے۔

☆

۶/۷ دسمبر ۱۱۷۴ء کی رات کو ہراول دستے نے دمشق سے کوچ کیا۔ وہ رات بہت ہی سرد تھی۔ یخ جھکڑ چل رہے تھے جو جسم کو کاٹتے تھے۔ سپاہی اور گھوڑے ان جھکڑوں کے عادی ہو چکے تھے۔ ہراول کے کمانڈر کو بتا دیا گیا تھا کہ وہ

بحال رہی) کا جیش پہلے روانہ ہو چکا ہے۔ اس کے سپاہی وردی میں نہیں تھے۔ وہ مسافروں کے بھیس میں گئے تھے۔ سلطان ایوبی نے انہیں یہ ہدایت دی تھی کہ تیز رفتار قاصد بھیجے اگر ہراول کے کمانڈر کو آگے کی اطلاعیں دیتے رہیں۔ ہراول کو حماۃ کے قلعے تک جانا تھا جہاں قلعہ دار جوردیک تھا۔ کمانڈر کو سلطان ایوبی نے بتایا تھا کہ حماۃ کا قلعہ بغیر لڑے ملنے کا امکان ہے لیکن وہ کسی دھوکے میں نہ آئے۔ وہ قلعے سے موزوں فاصلے پر رک جائے اور دیکھے کہ قلعے والوں کا رویہ کیا ہے۔ اگر جوردیک صلح کرنا چاہے تو اُسے قلعے سے باہر بلایا جائے اور سلطان ایوبی کے آنے تک اس کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہ کیا جائے۔

سلطان ایوبی نے دیواریں توڑنے والے تجربہ کار آدمیوں کی ایک جماعت کو آگے بھیج دیا تھا۔ ہراول کی روانگی سے تین چار گھنٹوں بعد دو زیادہ نفری کے دستے اس طرح روانہ کیے گئے کہ ایک کو ہراول کے دائیں اور دوسرے کو بائیں رہنا تھا۔ ان کے لیے ہدایت یہ تھی کہ اگر حماۃ کے قلعے سے ہراول کا مقابلہ ہو جائے تو یہ دونوں دستے دونوں طرف سے آگے بڑھ کر قلعے کا محاصرہ کر لیں اور اس پر اس قدر تیر برسائیں کہ دیوار توڑنے والی جماعت دیوار تک پہنچ جائے۔

ان دونوں حصوں کے درمیان سلطان ایوبی جا رہا تھا۔ ہراول اور دونوں پہلوؤں کے دستے سلطان ایوبی کی فوج کا چوتھا حصہ تھے۔ اُس نے باقی تمام فوج پیچھے رکھی تھی۔ اُس نے کم سے کم نفری سے دشمن سے جھڑپ لینے کا پلان بنایا تھا۔ رسد کے لیے اُس نے چھاپہ مار دستے پھیلا دیے تھے۔ ایسے چھوٹے چھوٹے دستے حماۃ سے بہت آگے بھی بھیج دیے تھے ... تاکہ حماۃ سے کوئی قاصد حلب تک نہ جا سکے۔ اور اگر کہیں سے کمک آ جائے تو چھاپہ مار اُسے شب خونوں سے پریشان کرتے رہیں اور پیش قدمی روکے رکھیں۔

اگلا دن گزر گیا۔ رات گہری ہو چکی تھی جب ہراول کے دستے حماۃ سے دو تین میل دُور تک پہنچ چکے تھے۔ ۹ دسمبر ۱۱۷۴ء کی صبح طلوع ہوئی تو قلعے پر کھڑے سنتریوں کو کُہر اور دھند میں ایسے سائے سے نظر آئے جیسے بہت سے انسان اور گھوڑے ہوں۔ کوئی قافلہ ہو سکتا تھا۔ جوں جوں سورج اُوپر اٹھتا گیا دھند چھٹتی گئی اور سائے نکھرتے گئے۔ سنتریوں نے دیکھا کہ یہ فوج ہے۔ انہیں ابھی یہ معلوم نہیں تھا کہ قلعے کے دائیں اور بائیں بھی فوج موجود ہے جو انہیں نظر نہیں آ سکتی نقارہ بجا دیا گیا۔ ایک کمانڈر دوڑتا اوپر آیا۔ اُس نے فوج دیکھی تو دوڑتا گیا اور قلعہ دار جوردیک کو اطلاع دی۔

”گھبراؤ نہیں“۔۔۔ جوردیک نے کمانڈر سے کہا۔۔۔ ”یہ کسی حملہ آور کی فوج نہیں ہو سکتی۔ صلیبی مجھے قتل نہیں کرا سکے۔ انہوں نے کوئی اور سازش کی ہوگی۔ انہوں نے الملک الصالح سے یہ حکم لے لیا ہوگا کہ حماۃ کا قلعہ مجھ سے لے کر کسی اور کو دے دیا جائے۔ یہ فوج قلعے کے لیے آئی ہوگی۔ تم باہر جاؤ اور دیکھو کہ یہ کس کا دستہ ہے اور یہ لوگ کیا چاہتے ہیں۔“

کمانڈر گھوڑے پر سوار باہر نکلا اور سلطان ایوبی کے ہراول دستے کی طرف گیا۔ اُس نے علَم دیکھا تو یہ سلطان ایوبی کا تھا۔ وہ ذرا پیچھے ہی رک گیا۔ ہراول دستے کا کمانڈر اُس تک گیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ دونوں نورالدین زنگی کی فوج میں اکٹھے رہ چکے تھے۔

”ایسا بھی ہونا تھا کہ ہم آپس میں لڑیں گے“۔۔۔ ہراول دستے کے کمانڈر نے اس کے ساتھ ہاتھ ملا کر کہا۔۔۔ ”زنگی زندہ تھا تو ہم دوست اور رفیق تھے۔ وہ مر گیا تو ہم دشمن بن گئے۔“

”تم کیوں آئے ہو؟“ قلعے کے کمانڈر نے پوچھا۔

”تم قلعے کو نہیں بچا سکو گے“۔۔۔ ہراول کے کمانڈر نے کہا۔۔۔ ”میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ قلعہ دار سے کہو کہ قلعہ ہمارے حوالے کر دے اور خون خرابہ نہ ہونے دے۔ ہم تمہیں زیادہ مہلت نہیں دیں گے۔ تھوڑی دیر میں قلعہ محاصرے میں آ چکا ہوگا۔ تمہاری کمک وغیرہ کے راستے بند کیے جا چکے ہیں۔ ہتھیار ڈال دو۔“

قلعے کا کمانڈر کوئی جواب دیئے بغیر واپس چلا گیا اور جوردیک کو بتایا کہ صلاح الدین ایوبی نے حملہ کر دیا ہے اور وہ ہتھیار ڈالنے کو کہہ رہے ہیں۔ یہ دستے اسی کے ہیں ...... جوردیک نے چلا کر کہا۔۔۔ ”قلعے سے جھنڈا اتار دو، سفید جھنڈا چڑھا دو۔ سلطان صلاح الدین ایوبی آ گیا ہے۔“

وہ دوڑتا باہر نکلا۔ گھوڑے پر بیٹھا اور قلعے سے نکل گیا۔ ہراول دستے کے کمانڈر کے پاس پہنچا۔ سلطان ایوبی بہت پیچھے تھا۔ جوردیک ایک راہنما اور اپنے محافظوں کو ساتھ لے کر سلطان ایوبی کے ہیڈکوارٹر کی طرف روانہ ہو گیا۔

☆

سلطان ایوبی نے جوردیک کو گلے لگا لیا۔ جوردیک نے اس سے معافی مانگی۔ کچھ جذباتی باتیں کیں اور قلعہ اپنی فوج سمیت سلطان ایوبی کے حوالے کر دیا۔ سلطان ایوبی اپنی مرکزی کمان کے ساتھ قلعے میں داخل ہوا تو اس نے سفید جھنڈے کی جگہ اپنا جھنڈا چڑھانے کا حکم دیا۔ جوردیک نے قلعے میں مقیم فوج کے چھوٹے بڑے کمانڈروں کو سلطان ایوبی کے سامنے بلایا اور کہا کہ تم سے ہتھیار نہیں ڈلوائے گئے۔ تمہیں کسی نے شکست نہیں دی۔ اپنے سپاہیوں سے بھی کہہ دو کہ اپنے آپ کو شکست خوردہ نہ سمجھیں۔ ہم سب مسلمان ہیں۔ اب ہم صلیبیوں اور ان کے دوستوں کے خلاف لڑیں گے۔

•

سلطان ایوبی جس مہم پر نکلا تھا، اس کی پہلی منزل اسے کسی کاوش کے بغیر مل گئی۔ وہ خدا کے حضور سجدے میں گر گیا۔ اس کے بعد اس نے جوردیک کے ساتھ آگے کا پلان بنانا شروع کر دیا۔ مشکل ایک ہی تھی کہ جوردیک کے دستوں کو سردی میں لڑنے کی مشق نہیں کرائی گئی تھی۔ تاہم اس قلعے کو اڈہ (بیس) بنا لیا گیا۔ جوردیک کے دستوں کو ایسے طریقے سے تقسیم کیا گیا جس سے یہ دشواری ختم ہو گئی کہ وہ سردی میں نہیں لڑ سکیں گے، مگر سپاہیوں کو پتہ چلا تو انہوں نے احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ وہ سلطان ایوبی کی فوج کے ساتھ آگے جائیں گے اور لڑیں گے۔

آگے حمص کا قلعہ تھا۔ سلطان ایوبی نے کُوچ کا وقت ایسا رکھا کہ حمص تک رات کو پہنچا جائے۔ اُس نے اسی ہراول کو آگے بھیجا لیکن اب کے اس نے ڈیپلائے میں کچھ رد و بدل کر دیا کیونکہ حمص میں اُسے کوئی توقع نہیں تھی کہ قلعہ بغیر لڑے اس کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اس نے دیکھ بھال کے لیے ایک پارٹی آگے بھیج دی تھی جس نے راستے میں اطلاع دی تھی کہ قلعے کا محل وقوع کیا ہے اور گرد و پیش کے احوال و کوائف کیا ہیں۔ سلطان ایوبی نے چند دستے اس طرف بھیج دیئے، ادھر سے مدد وغیرہ آنے کی توقع تھی۔ اس نے اپنی رسد حماۃ کے قلعے میں جمع کر لی اور رسد آگے لے جانے کے راستے کو کئی گشتی پارٹیوں اور چھاپہ ماروں کے ذریعے محفوظ کر لیا۔ اس کے ساتھ حماۃ کا ایک دستہ بھی تھا۔ سلطان ایوبی کی کوشش یہ تھی کہ حلب تک اس کے حملے کی خبر نہ پہنچے تاکہ وہ دشمن کو بے خبری میں جا دبوچے۔

جس نے اس کا انتظام کر دیا تھا۔ اپنے آدمی حلب کے راستے پر پھیلا دیئے تھے جن کے لیے یہ حکم تھا کہ وہ کسی بھاگے ہوئے فوجی کو یا کسی ایسے غیر فوجی کو جسے یہ معلوم ہو کر حملہ شروع ہو چکا ہے، روک لیں۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ قلعہ دار اور اس کے کمانڈر ایک وسیع کمرے میں شراب سے دل بہلا رہے تھے۔ انہوں نے دو ناچنے والیاں بلا رکھی تھیں۔ کمرے میں طبل و سارنگ اور رقص و سُرود کا پُر رونق ہنگامہ بپا تھا۔ سپاہی بے فکری کی نیند سو گئے تھے اور جو ڈیوٹی پر تھے وہ سردی سے بچنے کے لیے کسی نہ کسی اوٹ میں کھڑے تھے۔ رات یخ تھی۔ کمانڈروں نے سب کو بتا رکھا تھا کہ سردیوں کے موسم میں جنگ کا کوئی خطرہ نہیں۔

"ہم اسی لیے نور الدین زنگی کے مرنے کی دعائیں کرتے تھے کہ اسی دنیا میں جنت دیکھ لیں" — قلعہ دار نے شراب کا پیالہ اوپر کر کے کہا — "اب صلاح الدین ایوبی آیا ہے۔ خدا اُسے بھی جلدی اٹھائے گا۔"

"اُسے ہم اٹھائیں گے" — ایک کمانڈر نے کہا — "ذرا موسم کھل جانے دو۔"

قلعے کی دیوار پر کھڑے ایک سنتری نے اپنے ساتھی سے کہا — "وہ دیکھو، آگ جل رہی ہے۔"

"جلنے دو" — اس کے ساتھی نے کہا — "کوئی قافلہ ہوگا۔"

اتنے میں آگ کے تین چار گولے ہوا میں بلند ہوئے جو قلعے کی طرف آئے اور ان دونوں سنتریوں کے اوپر سے گزر کر قلعے کے اندر جا گرے۔ اُن کے پیچھے اور گولے آئے۔ یہ شعلوں کے گولے تھے۔ پھر کئی اور گولے آئے۔ ان میں سے کچھ سامان پر پڑے اور آگ لگ گئی۔ نقارے اور گھڑیال بج اُٹھے۔ قلعہ دار کی محفل میں اودھم بپا ہو گیا۔ سب دوڑتے قلعے کی دیوار پر گئے۔ ان پر تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ دروازے کے سنتریوں نے شور بپا کر دیا کہ دروازہ جل رہا ہے۔ سلطان ایوبی کے جانباز دستے نے دروازے پر آتش گیر مادہ پھینک کر آگ لگا دی تھی۔ چیخ چلا کر قلعے کے اندر کی فوج کو بیدار کیا گیا۔ قلعے سے بھی مزاحمت شروع ہو گئی لیکن باہر سے اتنے تیر آ رہے تھے کہ سر اٹھانا محال ہو رہا تھا۔ سلطان ایوبی کی منجنیقوں نے قلعے کو جہنم بنا دیا تھا۔ قلعے کے کماندار چلّا چلّا کر اپنے سپاہیوں کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ سپاہی اندھا دھند تیر چلا رہے تھے۔

"ہتھیار ڈال دو" — سلطان ایوبی کی طرف سے کوئی للکار رہا تھا — "ہتھیار ڈال دو۔ تمہیں کہیں سے بھی مدد نہیں مل سکتی۔ جانیں بچاؤ" — یہ اعلان بھی کیا گیا — "سلطان صلاح الدین ایوبی کے آگے ہتھیار ڈال دو۔ کسی کو جنگی قیدی نہیں بنایا جائے گا۔ اطاعت قبول کر لو۔ ہماری فوج میں شامل ہو جاؤ۔"

رات بھر اعلان ہوتے رہے اور تیروں کا تبادلہ بھی ہوتا رہا۔ صبح کی روشنی پھیلی تو قلعہ دار نے باہر کا منظر اور قلعے کی دیوار پر اپنے سپاہیوں کی لاشیں دیکھ کر سفید جھنڈا چڑھانے کا حکم دے دیا۔ یہ قلعہ بھی سر کر لیا گیا۔ قلعہ دار اور کمانڈروں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ سلطان ایوبی قلعے میں داخل ہوا۔ کمانڈروں سے اتنا ہی کہا — "خدا تمہیں معاف کرے" — اور حکم دیا کہ ان سب کو ان کے سپاہیوں کے ساتھ دمشق بھیج دیا جائے۔ سلطان ایوبی انہیں اپنی فوج میں شامل نہیں کر سکتا تھا کیونکہ ان کی وفاداری ابھی مشکوک تھی۔ اس قلعے میں اسلحہ اور رسد کا خاصا ذخیرہ تھا۔ وہاں شراب بھی تھی اور دو ناچنے والیاں بھی۔ شراب باہر انڈیل دی گئی اور ناچنے والیوں کو بھی اُن کے آدمیوں کے ساتھ دمشق بھیج دیا گیا۔ سلطان

ایوبی نے حمص کے قلعے کو دوسرا اڈہ بنا لیا اور حماۃ کے قلعہ کا ایک دستہ وہاں لگا دیا۔

اگلا قلعہ حلب کا تھا جو حلب شہر سے ذرا ہی دور تھا۔ وہاں بھی وہی ہُوا جو حمص میں ہُوا تھا۔ سلطان ایوبی کا حملہ ناگہانی تھا۔ اس نے قلعے والوں کو بے خبری میں جا لیا تھا۔ اُس کے سپاہیوں کا مورال دو قلعے سر کر لینے سے اور زیادہ مضبوط ہو گیا تھا۔ انہوں نے حلب کا قلعہ بھی سر کر لیا اور اس کے دستوں کو کمانڈروں سمیت دمشق بھیج دیا گیا مگر اس مرحلے پر آ کر رازداری ختم ہو گئی۔ ہتھیار ڈالنے والے سپاہیوں میں سے کوئی فرار ہو گیا یا کسی اور نے حلب اطلاع دے دی کہ سلطان ایوبی نے حماۃ، حمص اور حلب کے قلعے لے لیے ہیں اور وہ حلب کی طرف بڑھ رہا ہے۔ سلطان ایوبی کو معلوم نہ ہو سکا کہ اس کا رازداری والا حربہ بیکار ہو چکا ہے۔ اس نے پیش قدمی کی رفتار بھی ختم کر دی جس کی وجہ یہ تھی کہ جو دستے حمص اور حلب کے قلعوں کو محاصرے میں لے کر راتوں کو لڑے تھے، انہیں آرام کے لیے پیچھے بھیجنا اور ان کی جگہ تازہ دم دستے آگے لانا ضروری تھا۔ اسے اب فوج کو ملی ہوئی ترتیب میں آگے بڑھانا تھا، کیونکہ حلب شہر کی لڑائی قلعے کے محاصرے سے مختلف تھی۔ نئی ترتیب میں بھی کچھ وقت لگ گیا۔ سلطان ایوبی بہت محتاط تھا کیونکہ اصل لڑائی تو اب آ رہی تھی اور صلیبی فوج کے آنے کا امکان بھی تھا۔

٭

حلب اطلاع جلدی پہنچ گئی تھی۔ صلیبی مشیر وہاں موجود تھے۔ پہلے تو وہ اس پر حیران ہوئے کہ سلطان ایوبی نے سردیوں میں حملہ کیا ہے۔ پھر وہ خوش ہوئے کہ اس کی فوج صحرائی جنگوں کی عادی ہے۔ وہ ان چٹانی علاقوں میں لڑ نہیں سکے گی۔ انہیں یہ احساس تھا کہ حلب کی فوج بھی اس علاقے میں نہیں لڑ سکے گی۔ انہوں نے دو ترکیبیں سوچیں۔ ایک یہ کہ سلطان ایوبی کو اپنی پسند کے میدان میں لڑائیں اور دوسری یہ کہ یہاں صلیبیوں کی وہ فوج لائی جائے جو یورپ سے آئی ہے۔ ریمانڈ کی فوج میں ایسے سپاہیوں کی اکثریت تھی۔ چنانچہ فوری طور پر ریمانڈ کو تیز رفتار قاصدوں کے ذریعے اطلاع بھیج دی گئی کہ سلطان ایوبی حلب کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اُسے عقب سے گھیرے میں لیا جائے۔

وقت حاصل کرنے کے لیے انہوں نے یہ انتظام کیا کہ سلطان ایوبی کو حلب کے محاصرے میں زیادہ سے زیادہ دیر تک اُلجھائے رکھا جائے تاکہ ریمانڈ کو اپنی فوج لانے کے لیے وقت مل جائے۔ صلیبی مشیروں نے راز داری پر توجہ دی۔ انہیں معلوم تھا کہ شہر میں سلطان ایوبی کے جاسوس موجود ہیں۔ چنانچہ انہوں نے شہر کی ناکہ بندی کر دی۔ فوراً اعلان کر دیا گیا کہ شہر سے باہر کوئی نکلے گا اسے خبردار کیے بغیر تیر مار دیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی مسجدوں میں اعلان کیا گیا کہ سلطان ایوبی جنگی طاقت اور بادشاہی کے نشے میں حملہ آور ہُوا ہے۔ صلیبی ذہنی تخریب کاری کے ماہر تھے۔ انہوں نے پروپیگنڈے کی نئی مہم چلا دی۔ گھر گھر، گلی گلی، مسجد مسجد اس قسم کی افواہیں پھیلا دیں کہ سلطان ایوبی کی فوج جس شہر کو فتح کرتی ہے وہاں کی تمام لڑکیوں کو جمع کر کے آبرو ریزی کرتی ہے۔ شہر کو لوٹ کر آگ لگا دیتی ہے اور یہ بھی کہ سلطان ایوبی نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے اور وہ نیا مذہب لا رہا ہے جو کفر ہے۔ ایسی بہت سی افواہیں پھیلائی گئیں۔ سلطان ایوبی کے خلاف نفرت پیدا کرنے کا عمل تو چھ مہینوں سے جاری تھا۔ لوگوں میں سلطان ایوبی کے خلاف جنگی

جنون پیدا کر دیا گیا تھا۔ آخر کار ان تازہ افواہوں نے لوگوں کو آگ بگولا کر دیا اور وہ مرنے مارنے کے لیے تیار ہو گئے۔

شہر کی ناکہ بندی نے سلطان ایوبی کے جاسوسوں کو بیکار کر دیا۔ انہوں نے شہر کے باشندوں میں جو قہر اور غضب
دیکھا اس کے سامنے بھی وہ بے بس ہو گئے۔ ایک جاسوس شہر سے نکلنے کی کوشش میں مارا گیا۔ وہ سلطان ایوبی کو اطلاع
دینا چاہتا تھا کہ شہر کی کیفیت کیا ہے اور وہ کسی خوش فہمی میں مبتلا ہو کر نہ آئے۔ جاسوس نے سرپٹ گھوڑا بھگایا مگر دو
تیروں نے اُسے گرا دیا۔ جاسوسوں کے کمانڈر نے (جو عالم کے بہروپ میں تھا) شہریوں میں صلیبی پروپیگنڈے کے
خلاف مہم چلائی مگر اس کے آدمیوں نے جہاں بھی بات کی منہ کی کھائی۔

الصالح نے صلیبی مشیروں کے مشورے پر والیٔ موصل سیف الدین کو بھی اطلاع بھیج دی کہ مدد کے لیے آ جائے۔
حسن بن صباح کے فدائیوں کے پیر و مرشد شیخ سنان کو اطلاع بھیجی گئی کہ وہ جو اُجرت مانگے گا اُسے دی جائے گی،
صلاح الدین ایوبی کو قتل کرا دے خواہ اُس کے کتنے ہی آدمی کیوں نہ مارے جائیں۔ شیخ سنان کا ایک حملہ ناکام ہو چکا
تھا جو اُس نے سلطان ایوبی کے ایک محافظ پر نشہ طاری کرکے اس سے کرایا تھا۔ اب اس نے ان فدائیوں کو بلایا
جو زندگی اور موت کو کچھ سمجھتے ہی نہیں تھے۔ وہ برائے نام انسان تھے۔ مر جانا اور کسی کو مار دینا اُن کے لیے کوئی مطلب
نہیں رکھتا تھا۔ ان میں مفرور قاتل بھی تھے۔ شیخ سنان نے انہیں کہا کہ انہیں منہ مانگی اُجرت ملے گی وہ سلطان
ایوبی کو قتل کر دیں۔ ان میں سے نو آدمی تیار ہو گئے۔ الصالح کے حامیوں میں سب سے زیادہ کینہ پرور اور شیطان
فطرت آدمی گمشتگین تھا جسے گورنر کا درجہ حاصل تھا۔ وہ بظاہر سلطان ایوبی کے خلاف تھا مگر وہ دوست کسی
کا بھی نہیں تھا۔ الصالح کو خوش کرنے کے لیے اس نے اس کی حمایت کی اور صلیبیوں کے ساتھ دوستی کا اظہار اس
طرح کیا کہ اس کے قلعے میں بہت سے صلیبی جنگی قیدی تھے، ان سب کو رہا کر دیا۔ اب حلب کی اس اطلاع پر کہ
سلطان ایوبی کی فوج آ گئی ہے، اس نے اپنی فوج بھیج دی اور خود بھی لڑنے کا وعدہ کیا۔

یہ ایک طوفان تھا جو سلطان ایوبی کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا۔ اتنے زیادہ دشمنوں کے مقابلے میں اس کی نفری
تھوڑی تھی اور اب اُس کے جاسوس بیکار ہو جانے کی وجہ سے اسے پتہ ہی نہیں چل رہا تھا کہ دشمن کے کیمپ میں
کیا ہو رہا ہے۔ وہ ابھی تک اس خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ وہ حلب والوں کو بھی بے خبری میں جا لے گا۔ تاہم وہ معمولی
قسم کا جنگجو نہیں تھا۔ اس نے عقب اور پہلوؤں کی حفاظت کا انتظام کر رکھا تھا۔ اس نے کم سے کم تعداد سے حملہ کرنے
کا فیصلہ کیا۔ اس کے دیکھ بھال کے دستے آگے چلے گئے۔ آگے علاقہ چٹانی، پتھریلا اور نشیب و فراز کا تھا اور راستے
میں ایک درمیانہ سا دریا بھی تھا۔

☆

جنوری ۱۱۷۵ء کا مہینہ شروع ہو چکا تھا۔ سردی اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔ سلطان ایوبی نے فوج کی ایک چوتھائی
نفری حملے کے لیے منتخب کی۔ محفوظہ میں اس نے زیادہ دستے رکھے۔ اس نے جب پیش قدمی کی تو دیکھ بھال کرنے
والے دستوں نے اطلاع دی کہ دریا کے اُس طرف ایک وسیع و عریض نشیب ہے، وہاں دشمن کی فوج تیاری کی حالت
میں موجود ہے۔ یہی وہ مقام تھا جہاں سے دریا عبور کیا جا سکتا تھا۔ سردیوں کے موسم میں دریا میں پانی گہرا نہیں تھا۔

اس مقام پر پاٹ پھیل جانے سے پانی اور بھی کم تھا۔ گھوڑے اور انسان آسانی سے گزر سکتے تھے۔ یہیں دشمن نے
اپنی فوج پھیلا رکھی تھی۔ سلطان ایوبی کو بتایا گیا کہ رات کو اس فوج کے چند ایک سنتری بیدار ہوتے ہیں اور دن کے
دوران گشتی پارٹیاں ہر طرف گھومتی پھرتی رہتی ہیں۔

اس اطلاع سے شک ہوا کہ حلب والوں کو اُس کی آمد کی اطلاع مل گئی ہے اور وہ انہیں بے خبری میں نہیں
لے سکے گا۔ اُس نے دیکھ بھال کے لیے اس مقام سے دور کے علاقے میں اپنے آدمی بھیجے تاکہ معلوم کیا جا سکے کہ
دریا کسی اور جگہ سے عبور کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ نشیب میں دشمن کی فوج
کو دھوکہ دے کر حملہ اور پیش قدمی اسی طرف سے ہو گی۔ اُس نے اسی رات چھاپہ مار روانہ کر دیئے۔ اس کا اپنا ہیڈ
کوارٹر وہاں سے پانچ چھ میل دُور تھا۔ دریا کے کنارے دشمن کی جو فوج تھی وہ بھی اس خوش فہمی میں مبتلا تھی کہ
اتنی یخ راتوں کو حملہ نہیں ہو سکتا۔

نصف شب کے قریب سپاہی خیموں میں دبکے پڑے تھے۔ کمانڈر بے خبر سو رہے تھے۔ صرف سنتری جاگ
رہے تھے۔ ایک سنتری سردی میں ٹھٹھرا کھڑا تھا۔ پیچھے سے کسی نے اس کی گردن دبوچ لی۔ کسی اور نے اسے اٹھا لیا۔
یہ سلطان ایوبی کے دو چھاپہ مار تھے۔ وہ سنتری کو اٹھا کر لے آئے اور اس سے پوچھا کہ گھوڑے کہاں بندھے ہوئے
ہیں۔ اس کے سینے پر دو تلواروں کی نوکیں رکھی ہوئی تھیں۔ سنتری کو معلوم تھا کہ یہ سلطان ایوبی کے سپاہی ہیں۔ اس
نے ان سے التجا کی کہ میں تمہارا مسلمان بھائی ہوں۔ یہ بادشاہوں کے جھگڑے ہیں۔ ہم ایک دوسرے کا خون کیوں
بہائیں۔ اس نے بتایا کہ گھوڑے ایک جگہ نہیں بندھے ہوئے۔ چونکہ فوج تیاری کی حالت میں ہے، اس لیے
گھوڑے، سواروں کے خیموں کے ساتھ دو دو تین تین کرکے بندھے ہوئے ہیں۔ چھاپہ مار اُسے اُس کے کیمپ
کے قریب لے گئے اور پوچھا کہ دستوں کے کمانڈر کہاں کہاں ہیں۔ اس نے اندازہ کرکے ان کے خیموں کی سمتیں
بتا دیں۔

اُسے ساتھ ہی پیچھے لے آئے اور اُسے کہا کہ یہاں کھڑے رہو اور تماشہ دیکھو۔ وہاں چھوٹے سائز کی
ایک منجنیق رکھی تھی۔ اس میں چھاپہ ماروں نے ایک ہانڈی سی رکھی۔ چار آدمیوں نے اُسے پیچھے کھینچا اور چھوڑ دیا۔
ہانڈی غلیلے کی طرح اُڑ گئی۔ دوسری ہانڈی کسی اور طرف پھینکی گئی۔ پھر دو اور پھینکی گئیں۔ یہ سب دشمن کے کیمپ میں
گریں۔ سنتریوں نے "کون ہے، کون ہے" کی صدائیں لگائیں۔ کہیں سے جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر آئے جو زمین پر
لگے۔ ہانڈیاں وہیں گر کر ٹوٹی تھیں۔ اُن کے اندر سے سیال مادہ نکل کر بکھر گیا تھا۔ یہ آتش گیر تھا۔ تیروں کے فلیتوں نے
اُسے آگ لگا دی۔ دو خیموں کو بھی آگ لگ گئی۔ زمین شعلے اُگل رہی تھی۔ کیمپ میں بھگدڑ مچ گئی۔ گھوڑے رسیاں تڑانے
لگے۔ سپاہی اُٹھ کر اِدھر اُدھر دوڑے تو چھاپہ ماروں نے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ یہ خیمہ گاہ ایک میل سے زیادہ لمبے
چوڑے علاقے میں تھی۔ پیشتر اس کے کہ کمانڈر جوابی کارروائی کرتے چھاپہ مار تباہی مچا کر غائب ہو چکے تھے۔

سحر ابھی نیم تاریک تھی۔ کیمپ کی حالت خاصی بُری تھی۔ آگ نے بھی نقصان کیا تھا لیکن چھاپہ ماروں کے تیروں
سے اور بدکے ہوئے گھوڑوں تلے آ کر بہت سے سپاہی ہلاک اور زخمی ہوئے تھے۔ سحر تک انہیں اٹھاتے اور سنبھالتے

رہے۔ اچانک ایک طرف سے کسی نے چلا کر کہا۔۔۔ "ہوشیار۔ ہوشیار"۔۔۔ ایک بار پھر قیامت بپا ہوگئی، مگر اب کے چھاپہ مار نہیں تھے۔ یہ سلطان ایوبی کے ایک دستے کا باقاعدہ حملہ تھا۔ دشمن اس جگہ ہر لمحہ تیاری کی حالت میں رہتا تھا لیکن رات کو چھاپہ مار اس کی حالت ایسی بنا گئے تھے کہ تیاری ختم ہو گئی تھی۔ دشمن کے سپاہیوں نے جم کر لڑنے کی بہت کوشش کی لیکن اُن کے پاؤں جم نہ سکے۔ سلطان ایوبی ان کا دم خم پہلے ہی ختم کرا چکا تھا۔ پھر بھی دونوں فریقوں کا خاصا نقصان ہوا۔ دشمن کے سپاہی پسپا ہونے لگے۔ کمانڈروں نے انہیں بہت للکارا مگر دوسری طرف کی للکار اُن کے لڑنے کے جذبے کو تباہ کر رہی تھی۔ سلطان ایوبی کے سپاہی اُن پر چلا رہے تھے۔۔۔ "تم کافروں کے دوست ہو۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔ اپنا حشر دیکھو۔ تم پر خدا کا قہر نازل ہو رہا ہے۔"

سلطان ایوبی نے اپنی فوج کے نہایت معمولی سے سپاہی کے ذہن میں بھی اتار دیا تھا کہ تم حق پر ہو اور کفار کے دوست مُرتد ہیں۔ اس کے مقابلے میں خلیفہ کی فوج کے پاس ایسا کوئی مقصد اور کوئی نعرہ نہیں تھا۔

دشمن کے سپاہی بکھر گئے۔ بہت سے پسپا ہو کر دریا پار کر گئے اور کچھ ادھر اُدھر وادیوں اور نشیبی جگہوں میں جا چھپے۔ سلطان ایوبی نے حملہ آور دستے کے کمانڈر کو حکم دے رکھا تھا کہ دشمن کی پسپائی کی صورت میں اپنا کوئی دستہ جیش یا کوئی سپاہی دریا پار نہ کرے۔ اس نے اس کیمپ پر حملہ کر کے دراصل دشمن کو دھوکہ دیا تھا۔ وہ تعاقب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ آگے کے تفصیلی جائزے اور مشاہدے کے بغیر کبھی پیش قدمی نہیں کرتا تھا۔ وہ دریا کہیں دُور سے پار کرنا چاہتا تھا لیکن دشمن نے یہیں سے اُسے راستہ دے دیا تو اس نے یہیں سے دریا پار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ خود آگے گیا۔ اس کے سپاہی اِدھر اُدھر چھپے ہوئے دشمن کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ختم کر رہے تھے۔ ہتھیار ڈالنے والوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اس نے ایک بلند چٹان پر جا کر میدانِ جنگ کا منظر دیکھا تو خوشی کی بجائے اس کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔

"یہ نظارہ دیکھ کر خدا بھی رو رہا ہوگا"۔ سلطان ایوبی نے اپنے پاس کھڑے نائبین سے کہا۔۔۔ "دونوں طرف کس کا خون بہہ گیا ہے؟ ... مسلمان کا۔ یہ ہے اسلام کے زوال کی نشانی۔ اگر مسلمان ہوش میں نہ آئے تو کفار انہیں اسی طرح لڑا لڑا کر ختم کر دیں گے۔ میرے رفیقو! مجھے کوئی یقین دلا دے کہ میں حق پر نہیں تو میں اپنی تلوار الصالح کے قدموں میں رکھ دوں گا۔"

"آپ حق پر ہیں سلطان محترم!" کسی نے کہا۔۔۔ "ہم حق پر ہیں۔ دل سے اب وسوسے نکال دیں۔"

حلب شہر میں ہر آدمی آگ کا شعلہ بنا ہوا تھا۔ سلطان ایوبی کے دستے دریا پار کر گئے تھے۔ حلب سامنے نظر آ رہا تھا۔ سلطان ایوبی نے شہر کو دیکھا۔ اس کی وسعت، ساخت اور دفاعی انتظامات دیکھے اور جائزہ لیا کہ محاصرہ کیا جائے یا سیدھا حملہ کر کے شہر کے اندر لڑا جائے۔ اُسے ابھی تک معلوم نہیں تھا کہ شہر کے اندر کی جذباتی کیفیت کیا ہے۔ اُسے توقع تھی کہ شہری چونکہ مسلمان ہیں اس لیے وہ دو مسلمان فوجوں کی جنگ کے خلاف ہوں گے۔ غالباً اسی توقع نے اُس سے وہ کارروائی کرائی جس نے اُسے پریشان کر دیا۔ اس نے نفری سے نیم محاصرے کی ترتیب میں اپنے دستے آگے بڑھائے۔ لڑائی کی ابتدا تیروں کے تبادلے سے ہوئی لیکن کچھ ہی دیر بعد اس نے محسوس کیا جیسے اس کے دستے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ حلب کے دفاع میں لڑنے والوں کا یہ عالم تھا کہ ایک طرف سے کم و بیش دو سو گھوڑ سوار نکلے۔ انہوں

نے سلطان ایوبی کے ایک دستے کے ایک پہلو پر حملہ کر دیا۔ یہ بڑا ہی تیز اور دلیرانہ حملہ تھا جو پیادہ دستے پر کیا گیا تھا۔ اُس کے سواروں نے جوابی حملہ بول کر اپنے پیادہ دستے کو بچانے کی نہایت اچھی کوشش کی لیکن گھوڑوں کے تصادم میں اپنے ہی پیادے کچلے گئے۔ پھر یوں ہونے لگا کہ شہر سے ایک جیش پیادہ یا سوار نکلتا۔ ان کے پیچھے سے شہر کی منڈیروں اور بلند جگہوں سے تیروں کی بوچھاڑیں آتیں اور حملہ کرنے والے جیش سلطان ایوبی کی صفوں میں گھس جاتے۔ حلب کا یہ معرکہ بڑا ہی خونریز تھا۔

اس کیفیت میں سلطان ایوبی کے دو تین جاسوس باہر نکل آئے اور سلطان ایوبی کو ڈھونڈتے اُس تک پہنچ گئے۔ انہوں نے بتایا کہ شہریوں کو کس طرح اس کے خلاف بھڑکایا گیا ہے اور شہر کے دفاع میں لڑنے والے اتنے فوجی نہیں جتنے شہری ہیں۔ سلطان ایوبی کو یہ تو پہلے ہی معلوم تھا کہ حلب کے باشندوں پر اس کے خلاف جنگی جنون طاری کیا جا رہا ہے لیکن اُسے اندازہ نہیں تھا کہ شہری اس پاگل پن سے لڑیں گے۔ وہ اُن کی دلیری پر عش عش کر اُٹھا لیکن بڑے افسوس کے ساتھ کہنے لگا۔۔۔ "یہ ہے مسلمان کی شان۔ ان کا عسکری جذبہ دیکھو۔ کفار مسلمان کے اسی جذبے کو ختم کر رہے ہیں۔"

سلطان ایوبی نے اپنے دستوں کو پیچھے ہٹا لیا۔ اُسے کسی نائب نے مشورہ دیا کہ شہر پر منجنیقوں سے آگ پھینکی جائے۔ سلطان ایوبی نے یہ مشورہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا کہ شہریوں کے گھر تباہ ہو جائیں گے۔ ان کی عورتیں اور بچے مارے جائیں گے۔ اسی لیے میں نے تباہ کار چھاپہ ماروں کو نہیں بھیجا۔ اگر یہ شہر صلیبیوں کا ہوتا تو اب تک شعلوں کی لپیٹ میں اور میرے چھاپہ ماروں کی زد میں ہوتا۔ جو مسلمان میدانِ جنگ میں آ کر لڑتے اور مرتے ہیں انہیں میں روک نہیں سکتا اور جو گھروں میں بیٹھے ہیں انہیں مارنا نہیں چاہتا۔ اُس نے چند اور دستے آگے بلا کر شہر کو مکمل محاصرے میں لے لیا اور حکم دیا کہ دفاع میں لڑا جائے۔ حملہ ہو تو روکا جائے حملہ نہ کیا جائے اور محاصرہ مضبوط رکھا جائے۔ نفری کی بھی کمی تھی اور شہر کو تباہی سے بچانے کا خیال بھی تھا۔

جنوری ۱۱۷۵ء کا پورا مہینہ محاصرہ جاری رہا۔ حلب کی فوج اور شہریوں نے محاصرہ توڑنے کے لیے حملے کیے لیکن اب وہ کامیاب نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ سلطان ایوبی نے اپنے دستوں کی ترتیب اور سکیم بدل دی تھی۔ یکم فروری ۱۱۷۵ء کی صبح سلطان ایوبی کو اطلاع ملی کہ تریپولی کا صلیبی حکمران ریمانڈ حماۃ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اُسے ریمانڈ کی فوج کی نفری (پیادہ اور سوار) کی اطلاع بھی دی گئی۔ سلطان ایوبی کو پہلے ہی توقع تھی کہ یہ صورت بھی پیدا ہو گی۔ اس کے لیے وہ تیار تھا۔ اس نے اس کے لیے دستے محفوظ رکھے ہوئے تھے اور ایسی جگہ رکھے ہوئے تھے جہاں سے وہ ریمانڈ کے استقبال کے لیے بروقت پہنچ سکتے تھے۔ اس نے یہ اطلاع ملتے ہی اپنے قاصد کو اس پیغام کے ساتھ اُن دستوں کی طرف دوڑا دیا کہ جس قدر جلدی ہو سکے الرستان کے علاقے میں پہنچ کر بلندیوں پر تیر انداز بٹھا دو۔ سوار دستے پیچھے رکھو۔ میں آ رہا ہوں۔ اگر صلیبی فوج مجھ سے پہلے آ جائے تو سامنے کی ٹکر نہ لینا۔ گھات لگانا اور شبخون مارنا۔

الرستان ایک پہاڑی سلسلے کا نام تھا۔ ریمانڈ کو اس میں سے گزر کر آنا تھا۔ ریمانڈ کی پیش قدمی کا راستہ

اس کے پلان کے مطابق موزوں تھا۔ وہ حماۃ تک پہنچ کر سلطان ایوبی کے عقب کے لیے اور رسد وغیرہ کے راستوں کے لیے خطرہ بن سکتا تھا۔ بہرصورت یہ ہوجاتی کہ سلطان ایوبی حلب کی فوج اور ریمانڈ کی فوج (جو یقیناً برتر اور زیادہ تھی) کے درمیان پس جاتا۔ اس نے دوسرا اقدام یہ کیا کہ حلب کا محاصرہ اٹھا دیا اور اس سے ان دستوں کو کسی اور سمت روانہ کر دیا۔ خود الرستان کی طرف چلا گیا۔ وہاں کی چوٹیوں پر برف پڑی ہوئی تھی۔ ریمانڈ خوش تھا کہ اس موسم میں سلطان ایوبی کے صحرائی سپاہی اس کے یورپی اور اسی علاقے کے رہنے والے عیسائی سپاہیوں سے نہیں لڑ سکیں گے۔ مگر وہ آگے آیا تو برف پوش پہاڑی سلسلۂ کوہ سے اُس پر تیر برسنے لگے۔ یہ اُس کے لیے بلائے ناگہانی تھی۔

اس نے لڑے بغیر اپنی فوج پیچھے ہٹالی۔ اسے ہر جگہ گھات کا خطرہ تھا۔ وہ سلطان ایوبی کے لڑنے کے انداز سے اچھی طرح واقف تھا۔ اُس نے بہت پیچھے ہٹ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ وہ اپنے راستے پر نظرثانی کرنا چاہتا تھا۔ موسم بگڑ گیا۔ بارشیں شروع ہوگئیں۔ سات آٹھ دنوں میں گھوڑوں کا خشک چارہ ختم ہوگیا۔ اناج کی بھی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس نے رسد کا انتظام نہایت اچھا رکھا تھا۔ وہاں تک اُسے باقاعدگی سے رسد پہنچ رہی تھی مگر کئی دن پیچھے سے نہ رسد آئی نہ کوئی اطلاع۔ اس نے قاصد بھیجا جو واپس آگیا اور یہ پیغام لایا کہ سلطان ایوبی کی فوج نے راستہ روک رکھا ہے۔ ریمانڈ بہت حیران ہُوا کہ سلطان ایوبی اتنی جلدی یہاں کیسے پہنچ گیا؟ — اس نے اپنے دو افسروں کو پیچھے کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا۔

یہ دو افسر تین چار روز بعد واپس آئے۔ انہوں نے تصدیق کی کہ سلطان ایوبی نے رسد کا راستہ روک لیا ہے اور یہ بھی کہ اس نے حلب کا محاصرہ اٹھا لیا ہے۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا فرض ادا ہوگیا ہے۔" ریمانڈ نے کہا — "فوج کو واپس تریپولی لے چلو۔"

☆

یہ اطلاع سلطان ایوبی کے لیے حیران کُن تھی کہ ریمانڈ لڑے بغیر واپس کُوچ کر گیا ہے۔ ریمانڈ نے واپسی کا جو راستہ اختیار کیا تھا وہ دشوار گزار تھا لیکن وہ اس راستے سے نہیں جانا چاہتا تھا جس سے آیا تھا۔ وہ سلطان ایوبی سے لڑنے کا ارادہ ترک کر چکا تھا۔ یورپی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ وہ لڑنا نہیں چاہتا تھا، لیکن حقیقت یہ تھی کہ سلطان ایوبی نے اُسے لڑنے کی پوزیشن میں نہیں رہنے دیا تھا وہ اسی سے گھبرا گیا تھا کہ مسلمان فوج اتنی سردی میں ایسی خوبی سے لڑ رہی ہے جیسے صحرا میں لڑتی ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ سلطان ایوبی اُس کے عقب میں اور رسد کے راستے میں جا بیٹھا تھا۔ تیسری اور سب سے بڑی وجہ کچھ اور تھی جس کا انکشاف بعد میں ہُوا۔ وہ دراصل الصالح اور اُس کے اُمراء کو دھوکہ دے گیا تھا۔ اس نے بے بہا خزانے کی شکل میں اُجرت لے لی تھی۔ اُسے اب لڑنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اس کا یہ مقصد (جو صلیبیوں کا بنیادی مقصد تھا) پورا ہو چکا تھا کہ مسلمان آپس میں ٹکرا جائیں۔ صلیبی مسلمان قوم کی فوج کو دو حصوں میں کاٹ چکے تھے اور ان دونوں حصوں میں جنگ شروع ہو چکی تھی۔

اس کی نیت کا پتہ اُس وقت چلا جب تریپولی سے اس کا ایلچی الصالح کے نام یہ پیغام لے کر آیا: "میں نے وعدہ کیا تھا کہ صلاح الدین ایوبی نے آپ کو محاصرے میں لیا تو میں محاصرہ توڑ دوں گا۔ مجھے جونہی اطلاع ملی کہ صلاح الدین ایوبی نے حملہ کر دیا ہے، میں خود فوج لے کر آپ کی مدد کو آگیا۔ صلاح الدین ایوبی نے فوراً حلب کا محاصرہ اٹھا لیا۔ میں نے وعدہ پورا کر دیا ہے، لہٰذا ہمارا وہ فوجی معاہدہ ختم ہوگیا ہے جس کے تحت آپ نے مجھے سونا وغیرہ بھیجا تھا اور اس کے عوض میں نے آپ کو محاصرے سے بچایا۔ میرے فوجی نمائندے اور مشیروں کو فوراً واپس بھیج دیا جائے۔"

حلب والے سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ صلیبی انہیں ڈنک مار گئے تھے۔ دو مؤرخوں نے لکھا ہے کہ ریمانڈ کو یہ خطرہ بھی نظر آنے لگا تھا کہ سلطان ایوبی اس کے دارالحکومت تریپولی پر حملہ کرے گا۔ چنانچہ اس نے اپنی راجدھانی کا دفاع مضبوط کرنا شروع کر دیا۔

الصالح ابھی ناتجربہ کار تھا۔ اس کے ایک دو مشیروں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ سلطان ایوبی سے صلح کرے مگر سیف الدین اور گمشتگین وغیرہ نے اُسے مدد کا یقین دلا کر سمجھوتے اور صلح پر آمادہ نہ ہونے دیا۔ انہی میں سے کسی نے اُسے بتایا کہ صلاح الدین ایوبی چند روز کا مہمان ہے۔ فدائی آ چکے ہیں۔ وہ مذہبی پیشواؤں اور صوفیوں کے بہروپ میں صلاح الدین کے پاس یہ درخواست لے کے جا رہے ہیں کہ وہ آپس میں نہ لڑیں اور صلح کر لیں۔ سلطان ایوبی اُن کے احترام کے لیے انہیں اپنے پاس بٹھائے گا۔ اکیلے اُن کی بات سُنے گا اور فدائی اسے نہایت اطمینان سے قتل کر کے نکل جائیں گے۔

انہوں نے الصالح کو یہ خبر سُنا کر جھانسہ نہیں دیا تھا۔ جس وقت سلطان ایوبی الرستان کے سلسلۂ کوہ میں بیٹھا اپنے اگلے حملے کا پلان بنا رہا تھا، حلب میں تو پیشہ ور فدائی قاتل یہ سوچ رہے تھے کہ اسے کہاں قتل کیا جائے۔

☆ ☆

جب خدا زمین پر اُتر آیا

مصر میں جہاں آج اسوان ڈیم ہے، آٹھ سو سال پہلے وہاں ایک خونریز معرکہ لڑا گیا تھا۔ مؤرخوں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور کی اس لڑائی کا ذکر کیا ہی نہیں، اگر کیا ہے تو صرف اتنا کہ سلطان ایوبی کا ایک جرنیل باغی ہو گیا تھا۔ قاضی بہاؤالدین شدّاد نے اپنی ڈائری میں اس جرنیل کا نام بھی لکھا ہے۔ نام القنفض تھا، جس کا تلفظ القنفد ہے۔ وہ عربی مسلمان تھا۔ اس کی ماں سوڈانی تھی۔ شاید یہ سوڈانی خون تھا جس نے اُسے سلطان ایوبی کے خلاف بغاوت پر اکسایا تھا۔ اُس دور کے وقائع نگاروں اور کاتبوں کی جو غیر مطبوعہ تحریریں ملی ہیں، ان سے اس بغاوت کا پسِ منظر خاصی حد تک واضح ہو جاتا ہے۔

یہ ۱۱۷۴ء کے آخر اور ۱۱۷۵ء کے اوائل کا عرصہ تھا جب سلطان ایوبی مصر سے غیر حاضر تھا۔ اس سے پہلے پوری تفصیل سے سنایا جا چکا ہے کہ نورالدین زنگی مرحوم کی وفات کے فوراً بعد شام کے حالات اس صورت میں بگڑ گئے تھے کہ مفاد پرست اُمراء نے زنگی مرحوم کے گیارہ سالہ بیٹے کو سلطنت کی گدی پر بٹھا دیا اور صلیبیوں سے گٹھ جوڑ کر کے خود مختاری کے لیے پر چل پڑے تھے۔ سلطنتِ اسلامیہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر صلیبیوں کے پیٹ میں جا رہی تھی۔ سلطان ایوبی دمشق پہنچا۔ تھوڑی سی معرکہ آرائی اور دمشق کے شہریوں کے تعاون سے اُس نے دمشق پر قبضہ کر لیا۔ خلیفہ اور اس کے حواری اُمراء اور جرنیل حلب کو بھاگ گئے جہاں انہوں نے صلیبیوں سے جنگی مدد حاصل کی۔ صلیبیوں نے مدد کا جھانسہ دے کر مسلمان فوج کو مسلمان فوج سے ٹکرا دیا۔ سلطان ایوبی نے حمص اور حماۃ کے قلعے سر کر لیے۔ حلب کے محاصرے میں اُسے غیر متوقع مزاحمت کا سامنا ہوا۔ اس کے ساتھ ہی تریپولی کے صلیبی حکمران ریمانڈ نے حملہ کر دیا۔ سلطان ایوبی کو حلب کا محاصرہ اٹھا کر پیچھے آنا پڑا تاکہ صلیبی فوج کو راستے ہی میں روکا جا سکے۔ سلطان ایوبی کے دستوں کی برق رفتاری نے اس کی چال کو کامیاب کیا اور ریمانڈ لڑائی سے منہ پھیر گیا۔

مگر یہاں لڑائی ختم نہیں ہوئی تھی۔ اصل جنگ تو یہیں سے شروع ہوئی تھی۔ سلطان ایوبی الرستان سلسلۂ کوہ میں اپنی فوج کو پھیلائے ہوئے تھا۔ اس کا مقابلہ تین دشمنوں کے ساتھ تھا: ایک الصالح اور اس کے حواری اُمراء کی فوج تھی، دوسرے صلیبی فوج اور تیسرا موسم۔ یہ جنوری فروری ۱۱۷۵ء کے دن تھے جب پہاڑیوں کی چوٹیاں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ یخ تھکڑ چلتے تھے اور وادیاں ٹھٹھر رہی تھیں۔ سلطان ایوبی وہاں اس طرح اُلجھ گیا تھا جیسے زنجیروں میں جکڑا گیا ہو۔

مصر کے متعلق وہ مطمئن نہیں تھا۔ وہاں کی فوج کی کمان وہ اپنے بھائی العادل کے سپرد کر آیا تھا۔ اس فوج میں سے سلطان ایوبی نے کمک بھی منگوالی تھی۔ مصر پر سمندر کی طرف سے صلیبیوں کا اور جنوب سے سوڈانیوں کے حملے کا خطرہ تو تھا لیکن زیادہ خطرہ صلیبیوں اور سوڈانیوں کی زمین دوز تخریب کاری کا تھا جو مصر میں جاری تھی۔ دشمن کی جاسوسی اور تخریب کاری کو بہت حد تک دبایا جا چکا تھا مگر یہ کہنا غلط تھا کہ دشمن اس زمین دوز میدان سے بھاگ گیا ہے۔ سلطان ایوبی نے انہی خطروں سے نبرد آزما ہونے کے لیے اپنی انٹیلی جنس کے ماہر سربراہ علی بن سفیان کو قاہرہ میں رہنے دیا تھا۔ اس نے العادل کو بھی اس ضمن میں بہت سی ہدایات دے دی تھیں، مگر جو جگہ سلطان ایوبی کی غیر حاضری سے خالی ہو گئی تھی اسے العادل اور علی بن سفیان مل کر بھی پُر نہیں کر سکتے تھے۔

مصر کی سرحدوں اور ساحل کی دیکھ بھال کے لیے سرحدی دستوں کی چوکیاں اور اُن کے پہرے تھے۔ سلطان ایوبی نے العادل کو سرحدوں کے متعلق یہ حکم دے دیا تھا کہ سوڈانی سرحد پر ذرا سی بھی گڑبڑ کریں تو شدید جنگی نوعیت کی جوابی کارروائی کرو اور سوڈان کے اندر جا کر لڑو ــــ مگر ایک ضرورت ایسی تھی جس کی طرف کسی نے بھی توجہ نہ دی۔ یہ تھی سرحدی دستوں کی بدلی۔ ان دستوں میں بیشتر سپاہی اور بعض کمانڈر ایسے تھے جو دو سال سے زیادہ عرصے سے سرحد کی ڈیوٹی پر تھے۔ یہ وہ سپاہی تھے جنہوں نے دشمن سے معرکے لڑے تھے، لہٰذا ان کے دلوں میں دشمن کے خلاف نفرت بھری ہوئی تھی۔ سوڈانیوں کو تو وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں تھے۔ اُن سے پہلے جو دستے سرحد پر تھے وہ اچھے ثابت نہیں ہوئے تھے۔ ان کی موجودگی میں مصر کی منڈی سے اناج اور دیگر ضروری اشیاء سمگل ہو کر سوڈان چلی جاتی تھیں۔ سلطان ایوبی نے محاذ سے واپس آ کر ان دستوں کو بدل دیا اور وہ دستے بھیجے تھے جو محاذ سے آئے تھے۔ ان دستوں نے سرحد پر پہنچ کر اودھم بپا کر دیا تھا۔ گشتی پہرے والوں کو کوئی چیز ہلتی نظر آتی تھی تو اُسے جا دبوچتے تھے۔ وہ تیز رفتار تھے اور ان کی نظریں عقابی تھیں۔ انہوں نے سرحد صحیح معنوں میں سربمہر اور مقفل کر دی تھی۔

یہ دو اڑھائی سال پہلے کی بات تھی۔ ابتدا میں ان دستوں میں جوش اور جذبہ تھا اور کرنے کو ایک کام بھی تھا جو ایک مہم تھی۔ وہ جانفشانی سے اس میں مگن رہے۔ چند مہینوں میں ہی انہوں نے یہ مہم سر کر لی اور فارغ ہو گئے۔ یہ فراغت ان کے جذبے کو دیمک کی طرح کھانے لگی۔ سلطان ایوبی ہر پہلو، ہر گوشے اور ہر عنصر پر نظر رکھتا تھا، لیکن سرحدی دستوں کی بدلی اتنی معمولی سی بات تھی جس پر وہ ذاتی توجہ نہ دے سکا۔ سرحدی دستوں کا شعبہ الگ تھا جس کا کمانڈر سالار (جرنیل) کے عہدے کا ایک فرد تھا اور یہ القند تھا۔ یہ اُس کے فرائض میں شامل تھا کہ وہ سال میں تین بار نہیں تو دو بار سرحدی دستوں کی بدلی کرتا رہتا۔ اُس نے یہ بے حد ضروری کارروائی نہ کی۔ اس کوتاہی کے اثرات سامنے آنے لگے۔

سپاہی ایک ہی قسم کے ماحول اور فضا میں اور ایک ہی قسم کی زمین پر رہتے اور پہرے دیتے اکتاہٹ محسوس کرنے لگے۔ سوڈان خاموش تھا۔ سمگلنگ بند ہو چکی تھی۔ فراغت اور کاہلی سپاہیوں کی نفسیات پر تخریبی اثرات ڈال رہی

تھی۔ اُن کے لیے کام بھی نہیں تھا اور اُن کے لیے تفریح بھی کوئی نہیں تھی۔ موسم میں بھی کوئی تبدیلی نہیں آتی تھی۔ ریت کا سمندر اور ریت کے ٹیلے ایک ہی جیسے تھے جیسے صدیوں سے چلے آ رہے تھے۔ آسمان کا رنگ ایک ہی جیسا رہتا تھا۔ اس کیفیت اور سپاہیوں کی اکتاہٹ کا پہلا اثر یہ دیکھنے میں آیا کہ وہ گشتی پہرے پر جاتے تو راہ جاتے مسافروں سے یہ پوچھنے کی بجائے کہ وہ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں اور ان کے پاس کیا ہے، وہ انہیں روک کر ان سے گپ شپ لگاتے اور اُن سے اِدھر اُدھر کی باتیں پوچھتے۔ یہ دل بہلانے کا ایک ذریعہ تھا۔

جن چوکیوں کی ذمہ داری کے علاقے میں کوئی گاؤں تھا، سپاہی وہاں چلے جاتے اور گپ بازی سے دل بہلا آتے۔ سرحد کے رکھوالوں کا یہ انداز ملک کے لیے خطرناک تھا مگر وہ سپاہی تھے اور اکتائے ہوئے۔ انسانی فطرت کا تقاضہ تھا کہ وہ کہیں نہ کہیں سے تسکین حاصل کرتے۔ وہاں آتے جاتے مسافر تھے، رات بھر کے لیے پڑاؤ کرنے والے قافلے تھے یا کہیں کوئی آباد گاؤں۔ وہ ہر کسی کے ساتھ گھل مل گئے۔ مصر کے سرحدی لوگوں پر اُن کا جو ڈر تھا وہ دُور ہو گیا۔ اُن کے کمانڈر بھی سپاہیوں جیسے انسان تھے۔ وہ بھی وقت گزارنے کے اور تفریح کے ذرائع ڈھونڈنے لگے۔

☆

جب سلطان ایوبی دمشق کے لیے روانہ ہونے لگا تو اتنی عجلت میں تھا کہ سرحدوں کے متعلق تمام تر ہدایات دینے کے باوجود اس کے ذہن میں یہ بات نہ آئی کہ پرانے دستوں کی بدلی کے احکام بھی دے دیتا۔ اُسے غالباً اطمینان ہو گا کہ اُن کا کمانڈر، القند، تمام تر ضروریات پوری کرتا رہتا ہے۔ سلطان ایوبی کے جانے کے بعد العادل نے فوجوں کی کمان لی تو اُس نے القند سے پوچھا کہ سرحد پر جو دستے ہیں وہ کب سے اس ڈیوٹی پر ہیں۔ القند نے جواب دیا کہ وہ بہت عرصے سے وہیں ہیں۔

"کیا سرحد پر مزید دستے بھیجنے کی ضرورت ہے؟" العادل نے پوچھا ــــ "اور کیا پرانے دستوں کو قاہرہ بلا کر نئے دستے بھیجنے کی ضرورت ہے؟"

"نہیں"۔ القند نے جواب دیا ــــ "یہی وہ دستے ہیں جنہوں نے ملک سے اناج، مویشی اور ہتھیار وغیرہ کے چوری چھپے باہر جانے کو روکا تھا۔ وہ اب سرحد اور ارد گرد کے علاقوں کے عادی ہو گئے ہیں۔ وہ اب دُور سے مشتبہ انسان کی بُو سونگھ کر اُسے پکڑ لیتے ہیں۔ ان کی جگہ اگر نئے دستے بھیجے گئے تو پرانے دستوں جیسا تجربہ حاصل کرتے انہیں ایک سال سے زیادہ عرصہ چاہیے۔ ہمیں ایسا خطرہ مول نہیں لینا چاہیے۔"

العادل اس جواب سے مطمئن ہو گیا تھا۔ اُسے بتانے والا کوئی نہ تھا کہ یہی القند رات کو اپنے گھر میں بیٹھا کر رہا تھا: "یہ سرحدی دستے بیکار ہو چکے ہیں۔ میری یہ کوشش کامیاب ہے کہ میں نے ان کی بدلی نہیں ہونے دی۔ انہوں نے سرحد کے لوگوں کے ساتھ گہرے دوستانہ تعلقات پیدا کر لیے ہیں۔ اُن کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ اُن کے پیٹ تو بھرے رہتے ہیں، کھانے پینے کی انہیں کوئی شکایت نہیں، میں اُن کے لیے ضرورت سے زیادہ خوراک بھیجتا ہوں لیکن اُن کی حالت بھوکے بھیڑیوں کی سی ہو گئی ہے۔ کوئی قافلہ گزرتا ہے تو وہ

ناچنے والوں کی موتوں کو منہ کھول کر دیکھتے رہتے ہیں۔ اب ہم اپنا کام کر سکتے ہیں۔"

وہ جس کے ساتھ باتیں کر رہا تھا وہ کوئی سوڈانی تھا جو اس کے ہاں مہمان کے روپ میں آیا ہوا تھا۔ وہ سوڈان سے اس کے لیے تحفے لایا تھا اور ان تحفوں کے ساتھ ایک پیغام بھی تھا۔ اس نے القند کو بتایا تھا کہ سوڈانی تیار ہیں مگر نفری ابھی اتنی زیادہ نہیں ہوئی۔ یہ آدمی پیغام لے کر آیا تھا کہ اس نفری کو کسی طرح مصر میں داخل کر کے چھپایا جائے۔ اس کے لیے پہلی مشکل یہ تھی کہ انہیں سرحد پار کس طرح کرائی جائے۔ اسی کے جواب میں القند نے کہا تھا کہ مصر کے سرحدی دستے بیکار ہو چکے ہیں..... القند اُن چند ایک سالاروں میں سے تھا جن پر سلطان ایوبی کو بھروسہ تھا۔ القند نے کبھی شک بھی نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ مصر کی امارت کا وفادار نہیں۔ علی بن سفیان تک کو اُس نے دھوکے میں رکھا ہوا تھا۔ اس کا یہ کارنامہ کہ اس نے ڈھائی سال پہلے سمگلنگ روک دی اور سرحدیں سربمہر کر دی تھیں، اُسے بہت فائدہ دے رہا تھا۔ کوئی بھی نہ جان سکا کہ وہ سرحدوں کا بھیدی بن چکا ہے۔

اب سلطان ایوبی مصر سے چلا گیا تو القند نے العادل کو یقین دلا دیا کہ وہ سوڈان کی طرف سے بے فکر ہو جائے۔ سوڈان کا کوئی پرندہ بھی مصر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہی یقین وہ علی بن سفیان کو بھی دلاتا رہا اور سوڈان میں حبشیوں کی ایک فوج مصر پر اس انداز سے حملہ کرنے کے لیے تیار ہوتی رہی کہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں مصر میں داخل ہوں گے، چوری چھپے قاہرہ کے قریب پہنچ جائیں گے اور ایک رات حملہ کر کے رات ہی رات مصر کی امارت کو قبضے میں لے لیں گے۔

☆

دریائے نیل سوڈان سے گزرتا مصر میں داخل ہوتا ہے۔ آگے مصر کے علاقے میں ایک وسیع جھیل کی صورت اختیار کرتا ہے۔ اس کے آگے ایسے علاقے میں داخل ہوتا ہے جو پہاڑی ہے۔ اس سے آگے آبشار کی طرح گرتا ہے۔ اس کے قریب اسوان ہے۔ سلطان ایوبی کے دَور میں اسوان کے گرد و نواح کی جغرافیائی کیفیت کچھ اور تھی۔ دُور دُور تک چٹانیں اور پہاڑیاں تھیں۔ ان پر فرعونوں کی خصوصی نظرِ کرم رہی تھی۔ انہوں نے پہاڑوں کو تراش تراش کر بُت بنائے تھے۔ ان میں سب سے بڑے بُت ابوسمبل کے تھے۔ بعض چٹانوں کی چوٹیاں تراش کر کسی معبد کے گنبد کی شکل کی یا کسی فرعون کا چہرہ بنا دی گئی تھیں۔ پہاڑیوں کے دامن میں غاریں بنائی گئی تھیں جو اندر سے وسیع و عریض تھیں۔ کچھ ایسی تھیں جن کے اندر کمرے، سرنگوں جیسے راستے اور بھول بھلیاں سی بنائی گئی تھیں۔

کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ فرعونوں نے یہ پُراسرار سی دنیا کیوں آباد کی تھی۔ یہ بُت تراشنے اور غاریں کھود کر اندر کمرے وغیرہ بناتے تین نسلیں ختم ہو گئی ہوں گی۔ فرعون اُس دَور کے "خدا" تھے۔ رعایا کا کام صرف یہ تھا کہ اُن کے آگے سجدے کرے اور ان کا ہر حکم بجا لائے۔ یہ پہاڑ اسی مظلوم اور فاقہ کش رعایا سے کٹوائے گئے تھے۔ آج وہاں کوئی بُت نہیں، کوئی غار نہیں، کوئی پہاڑ نہیں۔ وہاں اسوان ڈیم کی میل ہا میل وسیع جھیل ہے۔ اس ڈیم کی تعمیر سے پہلے ابوسمبل کے اتنے بڑے بڑے بُت جو بجائے خود پہاڑ تھے مشینری سے وہاں سے اٹھائے گئے اور فرعونوں کے

دَور کی یادگاروں کے طور پر کہیں محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ ڈائنامیٹ سے پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے زمین بوس کر دیا گیا تھا۔ اگر فرعون انسان کے ہاتھوں پہاڑوں کو یوں اُڑتا اور زمین سے ملتا دیکھتے تو خدائی کے دعوے سے دستبردار ہو جاتے۔

سلطان ایوبی کے دَور میں اس علاقے کے خدوخال کچھ اور تھے۔ ان پہاڑوں کی وادیوں اور غاروں میں ساری دنیا کی فوج کو چھپایا جا سکتا تھا۔ سلطان ایوبی نے ذاتی طور پر سرحد کے اس علاقے پر زیادہ توجہ دی تھی جہاں سے دریائے نیل مصر میں داخل ہوتا تھا۔ سوڈانی کشتیوں کے ذریعے مصر میں داخل ہو سکتے تھے۔ اس دریائی راستے پر نظر رکھنے کے لیے ایک چوکی قائم کی گئی تھی جو دریا سے دُور تھی۔ چوکی سے دریا نظر نہیں آتا تھا اور دریا سے چوکی نظر نہیں آتی تھی۔ یہ فاصلہ دانستہ رکھا گیا تھا تاکہ دریا سے چوری چھپے گزرنے والے اس خوش فہمی میں مبتلا رہیں کہ انہیں دیکھنے اور پکڑنے والا کوئی نہیں۔ دریا پر گشتی پہرے کے ذریعے نظر رکھی جاتی تھی۔ دو گھوڑ سوار ہر وقت گشت پر رہتے تھے اور ان کی ڈیوٹی بدلتی رہتی تھی۔

مصر سے سلطان ایوبی کی غیر حاضری کے دنوں کا واقعہ ہے کہ دن کے وقت دریا کی دیکھ بھال والی سرحدی چوکی کے دو گھوڑ سوار گشت پر نکلے اور معمول کے مطابق دُور تک نکل گئے۔ ایک جگہ دریا کے کنارے سرسبز زار تھا۔ سایہ دار درخت تھے اور یہ جگہ بہت ہی خوبصورت تھی۔ گشت والے سنتری اس جگہ آ کر آرام کیا کرتے تھے۔ ایک عرصے سے انہوں نے کسی سوڈانی کو دریا سے آتے نہیں دیکھا تھا۔ ابتدا میں انہوں نے بہت سے آدمی پکڑے تھے جن میں بعض تخریب کار اور جاسوس تھے۔ اس کے بعد یہ دریائی راستہ ویران ہو گیا تھا۔ اب سنتری صرف ڈیوٹی پوری کرنے آتے اور چوکی کی نظروں سے اوجھل ہو کر بیٹھ جاتے تھے۔

ان دو سواروں کا بھی یہی معمول تھا۔ اس معمول سے اب وہ تنگ آ گئے تھے۔ دریا کے کنارے اتنی سرسبز جگہ بھی انہیں اچھی نہیں لگتی تھی۔ ہر روز دریا کو دیکھ دیکھ کر وہ اس کے حُسن سے اکتا گئے تھے۔ یہاں انہیں باہر کی دنیا کی اگر کوئی چیز نظر آتی بھی تھی تو وہ صحرائی لومڑی تھی جو دریا سے پانی پیتی اور سنتریوں کو دیکھ کر بھاگ جاتی تھی، یا ماہی گیروں کی ایک آدھ کشتی نظر آتی تھی۔ وہ ماہی گیروں سے پوچھتے کہ وہ کہاں کے رہنے والے ہیں۔ پھر انہوں نے یہ پوچھنا بھی چھوڑ دیا تھا اور اس کے بعد ماہی گیروں نے بھی وہاں جانا چھوڑ دیا تھا..... اُس روز وہ سنتری گشت کے علاقے میں گئے تو وہ اکتائی ہوئی سی باتیں کر رہے تھے جن کا لب لباب یہ تھا کہ ان کے ساتھی قاہرہ، سکندریہ اور دوسرے شہروں میں عیش کر رہے ہیں اور وہ اس جنگل بیابان میں پڑے ہیں۔ ان کے لب و لہجے میں احتجاج تھا اور بے اطمینانی بھی۔

وہ اس سرسبز جگہ سے کچھ دُور تھے تو انہیں وہاں چار پانچ اونٹ بندھے نظر آئے۔ آٹھ دس آدمی بیٹھے ہوئے تھے اور چار آدمی دریا میں نہا رہے تھے۔ دونوں سوار آگے چلے تھے مگر رُک گئے۔ وہ کوئی انسان نہیں ہو سکتے تھے۔ انہیں جس چیز نے حیرت سے زیادہ خوف میں مبتلا کر دیا وہ یہ تھی کہ دریا میں چار آدمی نہیں بلکہ چار جوان لڑکیاں نہا رہی تھیں۔ انہوں نے ستر باریک کپڑوں سے ڈھانپے ہوئے تھے۔ وہ دریا میں اس جگہ ڈبکیاں لگا رہی تھیں جہاں

پانی ان کی کمر تک تھا۔ ان کے جسموں کے رنگ مصریوں کی نسبت زیادہ ستھرے اور جاذب تھے۔ وہ قہقہے لگا رہی تھیں۔ گھوڑ سوار یہ سمجھ کر ڈر گئے کہ یہ جل پریاں ہیں یا آسمان سے اتری ہوئی پریاں یا فرعونوں کی شہزادیوں کی بدروحیں۔ وہ دونوں رُکے رہے اور انہیں دیکھتے رہے۔ انہوں نے وہیں سے واپسی کا ارادہ کر لیا لیکن جو آدمی بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے ان کی طرف دیکھا۔

دو آدمی اٹھ کر اُن کی طرف آئے۔ لڑکیوں نے بھی انہیں دیکھ لیا۔ وہ چاروں دریا سے نکل کر کنارے کی خشک اوٹ میں چلی گئیں۔ گھوڑ سواروں کا خوف ذرا کم ہُوا۔ وہ آخر فوجی تھے۔ قریب جا کر انہوں نے ان دو آدمیوں سے پوچھا کہ وہ کون ہیں اور یہاں کیا کر رہے ہیں۔ دونوں آدمیوں نے جھک کر سلام کیا۔ وہ صحرائی لباس میں تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ قاہرہ کے تاجر ہیں۔ بہت سے سرحدی دیہات میں مال فروخت کر کے واپس جا رہے ہیں۔

"قاہرہ جانے کا یہ راستہ تو نہیں۔" ایک سوار نے کہا۔

"لڑکیوں کا شوق ہے کہ دریا کے کنارے کنارے جائیں گے۔" ایک نے جواب دیا۔ "ہم اپنے کام سے فارغ ہو گئے ہیں۔ واپسی کی کوئی جلدی نہیں۔ دو تین راتیں یہیں قیام کریں گے ... اگر آپ کو شک ہو تو چل کر ہمارا سامان دیکھ لیں۔ ہمارے پاس بہت ساری رقم ہے۔ وہ بھی دیکھ لیں، تاکہ آپ کو یقین ہو جائے کہ ہم واقعی مصر کے تاجر ہیں۔"

دونوں گھوڑ سوار اُن کے ساتھ چل پڑے اور قیام کی جگہ پہنچے تو سب اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب نے جھک کر سلام کیا پھر دونوں کے ساتھ معانقہ کیا۔ ایک آدمی نے پوچھا کہ وہ ان کا سامان کھول کر دیکھیں گے؟ گھوڑ سوار سنتری گھوڑوں سے اُتر چکے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا کہ وہ سامان نہیں دیکھیں گے۔ ایک آدمی نے سلطان ایوبی کی فوج کی تعریفیں شروع کر دیں۔ پھر انہوں نے ان دونوں کی جوانی، دلیری اور فرض کی تعریفیں کیں۔ انہوں نے ایسی کوئی بات نہ کی جس سے ان دونوں کو کوئی شک ہوتا۔ اس دوران چاروں لڑکیاں کپڑے پہن کر اور بال جھاڑ کر آ گئی تھیں لیکن وہ شرمائی شرمائی سی پرے ہٹ کر کھڑی رہیں۔ اس ویرانے میں ان سپاہیوں نے دو اڑھائی سال بعد باہر کے چند آدمیوں کی محفل دیکھی اور انہیں عورت ذات نظر آئی۔ ان لڑکیوں میں انہوں نے عورت کا ہر ایک روپ دیکھا — ماں، بہن، بیوی اور وہ عورت بھی جو ماں ہوتی ہے نہ بہن نہ بیوی — دونوں کی نظریں ان لڑکیوں نے گرفتار کر لیں۔ لڑکیاں انہیں دیکھ دیکھ کر شرماتی اور منہ چھپا کر مسکراتی تھیں۔ ان کے شرم و حجاب سے پتہ چلتا تھا کہ یہ سب اچھے خاندان کے لوگ ہیں۔

یہ دونوں سرحدی سپاہی ان آدمیوں کی باتوں اور خصوصاً لڑکیوں میں ایسے محو ہوئے کہ اپنی ڈیوٹی بھول گئے۔ سرحدی علاقے میں اتنی مدت سے پڑے رہنے اور فارغ ہونے کے جو بُرے اثرات تھے، وہ بڑی خطرناک نفسیاتی تشنگی بن کر اُن پر غالب آ گئے۔ ایک آدمی دریا کے کنارے برچھی لیے کھڑا مچھلیاں پکڑ رہا تھا۔ وہ پانی پر دانے سے پھینکتا تھا۔ مچھلیاں اوپر آ جاتی تھیں۔ وہ اوپر سے برچھی مارتا تو ایک مچھلی برچھی کی انی میں پروئی ہوئی باہر آ جاتی۔ وہ بہت سی مچھلیاں پکڑ چکا تھا۔ کسی نے لڑکیوں سے کہا کہ وہ مچھلیاں بھونیں۔ چاروں لڑکیاں دوڑی گئیں۔ انہوں نے آگ جلائی اور مچھلیوں کو کاٹ کر آگ پر رکھ دیا۔

☆

گھوڑ سوار سرحدی سپاہی اپنے کھانے سے بھی اکتائے ہوئے تھے۔ ان کا کھانا اچھا ہوتا تھا مگر روز ایک ہی قسم کا کھانا کھا کھا کر وہ اس کھانے سے بھی اکتائے ہوئے تھے۔ دریائے نیل کے کنارے اُن کے سامنے بھنی ہوئی مچھلی اور خشک پکا ہوا گوشت رکھا گیا تو دیکھ کر ہی اُن پر نشہ طاری ہو گیا۔ سب مل کر کھانے لگے تو کھانا اور زیادہ لذیذ ہو گیا۔ کھانے کے دوران دونوں نے دیکھا کہ ایک لڑکی اُن کے ایک گھوڑے کی گردن اور زین پر ہاتھ پھیرتی اور گھوڑے کو اشتیاق سے دیکھتی تھی۔ لڑکیاں مردوں کے ساتھ کھانے پر نہیں بیٹھی تھیں۔ گھوڑے والا سپاہی اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو گھوڑے پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔ لڑکی نے اِدھر دیکھا تو مسکرا کر اس نے منہ پھیر لیا کیونکہ اس گھوڑے کا سوار اُسے دیکھ رہا تھا۔ ان سپاہیوں نے اتنی خوبصورت لڑکیاں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔

ایک بوڑھے نے سپاہیوں سے کہا — "ان لڑکیوں نے کبھی گھوڑے کی سواری نہیں کی، اور یہ جو لڑکی گھوڑے کے قریب کھڑی ہے گھوڑ سواری کی شوقین ہے لیکن اسے گھوڑے پر بیٹھنے کا کبھی موقع نہیں ملا۔"

"ہم ان چاروں کا شوق پورا کر دیں گے۔" ایک سپاہی نے کہا۔

کھانے کے بعد وہ سپاہی اٹھا اور اپنے گھوڑے کے پاس گیا۔ لڑکی جھینپ کر پرے ہو گئی۔ سپاہی نے اُسے کہا — "آؤ۔ میں تمہیں سواری کراتا ہوں۔ باری باری چاروں کو گھوڑے پر بٹھاؤں گا۔"

کسی نے لڑکی سے کہا — "ان سے شرماؤ نہیں۔ یہ تو تمہاری عزت اور ملک کے رکھوالے ہیں۔ یہ نہ ہوں تو صلیبی اور سوڈانی معلوم نہیں تمہارا کیا حشر کریں۔"

لڑکی جھجکتی شرماتی گھوڑے کے قریب گئی۔ سپاہی نے اس کا پاؤں اٹھا کر رکاب میں ڈالا اور اسے اٹھا کر گھوڑے پر بٹھا دیا۔ سپاہی کو کسی نے آواز دی اور کچھ کہا۔ سپاہی اس طرف متوجہ ہُوا۔ اچانک گھوڑا دوڑ پڑا۔ لڑکی کی چیخیں سنائی دیں۔ سپاہی نے گھوم کر دیکھا۔ گھوڑا سرپٹ دوڑا جا رہا تھا۔ اس کے اوپر لڑکی اِدھر اُدھر گرتی اور سنبھلنے کی کوشش کرتی تھی۔ سب نے شور بپا کر دیا کہ گھوڑا بے لگام ہو گیا ہے، لڑکی گر کر مر جائے گی۔ سپاہی کے قریب اس کے ساتھی کا گھوڑا کھڑا تھا۔ وہ اُچھل کر اُس گھوڑے پر سوار ہُوا اور ایڑ لگا دی۔ لڑکی والا گھوڑا ایک چٹان سے گھوم کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ سپاہی نے اپنے گھوڑے کی رفتار انتہا تک پہنچا دی۔ اسے معلوم تھا کہ لڑکی گری اور اس کا پاؤں رکاب میں پھنسا رہ گیا تو اس کی ہڈیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گی اور گھوڑا اُسے گھسیٹ گھسیٹ کر ہڈیوں سے گوشت اتار دے گا۔

سپاہی نے گھوڑا چٹان سے موڑا۔ آگے کھلی وادی تھی۔ لڑکی کو گھوڑا اٹھائے دوڑا جا رہا تھا۔ کچھ آگے جا کر گھوڑا مڑا اور پھر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ سپاہی کو لڑکی کی چیخیں اور گھوڑے کے ٹاپو سنائی دے رہے تھے۔ وہ آگے جا کر مڑا۔ اسے گھوڑا نظر آ گیا۔ عجیب بات یہ تھی کہ اسے اب کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی، نہ گھوڑے کے ٹاپو

لڑکی کی چیخیں۔ وہ سمجھا گھوڑا کسی کھڈ میں جا گرا ہے۔ اس نے گھوڑے کی رفتار کم کردی۔ کچھ اور آگے گیا تو ایک اوٹ سے اُسے لڑکی کی آواز سنائی دی ـــ "اِدھر... جلدی سے میرے پاس آجاؤ"

سپاہی نے اُدھر دیکھا تو اس پر خوف طاری ہوگیا۔ گھوڑا کھڑا تھا اور لڑکی اطمینان سے اُس پر سوار تھی۔ اس کے چہرے پر ڈر یا گھبراہٹ نہیں بلکہ ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ سپاہی نے ایک بار تو ارادہ کرلیا کہ گھوڑے کو ایڑ لگائے اور بھاگ جائے۔ اُسے یقین ہوچکا تھا کہ یہ لڑکی نہر شرار یا بد رُوح ہے اور اُسے دھوکے سے اس ڈھکی چھپی جگہ لے آئی ہے اور اب اس کا خون پی جائے گی لیکن وہ جیسے جکڑ دیا گیا ہو۔ لڑکی کی مسکراہٹ اور اس کے سراپا میں کوئی ایسی قوت تھی جس نے سپاہی کے گھوڑے کا رُخ لڑکی کی طرف کردیا۔

"تم سپاہی ہو، مرد ہو" لڑکی نے اُسے کہا ـــ "مجھ سے ڈر رہے ہو؟" ـــ وہ اس کے قریب گیا تو لڑکی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا ـــ "گھوڑا بے لگام نہیں ہُوا تھا۔ میں نے اسے خود ایڑ لگائی اور بھگایا تھا، اور چیخیں مار کر یہ ظاہر کیا تھا کہ گھوڑا بے لگام ہوگیا ہے اور میں گر پڑوں گی۔ مجھے اُمید تھی کہ تم میرے پیچھے آؤ گے۔ میں اناڑی نہیں شاہسوار ہوں۔"

"تم نے یہ دھوکہ کیوں دیا ہے؟" سپاہی نے پوچھا۔

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے" لڑکی نے کہا ـــ "میں یہ باتیں سب کے سامنے نہیں کرسکتی تھی۔ تم نے ان آدمیوں میں ایک بوڑھا دیکھا ہے۔ وہ میرا خاوند ہے۔ اس کی عمر دیکھو اور میری جوانی دیکھو۔ میرے ساتھ جو لڑکیاں ہیں، ان میں سے ایک میری طرح ایک بوڑھے آدمی کی بیوی بنادی گئی ہے۔ تم جانتے ہو کہ لڑکی کو جس کے ساتھ باندھ دو وہ بول نہیں سکتی۔ یہ بوڑھا مجھے خوش کرنے کے لیے اپنے ساتھ لیے پھرتا ہے۔ یہ سب تاجر ہیں۔ ہمیں بھی اپنے ساتھ لیے پھرتے ہیں۔"

"دوسری دو لڑکیاں کون ہیں؟" سپاہی نے پوچھا۔

"وہ دونوں شادی شدہ ہیں" لڑکی نے جواب دیا "اُن کے خاوند جوان ہیں۔ وہ انہیں سیر سپاٹے کے لیے ساتھ لاتے ہیں۔ تم میری مدد کرو۔"

"اگر یہ لوگ تمہیں اغوا کرکے لائے ہوتے تو میں ان سب کو چوکی لے جاتا" سپاہی نے کہا ـــ "تم اس کی بیوی ہو۔"

"میں نے اُسے اپنا خاوند تسلیم نہیں کیا" ـــ لڑکی نے کہا۔ "تمہیں دیکھا ہے تو میرے دل میں اس بوڑھے کی نفرت اور زیادہ گہری ہوگئی ہے" ـــ اس نے جذباتی لہجے میں کہا ـــ "تمہیں پہلی نظر میں دیکھ کر میرے دل سے آواز آئی کہ یہ ہے تمہارا خاوند۔ خدا نے تمہیں اس خوبرو جوان کے لیے پیدا کیا ہے۔"

"میں اتنا خوبصورت نہیں جتنا تم نے کہا ہے" ـــ سپاہی نے کہا ـــ "تم مجھے کیوں دھوکہ دے رہی ہو؟ تمہارے دل میں کیا ہے؟"

"خدا جانتا ہے کہ میرے دل میں کیا ہے" لڑکی نے مایوس سے لہجے میں کہا ـــ "وہی تمہارے دل میں

رحم ڈالے گا۔ اگر تم میرے دل کی آواز کو دھوکہ سمجھتے ہو تو میں اپنے خاوند کے پاس نہیں جاؤں گی۔ گھوڑے کو ایڑ لگاؤں گی اور سیدھی دریا میں گھوڑے سمیت کود جاؤں گی۔ خدا سے جاکر کہوں گی کہ تم میرے قاتل ہو۔"

وہ ایک تشنہ سپاہی تھا۔ سرحدی ڈیوٹی سے اکتایا ہوا تھا۔ وہ صلاح الدین ایوبی، علی بن سفیان یا العادل نہیں تھا۔ وہ سپاہی تھا، جوان تھا اور یہی اس کی شخصیت تھی۔ لڑکی کے حسن و شباب اور اس کے انداز اور اس کی باتوں نے اسے موم کردیا۔ البتہ اس احساس کا اس نے اظہار کردیا ـــ "میں غریب سپاہی ہوں اور تم شہزادیوں سے کم نہیں۔ تم محل سے نکل کر میرے ساتھ اس ریت پہاڑ اور ان چٹانوں میں زندہ نہیں رہ سکو گی۔"

"اگر خواہش محل اور دولت کی ہوتی تو اس بوڑھے خاوند سے بہتر میرے لیے کوئی خاوند نہیں ہوسکتا تھا" لڑکی نے کہا ـــ "اس نے اپنی دولت میرے قدموں میں ڈال رکھی ہے لیکن میں کسی سپاہی کی بیوی بننا چاہتی ہوں۔ میرا باپ بھی سپاہی ہے۔ دو بڑے بھائی سپاہی ہیں۔ وہ دمشق اور شام کے محاذ پر صلاح الدین ایوبی کی فوج میں ہیں۔ مجھے اس بوڑھے کے حوالے میری ماں نے کیا ہے۔ ہم غریب لوگ ہیں۔ میری خوبصورتی میری بدنصیبی کا باعث بنی ہے۔ میں شاہسوار ہوں۔ یہ میرے خاوند کو معلوم نہیں۔ ہمارے خاندان کی دولت یہی عسکری روایات ہیں۔ میں نے ہمیشہ یہ خواہش کی ہے کہ سلطان کی فوج میں شامل ہوجاؤں۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو کسی سپاہی کے ساتھ شادی کرلوں۔ تم ریت اور چٹانوں کی باتیں نہ کرو۔ میں اس ریت کی پیداوار ہوں اور جب میرا خون اسی ریت میں جذب ہوجائے گا تو میری روح مطمئن ہوکر خدا کے حضور جائے گی۔"

"میں تمہاری مدد کس طرح کرسکتا ہوں؟"

"آؤ" لڑکی نے کہا ـــ "آہستہ آہستہ واپس چلتے ہیں۔ وہ لوگ ہمارے پیچھے آرہے ہوں گے۔ راستے میں تمہیں بتاؤں گی کہ میں نے کیا سوچا ہے" ـــ وہ چل پڑے۔ لڑکی نے کہا ـــ "میں تمہیں یہ نہیں کہوں گی کہ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ یہ جُرم ہوگا۔ میرا خاوند قاضی کے پاس چلا جائے گا اور ہم دونوں سزا پائیں گے۔ پہلے اس خاوند سے آزاد ہونا ہے۔ اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اسے ایسے طریقے سے قتل کیا جائے کہ یہ قتل نہ لگے۔ قتل تم نہیں کروگے، میں کروں گی۔ ہوسکتا ہے اسے شراب میں کچھ ملا کر پلا دوں اور رات کو دریا کے کنارے لے جاکر دھکا دے دوں اور کہوں کہ وہ نشے میں دریا میں اُتر گیا تھا۔ اس کے لیے دو چار روز انتظار کرنا پڑے گا۔ میں اسے یہیں رکھوں گی۔"

"تمہارے پاس کوئی زہر ہے؟" سپاہی نے پوچھا۔

لڑکی نے قہقہہ لگایا اور کہا ـــ "تم بدھو سپاہی ہو۔ میں تاہو کے دُور اوپر کے علاقے کی رہنے والی ہوں جس میں سے یہ دریا گزرتا ہے۔ ہماری خوراک مچھلی ہے۔ مچھلی کا پتہ زہر سے بھرا ہوتا ہے۔ تم نے دیکھا ہے کہ ہم یہاں بھی مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ میں مچھلی کا پتہ الگ کرکے چھپالوں گی اور اس میں سے چند قطرے بوڑھے کی شراب میں ملا دوں گی، پھر اسے سیر کے بہانے دریا کے کنارے لے جاؤں گی۔"

"پھر میں تمہیں کس طرح لے جاؤں گا؟"

"وہ مر گیا تو میں آزاد ہوں گی۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "میں سب سے کہہ دوں گی کہ تم میں سے کوئی بھی میرا وارث نہیں جو مجھے اپنی مرضی کی شادی سے روکے۔ میں تمہارے ساتھ چلی جاؤں گی۔ تم مجھے اپنے گھر بھیج دینا..... اور سنو، تم مجھے ملتے رہنا۔ اب چلے جاؤ گے تو پھر کب آؤ گے؟"

"میں صرف گشت پر آسکتا ہوں۔" سپاہی نے جواب دیا۔ "چوکی دور ہے۔ گشت کے بغیر ہم گھوڑا استعمال نہیں کر سکتے۔ میری گشت اسی ساتھی کے ساتھ کل رات کے دوسرے پہر ہوگی۔ میں یہیں آجاؤں گا۔"

"ذرا دور رہنا۔" لڑکی نے کہا۔ "میں تمہیں راستے میں ملوں گی۔ کہیں چھپ کر بیٹھ جائیں گے۔" لڑکی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ سپاہی نے اس کی طرف دیکھا تو لڑکی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ سپاہی کے تمام شکوک رفع ہو گئے۔ اس نے لڑکی کا ہاتھ اپنے دل پر رکھ کر دبایا۔

☆

وہ جب اس جگہ پہنچے جہاں سے لڑکی کا گھوڑا چٹان کی اوٹ میں ہو گیا تھا، انہیں تمام آدمی نظر آئے وہ اسی طرف دیکھ رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر وہ اُن کی طرف دوڑ پڑے۔ دونوں گھوڑوں سے اُترے۔ لڑکی کا بوڑھا خاوند سپاہی کے ساتھ لپٹ گیا۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ دوسرے آدمیوں نے بھی والہانہ انداز سے اس کا شکریہ ادا کیا۔ لڑکی نے انہیں جھوٹ موٹ کی کہانی سنادی اور کہا کہ اس سپاہی نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر اسے بچایا ہے، ورنہ گھوڑا اسے کسی پتھریلے کھڈ میں گرا کر مار دیتا۔

دونوں سپاہی چوکی کو واپس روانہ ہوئے۔ راستے میں اس سپاہی نے اپنے ساتھی کو بتا دیا کہ اصل واقعہ کیا ہوا ہے۔ اس کے ساتھی کے دل میں رشک سا پیدا ہوا لیکن اس نے بتایا کہ اس کی غیر حاضری میں ایک لڑکی عجیب سی نظروں سے اسے دیکھتی تھی۔ یہ سپاہی اپنے ساتھی کے پیچھے جانا چاہتا تھا مگر پیدل پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ باقی آدمی پیچھے کھڑے رہے۔ وہ بہت آگے چلا گیا۔ دو لڑکیاں بھی آگے گئیں جن میں سے ایک اس کے ساتھ باتیں کرنے لگی۔ باتوں باتوں میں لڑکی نے اس سپاہی کے ساتھ محبت کا اظہار کیا اور اس سے پوچھا کہ وہ اسے پھر کب ملے گا۔ اس نے لڑکی کو بتایا کہ وہ کل رات کے دوسرے پہر گشت پر آئے گا۔ اس لڑکی نے اُسے بتایا کہ اُسے ایک بوڑھے کے ساتھ بیاہ دیا گیا ہے اور وہ اس کے ساتھ بھاگنا چاہتی ہے۔

دونوں کی کہانی ایک جیسی تھی۔ انہوں نے اس مسئلے پر غور کرنا شروع کر دیا کہ وہ لڑکیوں کو کس طرح اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ وہ دونوں اس پر بھی غور کرنے لگے کہ اگر لڑکیاں اپنے خاوندوں کو قتل نہ کر سکیں تو وہ خود انہیں قتل کریں اور کس طرح کریں گے..... دونوں سپاہی بڑے ہی حسین تصورات میں خمار کی کیفیت میں اپنی چوکی پر پہنچے۔ انہوں نے اپنے کمانڈر کو رپورٹ دی کہ فلاں جگہ قاہرہ کے تاجروں کا قافلہ رُکا ہوا ہے جس کے سامان کی تلاشی لی گئی ہے اور ہر طرح اطمینان کر لیا گیا ہے کہ وہ مشتبہ اور مشکوک لوگ نہیں۔ ان سپاہیوں نے لڑکیوں کا ذکر بھی کیا۔ چوکی کے کمانڈر نے رپورٹ کے پہلے حصے کو توجہ سے نہیں سنا تھا۔ جب لڑکیوں کا ذکر آیا تو اس نے دلچسپی لینی شروع کر دی۔ لڑکیوں کی تعداد، عمر، شکل و صورت، قد بُت، رنگ رُوپ، غرض اُس نے کوئی بات نہ رہنے دی۔ سپاہیوں نے اس کے اس رویّے کو محسوس کیا اور خاموش رہے۔

چوکی میں ایک اور چوکی کا سپاہی بیٹھا تھا۔ وہ چوکی وہاں سے آٹھ دس میل دُور تھی۔ اُس کے کمانڈر نے اس سپاہی کو اس پیغام کے ساتھ بھیجا تھا کہ آج شام کے بعد میری چوکی میں آنا، ضروری کام ہے۔ کمانڈر نے پیغام لانے والے سپاہی کو یہ کہہ کر روک لیا تھا کہ اکٹھے چلیں گے۔

سورج غروب ہوتے ہی کمانڈر سپاہی کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ دوسری چوکی پر پہنچا تو شام گہری ہو چکی تھی۔ یہ چوکی ہری بھری جگہ تھی۔ وہاں اُس شام کچھ اور ہی رونق تھی۔ چوکی کے تمام سپاہی جو ڈیوٹی پر نہیں تھے، چوکی کے باہر گول دائرے میں بیٹھے تھے۔ مشعلیں جل رہی تھیں۔ چوکی کا کمانڈر وہاں نہیں تھا۔ اُس کے خیمے میں گئے۔ وہاں دو لڑکیاں بیٹھی تھیں اور تین صحرائی آدمی بھی تھے۔ ان کے قریب ساز اور دف پڑے تھے۔ مہمان کمانڈر کے آتے ہی کھانا چُنا گیا..... سب کھا چکے تو چوکی کے کمانڈر کے کہنے پر سازندے اور لڑکیاں باہر چلی گئیں۔ دوسری چوکی کے کمانڈر نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں اور باہر کیا ہو رہا ہے۔

"یہ لڑکیاں ناچنے والی ہیں۔" کمانڈر نے جواب دیا۔ "اور اُن کے ساتھ سازندے ہیں۔ یہاں سے گزر رہے تھے۔ پانی پینے کے لیے رُکے تو میں نے انہیں بٹھا لیا۔ لڑکیاں اچھی لگیں۔ میں نے انہیں کھانا بھی کھلایا۔ یہ کہیں جا رہے تھے۔ میرے کہنے پر رُک گئے۔ آج رات انہیں یہیں رکھوں گا۔"

"مجھے یہ سلسلہ اچھا نہیں لگا۔" دوسرے کمانڈر نے کہا۔ "سرحد پر اگر یہ عیاشی سپاہیوں کو خراب کرے گی۔"

"اس کے بغیر سپاہی زیادہ خراب ہو رہے ہیں۔" میزبان کمانڈر نے کہا۔ "ایک ہمارے وہ ساتھی ہیں جو شہروں میں عیش کر رہے ہیں۔ ایک ہم ہیں جو معلوم نہیں کب سے یہاں بُوگیر کُتّوں کی طرح آوارہ پھر رہے ہیں۔ کیا تمہیں سپاہیوں نے کبھی پریشان نہیں کیا کہ اُن کی جگہ دوسرے دستے لائے جائیں؟"

"میری چوکی میں تو دو سپاہی آپس میں لڑ بھی چکے ہیں۔" مہمان کمانڈر نے کہا۔ "اب تو سپاہیوں کو معمولی سی بات پر غصہ آجاتا ہے۔"

"میں اپنے سالار القند تک درخواست بھجوا چکا ہوں کہ ہم پر رحم کریں اور ہماری بدلی کریں۔" میزبان نے کہا۔ "اُس نے کوئی جواب نہیں دیا..... میں کہتا ہوں ہمیں اُس محاذ پر بھیج دیں جہاں بہت ہی سخت جنگ ہو رہی ہو۔ یہاں سے ہٹا دیں جہاں کچھ بھی نہیں۔ ہم اپنا فرض ادا کر چکے ہیں، اب دوسروں کو بھیجیں۔"

دوسری چوکی سے آیا ہوا کمانڈر بھی یہی محسوس کر رہا تھا جو اُسے بتایا جا رہا تھا۔ بالائی کمان کی معمولی سی کوتاہی بڑے خطرناک نتائج سامنے لا رہی تھی۔ دشمن پر بجلیوں کی مانند ٹوٹنے والے مجاہدین نفسیاتی تشنگی اور خلفشار کا شکار ہو رہے تھے۔ وہ اب اپنی تسکین کے ذرائع خود پیدا کر رہے تھے اور فرض کے دوران رقص و سرود سے دل بہلا رہے تھے۔

☆

رات گزرتی جا رہی تھی۔ لڑکیاں باری باری ناچتی تھیں۔ وہ تھک گئیں تو ان کے سازندوں نے گانا سنایا۔

سپاہی انہیں بیچ بیچ کر داد دے رہے تھے۔ تین چار سپاہیوں نے لڑکیوں کی طرف پیسے پھینکے جو لڑکیوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ وہ وطن کے محافظوں سے پیسے نہیں لیں گی۔ اُن کے سازندوں نے بھی سپاہیوں سے کہا کہ اگر وہ ناچ گانے سے خوش ہوتے ہیں تو انہیں جب بھی بلایا جائے گا وہ بلا اُجرت آجایا کریں گے..... ان تماشائیوں میں دو کمانڈر تھے۔ ان کے عہدے کوئی زیادہ اونچے تو نہیں تھے پھر بھی وہ ذمہ دار افراد تھے اور وہ دونوں اپنی ذمہ داریاں کو بھول چکے تھے۔ انہوں نے یہ معلوم کرنے کی بھی کوشش نہ کی کہ ناچنے گانے والی یہ پارٹی آئی کہاں سے ہے اور جا کہاں رہی ہے، اور جو کچھ سازندوں نے اپنے متعلق بتایا ہے، وہ صحیح بھی ہے یا نہیں۔ کمانڈروں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ تماشائیوں میں مصر کے صحرائی لباس میں جو چند ایک آدمی آبیٹھے ہیں وہ کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں ___ اور ان کمانڈروں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ چوکی کے چار سپاہی گشتی پہرے سے جلدی واپس آگئے ہیں اور اُن کی جگہ دوسرے چار سپاہی پہرے کے لیے گئے ہی نہیں۔

چوکی سے کچھ دُور رات کی طرح سیاہ چہروں والے کم و بیش پچاس آدمی ایک دوسرے کے پیچھے سوڈان کی طرف سے آرہے تھے۔ دو آدمی اُن سے بہت آگے تھے۔ پیچھے والے تھوڑا سا چل کر رُک جاتے تھے، آگے والے دو آدمی اندھیرے میں ادھر اُدھر دیکھتے، رات کی آوازوں کو سننے کی کوشش کرتے اور گیدڑوں کی طرح بولتے۔ پیچھے والے اس آواز پر آگے چل پڑتے۔ آگے سے لومڑی کی قہقہہ نما آواز آتی تو وہ رُک جاتے اور کچھ دیر بعد گیدڑ کی آواز پر چل پڑتے۔ دُور چوکی سے سازوں کے دھیمے دھیمے نغمے سرحد کی خاموش فضا میں بکھر رہے تھے...... آگے چٹانی علاقہ آگیا۔ سیاہ چہروں والے کالے سائے چٹانوں میں غائب ہو گئے۔ ان کے پاس برچھیاں تھیں، تلواریں اور خنجر بھی تھے، اور ہر ایک نے چار چار پانچ پانچ کمانیں اور تیروں کا وزنی خزانہ اٹھا رکھا تھا۔

ان کے استقبال کے لیے وہاں تین چار آدمی موجود تھے۔ ان میں سے کسی نے آنے والی پارٹی کے سردار سے ہنس کر کہا۔ ”لڑکیوں نے کام کر دیا ہے۔“

”ہاں!“ ___ سردار نے کہا۔ ”ہم ان کے سازوں کے نغمے سنتے آئے ہیں۔ میں نے دس بارہ آدمی وہاں تماشائیوں کے بھیس میں بھیج دیئے تھے۔ ان میں سے ایک نے آکر اطلاع دی تھی کہ محفل گرم ہو گئی ہے اور راستہ صاف ہے۔ گشتی سنتری بھی ناچ گانے میں چلے گئے ہیں۔“

”نیل سے بھی اچھی اطلاع ملی ہے“ ___ استقبال کرنے والوں میں سے ایک نے کہا۔ ”ان لوگوں نے لڑکیوں سے صحیح کام لیا ہے۔ دو سپاہیوں کو جو کل رات اس طرف پہرے پر ہوں گے، پھانس لیا گیا ہے۔ میں نے اطلاع بھیج دی ہے۔ کل رات کم از کم تین بڑی کشتیاں آجائیں گی۔“

وہ آگے چل پڑے۔ چٹانیں اونچی ہوتی گئیں۔ آگے پہاڑیاں آگئیں۔ سردار رُک گیا اور اس نے ساری پارٹی کو بھی روک دیا۔ اس نے استقبال کرنے والوں سے سرگوشی میں کہا ___ ”یہ نہ بھولنا کہ یہ سب حبشی ہیں۔ ان کا مذہب عجیب و غریب ہے اور ان کی عادتیں اور رسومات تمہیں حیران کر دیں گی۔ احتیاط یہ کرنی ہے کہ یہ جیسی کیسی مضحکہ خیز حرکت کریں اسے احترام کی نگاہ سے دیکھنا۔ ہم انہیں مذہب کے نام پر لائے ہیں۔ انہیں یہ جھانسہ دیا ہے کہ ہم

انہیں اس جگہ لے جا رہے ہیں جہاں خدا رہتا ہے۔ وہ خدا جو رات کو چیا مار کتا ہوا گرتا ہے اور آسمان سے بجلی اور پانی برساتا ہے۔ ایک مشکل پیش آئے گی۔ یہ لوگ جنگ سے پہلے انسانی قربانی دینے کے قائل ہیں۔ یہ اُن کا سردار بتائے گا کہ قربانی مرد کی دینی ہے یا عورت کی یا ایک مرد اور ایک عورت کی۔ اگر ہم نے اُن کی یہ رسم پوری کر دی تو پھر انہیں لڑائی میں دیکھنا، قاہرہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ صلاح الدین ایوبی کی یہ فوج اُن کے سامنے ایک دن سے زیادہ نہ ٹھہر سکے گی۔“

سردار نے سب سے کہا ___ ”سجدے میں گر پڑو۔ تم خدا کے گھر میں آگئے ہو“ ___ سب سجدے میں گر پڑے۔ سردار کے کہنے پر اُٹھے اور سردار کے پیچھے چل پڑے۔

یہ سوڈانی حبشی تھے جنہیں مصر میں داخل کیا جا رہا تھا۔ انہیں چھپانے کے لیے اس پہاڑی خطے کا انتخاب کیا گیا تھا۔ فرعونوں کے وقتوں کی غاریں جو دراصل زمین دوز عمارتیں تھیں، بہت بڑی فوج کو گھوڑوں اور اونٹوں سمیت چھپا سکتی تھیں۔ سوڈان میں خونخوار حبشیوں کو اُن کے مذہب اور توہم پرستی کے ذریعے اکٹھا کر کے فوجوں کے خلاف لڑنے کی ٹریننگ دی جا رہی تھی۔ لڑنے کے تو وہ ماہر تھے۔ ان کے قبیلوں کی جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ تیر اندازی اور نشانے پر برچھی پھینکنے کے وہ ماہر تھے۔ سوڈان کے حکمرانوں نے صلیبیوں سے معاہدہ کر کے بہت سے صلیبی فوجی افسروں کو بلایا تھا۔ وہ ان حبشیوں کو منظم اور باقاعدہ کمانڈ کے تحت لڑنے کی ٹریننگ دے رہے تھے۔ اس سے پہلے سوڈانی فوج دو بار شکست کھا چکی تھی۔ تیسری جنگ اُس وقت ہوئی تھی جب سلطان ایوبی کے بھائی تقی الدین نے سوڈان پر حملہ کیا تھا۔ سوڈانیوں نے یہ حملہ ناکام کر کے تقی الدین کی فوج کو بُری طرح بکھیر دیا تھا۔ تقی الدین سلطان ایوبی کی مدد سے اپنی بچی کھچی فوج واپس لے آیا تھا۔ اس میں سوڈانیوں کی ناکامی یہ تھی کہ انہوں نے تقی الدین کا تعاقب نہ کیا اور مصر پر حملہ نہ کیا۔ اگر سوڈانی تعاقب اور حملہ کرتے تو تقی الدین کی فوج اتنی تھکی ہاری تھی کہ مصر کو سوڈانیوں سے بچا نہ سکتی۔

ان ناکامیوں کو دیکھتے ہوئے صلیبیوں نے سلطان ایوبی کا طریقہ جنگ آزمانے کی سکیم بنائی تھی۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ سلطان ایوبی کم سے کم نفری سے زیادہ سے زیادہ فوج پر شب خون قسم کا حملہ کرتا اور جم کر لڑنے کی بجائے اپنے دستوں کو گھما پھرا کر لڑاتا اور بڑی سے بڑی گٹھی ہوئی فوج کو بکھیر دیتا ہے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اس قسم کے حملے کے لیے بڑی ہی سخت ٹریننگ اور خاص قسم کے سپاہیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ عام قسم کی فوج صرف ہجوم کی صورت میں لڑ سکتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے حبشی قبائل میں جنگی جنون پیدا کر کے تھوڑی سی فوج تیار کر لی تھی اور انہیں شب خون کی ٹریننگ دی تھی۔ وہ قاہرہ والوں کو بے خبری میں دبوچ لینا چاہتے تھے۔ اب سلطان ایوبی مصر میں نہیں تھا۔ انہیں یقین تھا کہ سلطان ایوبی کی غیر حاضری میں وہ میدان مار لیں گے۔

انہیں اس حملے کی کمان کے لیے ایسے جرنیل کی ضرورت تھی جو مصری فوج کا ہو تاکہ وقت اور قوت کم سے کم صرف ہو اور حملہ صحیح ٹھکانوں پر ہو۔ اُن کی یہ ضرورت سلطان ایوبی کے سالار القند نے پوری کر دی تھی۔ سوڈان کے حبشیوں کی فوج کو چھپانے کے انتظامات القند نے ہی کیے تھے۔ اس نے مصری فوج کے چار پانچ جونیئر کمانڈر بھی اپنے ساتھ

ملا لیے تھے۔ جاسوسوں کے ذریعے اس کا رابطہ سوڈان کے ساتھ تھا۔ اب یہ فوج مصر میں داخل ہو رہی تھی۔

☆

رات گئے تک چوکی پر ناچ گانا ہوتا رہا۔ دوسری چوکی کا کمانڈر وہاں سے اپنی چوکی کے لیے روانہ ہونے لگا تو اس نے اس چوکی کے کمانڈر سے کہا کہ وہ ان لوگوں سے کہے کہ کل رات اس کی چوکی پر آئیں۔ سازندے مان گئے۔ انہیں اور جانا ہی کہاں تھا۔ وہ تو سوڈانیوں بلکہ القند کے بھیجے ہوئے لوگ تھے۔ یہ تو انہوں نے جھوٹ بولا تھا کہ وہ کسی کے بلاوے پر اس کے گاؤں جا رہے تھے۔ ان کے ذمے یہی کام تھا کہ ان دو چوکیوں پر پانی پینے کے بہانے رکیں اور ایسی باتیں کریں کہ چوکیوں کے کمانڈر ان کے جال میں آجائیں۔ ناچنے والی لڑکیاں دل کش تھیں۔ کمانڈر ان کے جال میں آگیا۔ اس نے دریا والی چوکی کے کمانڈر کو بھی بلا لیا ــــ اور پچاس حبشی سرحد پار کر کے پہاڑیوں کے پیٹ میں غائب ہو گئے۔

اگلی رات دونوں رقاصائیں دریا والی چوکی پر جا پہنچیں اور وہاں بھی وہی رونق پیدا کی گئی جو اس چوکی پر کی گئی تھی۔ رات کے دوسرے پہر دریا کے ساتھ ساتھ گشت کرنے والے دو سپاہی واپس آگئے۔ ان کی جگہ دوسرے دو سپاہی روانہ ہونے لگے۔ انہیں ساتھیوں نے کہا کہ وہ یہ رونق چھوڑ کر نہ جائیں۔ کمانڈر اس وقت لڑکیوں اور ان کے رقص میں مست ہے، لیکن وہ دونوں یہ کہہ کر چل پڑے کہ وہ اپنے فرض میں کوتاہی نہیں کرنا چاہتے۔ یہ وہی دو سپاہی تھے جنہیں لڑکیوں نے محبت کا اظہار کر کے کہا تھا کہ وہ اپنے بوڑھے خاوندوں سے نجات حاصل کر کے ان کے ساتھ جانا چاہتی ہیں۔ انہیں فرض کا اتنا خیال نہیں تھا جتنا ان لڑکیوں کے پاس پہنچنے کا اشتیاق تھا۔ لڑکیوں نے انہیں کہا تھا کہ وہ انہیں ملیں گی۔

اس سے پہلے وہ آہستہ آہستہ چلتے، رکتے اور چلتے تھے مگر اس رات چوکی سے ذرا دور ہوتے ہی انہوں نے گھوڑے دوڑا دیے۔ ایک جگہ گھوڑے روک کر اترے اور آہستہ آہستہ چلتے الگ الگ ہو گئے۔ دونوں لڑکیاں مختلف جگہوں پر ان کا انتظار کر رہی تھیں۔ وہ دونوں کو ذرا دور چٹانوں میں لے گئیں۔ دونوں نے ان پر اپنے حسن و جوانی اور محبت کا طلسم طاری کر دیا اور خاوندوں کے قتل کی سکیمیں بنتی رہیں۔ دونوں نے کہا کہ وہ اپنے خاوندوں کو شراب میں خواب آور سفوف ملا کر سلا آئی ہیں۔ دونوں سپاہی، ایک چٹان کے اس طرف دوسرا کہیں اور، صرف فرض کو ہی نہیں گرد و پیش کو اور دنیا کو بھی فراموش کیے بیٹھے تھے۔

اس جگہ سے تھوڑی دور آگے جہاں ان سپاہیوں نے تاجروں کے قافلے کو بیٹھے دیکھا تھا، دریا کے کنارے چار سائے ادھر ادھر حرکت کر رہے تھے۔ دریا کی ہلکی ہلکی لہریں جل ترنگ بجا رہی تھیں۔ یہ آدمی پانی کی سطح پر تاریکی میں دور دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ بے چین ہوئے جا رہے تھے۔ ایک نے کہا ــــ "نہیں اس وقت تک آجانا چاہیے تھا" ــــ دوسرے نے کہا ــــ "انہیں اطلاع تو دے دی گئی تھی" ــــ ایک نے آنکھیں سکیڑ کر کہا ــــ "وہ بادبان معلوم ہوتے ہیں" ــــ اس نے ایک دیا جلا کر آہستہ آہستہ دائیں بائیں ہلانا شروع کر دیا۔ دریا میں دور دو دیے جلتے نظر آئے اور بجھ گئے۔

تھوڑی دیر بعد ایک بادبانی کشتی کنارے کے ساتھ آلگی۔ کنارے پر کھڑے ایک آدمی نے کہا ــــ "کسی کی اونچی آواز نہ نکلے" ــــ مکمل خاموشی سے سیاہ کالے حبشی کشتی سے کنارے پر کودنے لگے۔ اس کے پہلو میں ایک اور کشتی آلگی۔ اس میں سے بھی حبشی اترے۔ یہ بہت بڑی کشتیاں تھیں۔ ان میں سے کم و بیش دو سو حبشی اترے۔ پھر ان میں سے سامان اترنے لگا۔ یہ سب جنگی سامان تھا۔ جونہی کشتیاں خالی ہوئیں، ملاحوں سے کہا گیا کہ بہت تیزی سے کشتیاں واپس لے جائیں۔ ملاحوں نے بادبانوں کے رسے کھینچے، رخ بدلے اور کشتیاں ساحل سے ہٹ کر اندھیرے میں غائب ہو گئیں ــــ اور حبشیوں کی یہ کھیپ بھی چٹانوں میں سے ہوتی ہوئی پہاڑیوں میں گئی اور غائب ہو گئی۔

☆

یہ دونوں سپاہی واپس آئے تو چوکی پر ناچ گانے کی محفل ختم ہو گئی تھی۔ سپاہی اپنے اپنے خیموں کو جا رہے تھے۔ ناچنے گانے والوں کے لیے کمانڈر نے الگ خیمہ کھڑا کر دیا تھا۔ اسے ایک لڑکی کچھ زیادہ ہی اچھی لگی۔ وہ چہرے مہرے سے معصوم سی لگتی تھی۔ کمانڈر نے یہ سوچ کر کہ یہ پیشہ ور لوگ ہیں، سازندوں سے کہا کہ اس لڑکی کو وہ اس کے خیمے میں بھیج دیں۔ یہ لوگ دراصل جاسوس اور تخریب کار تھے۔ ان کا مشن یہی تھا کہ ان دو چوکیوں کو اپنے جال میں الجھائے رکھیں اور ان کے کمانڈروں کو اپنے قبضے میں لینے کی کوشش کریں تاکہ سوڈان سے حبشی فوج مصر میں داخل ہوتی رہے۔ اس کمانڈر نے لڑکی کو اپنے ساتھ رکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو اس کی خواہش فوراً پوری کر دی گئی۔ رقاصہ اس کے ساتھ خیمے میں چلی گئی۔

کمانڈر ادھیڑ عمر تھا اور لڑکی نوجوان۔ خیمے میں جا کر لڑکی کی شوخی ختم ہو گئی۔ وہ تو ناچنے کودنے والی اور بڑی ہی پیاری مسکراہٹ سے تماشائیوں کا دل جلانے والی رقاصہ تھی۔ باہر کی مشعلیں بجھ چکی تھیں۔ خیمے میں دیا جل رہا تھا۔ لڑکی ایک طرف بیٹھ کر کمانڈر کو گہری نظروں سے دیکھنے لگی۔

"میں نے کبھی شراب نہیں پی" ــــ کمانڈر نے کہا۔

"میرے باپ نے بھی کبھی شراب نہیں پی تھی" ــــ رقاصہ نے کہا ــــ "تم نے شراب کا نام کیوں لیا ہے؟ میں نے تو نہیں کہا تھا کہ شراب پیو۔ تم شاید یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہمارے پاس شراب بھی ہوگی اور میں لا کر تمہیں پلاؤں گی"۔

"کہتے ہیں شراب کے بغیر عورت اور عورت کے بغیر شراب بے مزہ اور پھیکی ہوتی ہے" ــــ کمانڈر نے مسکرا کر کہا ــــ "میں شراب کے ذائقے سے واقف نہیں اور میں غیر عورت کی چاشنی سے بھی آشنا نہیں"۔

"پھر تم اناڑی گنہگار ہو" ــــ رقاصہ نے سنجیدگی سے کہا ــــ "میں تم سے کوئی اجرت نہیں لوں گی۔ میری ایک بات مان لو تو میں اسی کو ساری رات تمہارے ساتھ گزارنے کی اجرت سمجھوں گی..... بات یہ ہے کہ گناہ میں وہ چاشنی نہیں جو گناہ نہ کرنے میں ہے۔ تم مرد ہو۔ اس تنہائی میں جب ایک جوان لڑکی تمہارے پاس ہے تمہیں میری یہ بات عجیب لگے گی۔ تم میری بات مانو گے نہیں۔ ذرا غور کرو۔ تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم نے آج پہلی بار گناہ کا ارادہ کیا ہے۔ رات اتنی سرد ہے مگر تمہارے ماتھے پر مجھے پسینے کے قطرے نظر آ رہے ہیں"۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو" ــــ ادھیڑ عمر کمانڈر نے کہا ــــ "ہمیں جب فوجی تربیت دی گئی تھی تو گناہوں

سے بچنے کے طریقے بھی بتائے گئے تھے۔ جنگی اور جسمانی تربیت کے ساتھ روحانی اور اخلاقی تربیت بھی شامل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان ایوبی ایک سو سپاہیوں سے ایک ہزار صلیبیوں کو خون میں نہلا دیتا ہے۔"

"لیکن ایک کمزور سی لڑکی نے تم سے ہتھیار ڈلوا لیے ہیں" — رقاصہ نے کہا — "تم اتنی لمبی روحانی اور اخلاقی تربیت سے دستبردار ہو گئے ہو۔"

کمانڈر پریشان ہو گیا۔ اس نے بے اختیار سا ہو کر کہا — "مجھے بالکل اُمید نہیں تھی کہ تم یہاں آکر اس قسم کی باتیں کرو گی۔ میں نے سوچا تھا کہ تنہائی میں اگر تم شوخ اداؤں اور ناز و انداز سے مجھے دیوانہ بنا دو گی۔ تمہارے ہونٹوں کی وہ مسکراہٹ کہاں ہے جس نے مجھے مجبور کر دیا تھا کہ تمہارے آدمیوں سے تمہاری بھیک مانگوں؟ میں تمہارے عوض عربی نسل کے دو گھوڑے دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"اپنی تلوار بھی دو گے؟" — لڑکی نے گردن کو خم دے کر پوچھا — "اپنی برچھی، اپنی ڈھال اور اپنا خنجر بھی دے دو گے؟"

"ہاں!" — لیکن وہ چپ ہو گیا۔ بے چینی کے عالم میں بولا — "نہیں۔ سپاہی اپنے ہتھیاروں سے دستبردار نہیں ہوا کرتا" — وہ خیمے میں تیز تیز قدم اٹھا کر ذرا سی دیر ٹہلا اور اچانک غصے میں پوچھا — "ایک رقاصہ کے منہ سے یہ باتیں مجھے اچھی نہیں لگ رہیں۔ کیا تم مجھ سے بچنا چاہتی ہو؟ کیا تم اس کوشش میں ہو کہ میں تمہارے جسم کو ہاتھ نہ لگاؤں؟"

"ہاں!" — رقاصہ نے کہا — "میں تم سے اپنا جسم بچانا چاہتی ہوں۔"

"کیا تم اپنے جسم کو پاک سمجھتی ہو؟"

"نہیں" — رقاصہ نے کہا — "میں اپنے جسم کو ناپاک سمجھتی ہوں۔ میں تمہارے جسم کو ناپاک نہیں کرنا چاہتی" — کمانڈر کی عقل میں یہ بات نہ پڑی۔ وہ احمقوں کی طرح منہ کھولے ہوئے رقاصہ کو دیکھنے لگا۔ رقاصہ نے کہا — "کوئی بیٹی اپنے باپ کے جسم کو ناپاک نہیں کرنا چاہتی۔"

"اوہ!" — کمانڈر نے آہ بھر کر کہا — "میں بوڑھا نہیں، تم جوان ہو" — وہ بیٹھ گیا اور اس نے سر جھکا لیا۔

رقاصہ نے آگے بڑھ کر اس کے گال ہاتھوں میں تھام کر اس کا سر اوپر اٹھایا اور کہا — "اتنا مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں کہیں بھاگ نہیں چلی۔ تمہیں کوئی دھوکہ نہیں دے رہی۔ اگر تم صرف مرد کے روپ میں رہنا پسند کرتے ہو تو میں رقاصہ اور فاحشہ بنی رہوں گی۔ پھر میں کہوں گی کہ ایک اور مرد سے واسطہ پڑا تھا جس پر خدا نے لعنت بھیجی تھی۔ میں تمہیں باپ کے روپ میں دیکھ رہی ہوں۔ میری ایک دو باتیں سن لو پھر جو جی میں آئے کرنا۔ میں پھر بن جاؤں گی۔ تم اس کے ساتھ کھیلتے رہنا... تمہاری بیٹی ہے؟"

"ایک ہے" — کمانڈر نے جواب دیا۔

"اس کی عمر کتنی ہے؟"

"بارہ سال۔"

"اگر تم مر جاؤ اور تمہاری بیوی غربت سے تنگ آکر تمہاری بیٹی کو ناچنے گانے والوں کے ہاتھ فروخت کر دے تو تمہاری رُوح کا کیا حشر ہوگا؟... ان صحراؤں میں اور ان پہاڑوں میں بھٹکتی اور چیختی نہیں رہے گی؟"

کمانڈر اُسے پھٹی پھٹی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے کئی اور قطرے پھُوٹ آئے۔ رقاصہ نے اس کی آنکھوں کو گرفتار کر لیا۔

"ذرا تصور میں لاؤ" — رقاصہ نے کہا — "تم مر گئے ہو اور تمہاری بیٹی ایک گناہگار مرد کے ساتھ خیمے میں بیٹھی ہے، اور وہ مرد اُسے کہہ رہا ہے کہ شراب لاؤ، شراب کے بغیر عورت بے مزہ اور پھیکی ہوتی ہے۔"

کمانڈر کے ہونٹ تھرکے۔ اس نے اچانک گرج کر کہا — "نکل جاؤ یہاں سے، فاحشہ، بدکار!"

لڑکی نے آہ بھری اور کہا — "اگر میرا باپ زندہ ہوتا تو وہ مجھے تمہارے خیمے میں دیکھ کر مجھے بھی اور تمہیں بھی قتل کر دیتا" — اس کے آنسو نکل آئے۔ کمانڈر اٹھ کر خیمے میں ٹہلنے لگا تھا۔ رقاصہ نے اس کی ذہنی کیفیت اور غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا — "میں تمہیں بوڑھا جان کر تم سے نفرت نہیں کر رہی۔ میں نے تو ایسے ضعیف العمر آدمیوں کے خیموں میں بھی راتیں گزاری ہیں جنہیں عمر نے اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا۔ وہ دولت سے اپنی لاشوں میں جان ڈالنا چاہتے تھے... میں نے تمہیں اتنا بوڑھا نہیں سمجھا۔ بات اتنی سی ہے کہ تمہاری شکل و صورت میرے باپ سے اتنی زیادہ ملتی ہے کہ میں رقاصہ سے بیٹی بن گئی، اور میں نے جو باتیں تمہیں کہی ہیں یہ میرے دماغ میں پہلے کبھی نہیں آئی تھیں۔ میں صرف ناچنا اور انگلیوں پر نچانا جانتی ہوں۔ تم ذرا سوچو تو سہی، مجھ جیسی فاحشہ رقاصہ کے دماغ میں اتنی باتیں اور ایسی باتیں کیوں آگئی ہیں جنہوں نے صرف تمہیں نہیں مجھے بھی حیران کر دیا ہے؟"

کمانڈر نے اُس کی طرف دیکھا۔ اس کا غصہ بجھ گیا تھا۔ رقاصہ نے کہا — "مجھے اپنے ماں باپ کا چہرہ اور جسم اچھی طرح یاد ہے۔ مجھے اُس کے جسم کی بُو بھی یاد ہے۔ تمہاری بیٹی کی عمر بارہ سال ہے، میری عمر نو دس سال تھی جب وہ مر گیا تھا۔ وہ میرے ساتھ بہت پیار کرتا تھا۔ وہ مصر کی فوج میں سپاہی تھا۔ صلاح الدین ایوبی کے آنے سے پہلے ہی مر گیا تھا۔ میری ماں جوان تھی اور بہت غریب۔ اس نے مجھے ایک آدمی کے حوالے کر دیا۔ اس نے میرے سامنے رقم لی تھی اور اُس آدمی نے میری ماں سے کہا تھا کہ اس کی شادی ایک بڑے اچھے آدمی سے کرا دے گا۔ میں رو پڑی تو ماں نے مجھے کہا تھا کہ یہ تمہارا چچا ہے اور یہ تمہیں تمہارے باپ کے پاس لے جا رہا ہے... میں بارہ سال سے اپنے باپ کو ڈھونڈ رہی ہوں۔ انہی وعدوں پر مجھے ناچ سکھایا گیا کہ مجھے باپ کے پاس لے جائیں گے۔ وہ تو ذرا بڑی ہوئی تو میں نے حقیقت کو قبول کیا کہ میرا باپ تو مر چکا ہے۔ اُس وقت تک رقص میری عادت بن چکا تھا۔ مجھے کسی نے مارا پیٹا نہیں۔ میں نے باپ کے نام پر رقص کی تربیت لی تھی۔ میرے استاد اور میرے آقا میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتے تھے۔ بہت اچھے اچھے کھانے کھلاتے تھے۔ پھر میں جوان ہو گئی تو مجھے اپنی قیمت کا اندازہ ہُوا۔ اس قیمت نے میرے جذبات مار دیئے اور میں خوبصورت پتھر بن گئی، مگر تمہیں دیکھ کر مرے ہوئے جذبات جاگ اٹھے ہیں۔"

اُس کے آنسو نکل آئے۔ آہ لے کر کہنے لگی — "یوں معلوم ہوتا ہے جیسے میرے باپ کی رُوح اس خیمے

سے بچنے کے طریقے بھی بتائے گئے تھے۔ جنگی اور جسمانی تربیت کے ساتھ روحانی اور اخلاقی تربیت بھی شامل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان ایوبی کا ایک سو سپاہیوں سے ایک ہزار صلیبیوں کو خون میں نہلا دیتا ہے۔"

"لیکن ایک کمزور سی لڑکی نے تم سے ہتھیار ڈلوا لیے ہیں" — رقاصہ نے کہا — "تم اتنی ہی روحانی اور اخلاقی تربیت سے دستبردار ہو گئے ہو۔"

کمانڈر پریشان ہو گیا۔ اس نے بے اختیار سا ہو کر کہا — "مجھے بالکل امید نہیں تھی کہ تم یہاں آ کر اس قسم کی باتیں کرو گی۔ میں نے سوچا تھا کہ تنہائی میں اگر تم شوخ اداؤں اور ناز و انداز سے مجھے دیوانہ بنا دو گی۔ تمہارے ہونٹوں کی وہ مسکراہٹ کہاں ہے جس نے مجھے مجبور کر دیا تھا کہ تمہارے آدمیوں سے تمہاری بھیک مانگوں؟ میں تمہارے عوض عربی نسل کے دو گھوڑے دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"اپنی تلوار بھی دو گے؟" — لڑکی نے گردن کو خم دے کر پوچھا — "اپنی برچھی، اپنی ڈھال اور اپنا خنجر بھی دے دو گے؟"

"ہاں!" — لیکن وہ چپ ہو گیا۔ بے چینی کے عالم میں بولا — "نہیں۔ سپاہی اپنے ہتھیاروں سے دست بردار نہیں ہوا کرتا۔" وہ خیمے میں تیز تیز قدم اٹھا کر ذرا سی دیر ٹہلا اور اچانک غصے میں پوچھا — "ایک رقاصہ کے منہ سے یہ باتیں مجھے اچھی نہیں لگ رہیں۔ کیا تم مجھ سے بچنا چاہتی ہو؟ کیا تم اس کوشش میں ہو کہ میں تمہارے جسم کو ہاتھ نہ لگاؤں؟"

"ہاں!" — رقاصہ نے کہا — "میں تم سے اپنا جسم بچانا چاہتی ہوں۔"

"کیا تم اپنے جسم کو پاک سمجھتی ہو؟"

"نہیں!" — رقاصہ نے کہا — "میں اپنے جسم کو ناپاک سمجھتی ہوں۔ میں تمہارے جسم کو ناپاک نہیں کرنا چاہتی۔"

کمانڈر کی عقل میں یہ بات نہ پڑی۔ وہ احمقوں کی طرح منہ کھولے ہوئے رقاصہ کو دیکھنے لگا۔ رقاصہ نے کہا — "کوئی بیٹی اپنے باپ کے جسم کو ناپاک نہیں کرنا چاہتی۔"

"اوہ!" — کمانڈر نے آہ بھر کر کہا — "میں بوڑھا ہوں، تم جوان ہو۔" وہ بیٹھ گیا اور اس نے سر جھکا لیا۔

رقاصہ نے آگے بڑھ کر اس کے گال ہاتھوں میں تھام کر اس کا سر اوپر اٹھایا اور کہا — "اتنا مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں کہیں بھاگ نہیں چلی۔ تمہیں کوئی دھوکہ نہیں دے رہی۔ اگر تم صرف مرد کے روپ میں رہنا پسند کرتے ہو تو میں رقاصہ اور فاحشہ بنی رہوں گی۔ پھر میں کہوں گی کہ ایک اور مرد سے واسطہ پڑا تھا جس پر خدا نے لعنت بھیجی تھی۔ میں تمہیں باپ کے روپ میں دیکھ رہی ہوں۔ میری ایک دو باتیں سن لو۔ پھر جو جی میں آئے کرنا۔ میں پتھر بن جاؤں گی۔ تم اس کے ساتھ کھیلتے رہنا... تمہاری بیٹی ہے؟"

"ایک ہے" — کمانڈر نے جواب دیا۔

"اس کی عمر کتنی ہے؟"

"بارہ سال!"

"اگر تم مر جاؤ اور تمہاری بیوی غربت سے تنگ آ کر تمہاری بیٹی کو ناچنے گانے والوں کے ہاتھ فروخت کر دے تو تمہاری روح کا کیا حشر ہو گا؟... ان صحراؤں میں اور ان پہاڑوں میں بھٹکتی اور چیختی نہیں رہے گی؟"

کمانڈر اسے سہمی سہمی نظروں سے دیکھنے لگا۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے کئی اور قطرے پھوٹ آئے۔ رقاصہ نے اس کی آنکھوں کو گرفتار کر لیا۔

"ذرا تصور میں لاؤ" — رقاصہ نے کہا — "تم مر گئے ہو اور تمہاری بیٹی ایک گناہ گار مرد کے ساتھ خیمے میں بیٹھی ہے، اور وہ مرد اسے کہہ رہا ہے کہ شراب لاؤ، شراب کے بغیر موت بے مزہ اور پھیکی ہوتی ہے۔"

کمانڈر کے ہونٹ تھرکے۔ اس نے اچانک گرج کر کہا — "چلی جاؤ یہاں سے، فاحشہ، بدکار!"

لڑکی نے آہ بھری اور کہا — "اگر میرا باپ زندہ ہوتا تو وہ مجھے تمہارے خیمے میں دیکھ کر مجھے بھی اور تمہیں بھی قتل کر دیتا" — اس کے آنسو نکل آئے۔ کمانڈر اٹھ کر خیمے میں ٹہلنے لگا تھا۔ رقاصہ نے اس کی ذہنی کیفیت اور غصے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا — "میں تمہیں بوڑھا جان کر تم سے نفرت نہیں کر رہی۔ میں نے تو ایسے ضعیف العمر آدمیوں کے خیموں میں بھی راتیں گزاری ہیں جنہیں عمر نے اندر سے کھوکھلا کر دیا تھا۔ وہ دولت سے اپنی لاشوں میں جان ڈالنا چاہتے تھے... میں نے تمہیں اتنا بوڑھا نہیں سمجھا۔ بات اتنی سی ہے کہ تمہاری شکل و صورت میرے باپ سے اتنی زیادہ ملتی ہے کہ میں رقاصہ سے بیٹی بن گئی، اور میں نے جو باتیں تمہیں کہی ہیں یہ میرے دماغ میں پہلے کبھی نہیں آئی تھیں۔ میں صرف ناچنا اور انگلیوں پر نچانا جانتی ہوں۔ تم ذرا سوچو تو سہی، مجھ جیسی فاحشہ رقاصہ کے دماغ میں اتنی باتیں اور ایسی باتیں کیوں آ گئی ہیں جنہوں نے صرف تمہیں نہیں مجھے بھی حیران کر دیا ہے؟"

کمانڈر نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کا غصہ بجھ گیا تھا۔ رقاصہ نے کہا — "مجھے اپنے باپ کا چہرہ اور جسم اچھی طرح یاد ہے۔ مجھے اس کے جسم کی بو بھی یاد ہے۔ تمہاری بیٹی کی عمر بارہ سال ہے، میری عمر نو دس سال تھی جب وہ مر گیا تھا۔ وہ میرے ساتھ بہت پیار کرتا تھا۔ وہ مصر کی فوج میں سپاہی تھا۔ صلاح الدین ایوبی کے آنے سے پہلے ہی مر گیا تھا۔ میری ماں جوان تھی اور بہت غریب۔ اس نے مجھے ایک آدمی کے حوالے کر دیا۔ اس نے میرے سامنے رقم لی تھی اور اس آدمی نے میری ماں سے کہا تھا کہ اس کی شادی ایک بڑے اچھے آدمی سے کرا دے گا۔ میں رو پڑی تو ماں نے مجھے کہا تھا کہ یہ تمہارا چچا ہے اور یہ تمہیں تمہارے باپ کے پاس لے جا رہا ہے... میں بارہ سال سے اپنے باپ کو ڈھونڈ رہی ہوں۔ انہی وعدوں پر مجھے ناچ سکھایا گیا کہ مجھے باپ کے پاس لے جائیں گے۔ وہ تو ذرا بڑی ہوئی تو میں نے حقیقت کو قبول کیا کہ میرا باپ تو مر چکا ہے۔ اس وقت تک رقص میری عادت بن چکا تھا۔ مجھے کسی نے مارا پیٹا نہیں۔ میں نے باپ کے نام پر رقص کی تربیت لی تھی۔ میرے استاد اور میرے آقا میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتے تھے۔ بہت اچھے اچھے کھانے کھلاتے تھے۔ پھر میں جوان ہو گئی تو مجھے اپنی قیمت کا اندازہ ہوا۔ اس قیمت نے میرے جذبات مار دیئے اور میں خوبصورت پتھر بن گئی، مگر تمہیں دیکھ کر مرے ہوئے جذبات جاگ اٹھے ہیں۔"

اس کے آنسو نکل آئے۔ آہ لے کر کہنے لگی — "یوں معلوم ہوتا ہے جیسے میرے باپ کی روح اس خیمے

کے اردگرد گھوم پھر رہی ہے۔ اس خیمے میں آنے سے پہلے میں نے ایسا کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ کبھی یوں لگتا ہے، جیسے میرا وجود میرے باپ کی رُوح ہے جو بھٹکتی پھر رہی ہے۔"

"تم اگر پیشہ ور رقاصہ تھی تو ان صحراؤں میں کیا لینے آئی ہو؟" کمانڈر نے پوچھا۔

"میں اُجرت پر آئی ہوں۔" رقاصہ نے جواب دیا۔۔۔ "میں ان لوگوں کو نہیں جانتی۔ دوسری رقاصہ کو بھی میں اس سے پہلے نہیں جانتی تھی۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ سرحد پر جانا ہے اور وہاں جس چوکی والے خواہش کریں، انہیں بلا اُجرت ناچ گانے سے خوش کرنا ہے۔ مجھے اُجرت کی اتنی خوشی نہیں تھی جتنی اس کی کہ مصر کی عزت کی حفاظت کرنے والے مجاہدوں کا دل بہلانے جا رہی ہوں۔ میرا باپ بھی سپاہی تھا۔ میں دل کو دھوکہ دیتی ہوں کہ میرے رقص سے میرے مجاہد باپ کی روح بھی بہل جاتی ہوگی۔۔۔۔ میں ایک دھوکہ ہوں۔ اپنے لیے بھی دوسروں کے لیے بھی۔ لیکن میں وطن کے مجاہدوں کو ناپاک نہیں کر سکتی۔ پچھلی چوکی والے کمانڈر نے مجھے اپنے خیمے میں بلایا تھا۔ میں نے انکار کر دیا تھا۔ تمہارے پاس صرف اس لیے آگئی ہوں کہ تمہارے چہرے مہرے اور قد کاٹھ میں مجھے اپنا باپ نظر آیا تھا۔"

رقاصہ اُس کے سامنے دو زانو بیٹھ گئی۔ کمانڈر کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر آنکھوں سے لگایا پھر چوما۔ کمانڈر نے دوسرا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا اور پوچھا۔۔۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

"میرے آقا مجھے برق کہتے ہیں۔" رقاصہ نے جواب دیا۔۔۔ "باپ مجھے زہرہ کہا کرتا تھا۔"

"جاؤ زہرہ!" کمانڈر نے ایسے پیار سے کہا جس میں شفقت تھی۔ "اپنے خیمے میں چلی جاؤ۔"

"تم سو جاؤ۔" زہرہ نے کہا۔۔۔ "تم سو جاؤ گے تو چلی جاؤں گی۔"

☆

رات گزرتی جا رہی تھی۔ سازندوں میں سے دو اپنے خیموں میں جاگ رہے تھے۔ دوسری رقاصہ اور باقی سازندے گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ جاگنے والوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔۔۔ "ہمارا طریقہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ ہم ان لڑکیوں کو یہ کہہ کر ساتھ لے آئے ہیں کہ ناچ گانے سے فوجیوں کا دل بہلانے جا رہے ہیں۔ ضرورت یہ تھی کہ ان لڑکیوں کو بتا دیتے کہ ہمارا اصل مقصد کیا ہے۔"

"کسی رقاصہ پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔" دوسرے نے کہا۔۔۔ "یہ لڑکی جو کمانڈر کے خیمے میں ہے، جذبات میں آکر الگ قسم کا انعام لے کر اُسے بتا سکتی ہے کہ ہم سرحدی چوکیوں کے لیے دھوکہ اور فریب بن کر آئے ہیں۔ ہمیں اپنا راز کسی رقاصہ کو نہیں دینا چاہیے۔ ان دونوں کو اپنی اُجرت سے غرض ہے۔ ہم انہیں منہ مانگی اُجرت دے چکے ہیں۔ ہمارا کام ہو گیا ہے۔"

"اگر ہم نے اُسے بتا دیا ہوتا کہ ہمارا مقصد کیا ہے تو یہ لڑکی اس کمانڈر کو اچھی طرح اندھا کر لیتی، اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اُسے اس حد تک پھانس لیتی کہ اسی کی مدد سے ہم حبشیوں کو اندر لے آتے۔"

"ہمارے استاد ہم سے زیادہ عقل رکھتے ہیں۔ یہ لڑکیاں ہمارے ہتھیار ہیں۔ ہتھیاروں کو کبھی کسی نے ہمراز

نہیں بنایا۔"

کمانڈر کے خیمے میں یہ حالت تھی کہ کمانڈر اس اطمینان کے ساتھ سو گیا تھا، رقاصہ نے اُسے گناہ سے صاف بچا لیا اور اُس کے سینے میں باپ کو بیدار کر دیا تھا۔ رقاصہ اُسے بہت دیر دیکھتی رہی۔ کمانڈر کا چہرہ جب رقاصہ کے آنسوؤں میں چھپ گیا تو وہ خیمے سے نکل گئی۔ اپنے خیمے میں گئی اور سو گئی۔ رات کی ایک ہی ساعت بچی تھی جو گزر گئی۔ ناچنے گانے والے جاگے تو سورج اوپر آگیا تھا۔ لڑکیوں کو معلوم ہی نہیں تھا کہ انہیں کہاں جانا ہے۔ سازندے انہیں اپنے ساتھ لے جانے لگے تو کمانڈر باہر کھڑا تھا۔ زہرہ دوڑ کر اس تک گئی اور کہا۔۔۔ "میرے سر پر ہاتھ رکھو۔" کمانڈر نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا تو زہرہ نے اس کا دوسرا ہاتھ پکڑ کر آنکھوں سے لگایا اور وہ بھیگی آنکھوں سے اس سے رخصت ہوئی۔

وہ دریا کی طرف چلے گئے۔ کہیں سے دو شتر سوار آگئے۔ وہ اونٹوں سے اُترے۔ اونٹوں کو بٹھایا، دونوں لڑکیوں کو سوار کیا اور چل پڑے۔ یہ شتر سوار اسی گروہ کے افراد تھے جو قریب ہی کہیں اُن کے انتظار میں چھپے ہوئے تھے۔ یہ گروہ اُس جگہ پہنچا جہاں تاجروں کا قافلہ چار لڑکیوں کے ساتھ خیمہ زن تھا۔ یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کو یوں ملے جیسے اجنبی ہوں۔ لڑکیاں ناچنے والی لڑکیوں کو مردوں سے الگ دریا کے کنارے لے گئیں۔ اُن کا مقصد یہی تھا کہ انہیں مردوں سے الگ کر دیا جائے۔ چاروں لڑکیوں نے زہرہ اور اُس کی ساتھی رقاصہ کو اپنے متعلق بتایا کہ وہ ان آدمیوں کی بہو بیٹیاں ہیں اور سیر کے لیے ان کے ساتھ آئی ہیں۔

ادھر مردوں کی منڈلی میں اصل مشن پر گفتگو ہو رہی تھی۔ سازندوں نے اپنی دو راتوں کی کارگزاری سنائی۔ دوسرے گروہ نے انہیں بتایا کہ اُن کے دو راتوں کے ناچ گانے سے کم و بیش ایک سو حبشی اندر آگئے ہیں اور ان لڑکیوں نے دو سپاہیوں کے ساتھ جو کھیل کھیلا ہے اس سے دو سو سے زائد حبشی آگئے ہیں۔۔۔۔۔ اپنی اپنی کارگزاری سنانے کے بعد انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ناچ گانے سے حبشیوں کی زیادہ تعداد اندر نہیں آسکتی۔ دریا کا راستہ زیادہ بہتر ہے۔ کشتیوں میں زیادہ آدمی اندر آسکتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے طے کیا کہ لڑکیاں ان دو سپاہیوں کے علاوہ دریا چار اور گشتی سنتریوں کے ساتھ یہی کھیل کھیلیں تاکہ ہر رات کشتیاں آسکیں۔ یہ فیصلہ بھی ہوا کہ زہرہ اور اس کی ساتھی رقاصہ کو یہیں کہیں قریب رکھا جائے لیکن اس راز میں شامل نہ کیا جائے۔

سازندوں نے بعد میں زہرہ اور اس کی ساتھی سے کہا کہ ان کا کام ختم ہو چکا ہے۔ یہ جگہ بہت خوبصورت ہے اس لیے چند دن یہیں فارغ گزارے جائیں۔ انہوں نے لڑکیوں کو ایسے انداز سے اُکسایا کہ وہ رُک گئیں۔ دوسرے گروہ کی لڑکیوں نے انہیں اپنے ساتھ بے تکلف کر لیا لیکن اُن کے قیام کی جگہ ذرا دُور بنائی۔۔۔۔ اس رات زہرہ سو نہ سکی۔ اُسے کمانڈر یاد آرہا تھا۔ اس کی شخصیت زہرہ کے دل میں اُتر گئی تھی۔ ایک تو اس لیے کہ کمانڈر میں اُسے اپنے باپ کی تصویر نظر آرہی تھی اور دوسرے اس لیے کہ یہ پہلا مرد تھا جس نے اُسے کھلونا سمجھنے کی بجائے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا اور تیسرے اس لیے کہ کمانڈر نے اُسے زہرہ کہا برق نہیں کہا تھا۔ اُس کی ساتھی رقاصہ سو گئی تھی اور اُس کے گروہ کے سازندے بھی سو گئے تھے۔ وہ اٹھی اور خیمے سے

باہر نکل گئی۔ اُس نے راستہ دیکھا ہُوا تھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی چوکی کی طرف چل پڑی۔ وہ اتنی تیز اور اتنا زیادہ چلنے کی عادی نہیں تھی لیکن اس کے جذبات اُسے قوت دے رہے تھے۔ وہ چوکی تک پہنچ گئی۔ کمانڈر کے خیمے سے وہ واقف تھی۔ وہ خیمے میں چلی گئی۔ کمانڈر گہری نیند سویا ہُوا تھا۔۔۔۔ اُس کی آنکھ کھُل گئی۔ اندھیرے میں اُس نے وہ ہاتھ پکڑ لیا جو کوئی اس کے منہ پر پھیر رہا تھا۔ ہاتھ چھوٹا سا تھا جو مردانہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے ہڑبڑا کر پوچھا — "کون ہو؟"

"زہرہ"

وہ اٹھ بیٹھا۔ زہرہ نے کہا — "تمہیں دیکھنے آئی ہوں۔۔۔۔ سو جاؤ۔ میں جا رہی ہوں"

کمانڈر نے دیا جلایا اور پوچھا کہ وہ کہاں سے آئی ہے۔ زہرہ نے بتایا تو کمانڈر باہر نکلا۔ دو گھوڑے تیار کیے اور زہرہ کو باہر لے جا کر ایک گھوڑے پر اُسے سوار کرایا۔ دوسرے پر خود سوار ہُوا اور گھوڑے چل پڑے۔ راستے میں زہرہ جذباتی باتیں کرتی رہی اور کمانڈر شفقت اور پیار سے سنتا رہا۔ اپنے ٹھکانے سے کچھ دُور ہی تھے کہ زہرہ نے اُسے روک کر واپس چلے جانے کو کہا۔ کمانڈر نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور واپس آ گیا۔

زہرہ جب اپنے ٹھکانے پر پہنچی تو اُس کے ساتھ کا ایک آدمی جاگ رہا تھا۔ اس نے زہرہ سے پوچھا کہ وہ کہاں گئی تھی۔ زہرہ نے بتایا کہ ویسے ہی گھومنے پھرنے نکل گئی تھی۔ اس آدمی نے کریدنا شروع کر دیا۔ اُسے شک تھا۔ زہرہ نہیں بتانا چاہتی تھی کہ وہ کہاں گئی تھی۔

"تم ہماری اجازت کے بغیر کہیں نہیں جا سکتی" اس آدمی نے حکم دیا۔

"میں تمہاری زر خرید نہیں ہوں" زہرہ نے کہا — "میں نے جو اُجرت لی تھی اس کے عوض کام پورا کر چکی ہوں۔ میں کسی کے حکم کی پابند نہیں"

"تم اپنے مالکوں کے پاس شاید زندہ نہیں پہنچنا چاہتی" اس آدمی نے کہا — "اب ہم سے پوچھے بغیر کہیں جا کے دیکھو"

☆

دونوں سپاہی اپنی گشت کے دوران دریا کے کنارے جاتے رہے۔ دونوں لڑکیاں انہیں الگ لے جاتیں اور اس دوران حبشیوں سے لدی ہوئی دو بادبانی کشتیاں تاریکی میں کنارے آ لگتیں اور حبشیوں کو پہاڑیوں میں اُگل کر تاریکی میں غائب ہو جاتیں۔ ان چار لڑکیوں نے دو اور سپاہیوں کو "بوڑھے خاوندوں کی نوجوان بیویاں" بن کر اور اُن کے ساتھ بھاگ جانے کا جھانسہ دے کر اپنے جال میں پھانس لیا تھا۔ پہاڑی خطے میں اتنے زیادہ حبشی جمع ہو چکے تھے جو رات کے وقت سرحدی چوکیوں پر حملہ کر کے وہاں کی نفری کو سوتے میں آسانی سے ختم کر سکتے تھے، لیکن اُن کے کمانڈروں نے عقل کی بات سوچی تھی۔ سرحدی چوکیوں پر حملے کی خبر قاہرہ پہنچ سکتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ قاہرہ سے فوج آ جاتی اور صلیبیوں کی یہ سکیم تباہ ہو جاتی کہ قاہرہ پر اچانک اور بے خبری میں حملہ کریں گے۔

پہاڑیوں میں حبشیوں کی تعداد تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی اور سوڈان میں صلیبی مشیروں نے وہ صلیبی کمانڈر جنہیں قاہرہ پر حملہ کرنا تھا مقرر کر دیئے۔ انہیں چند دنوں بعد مصر کی سرحد میں داخل ہو کر ان پہاڑیوں میں آنا اور حملے کی تیاری کرنی تھی۔ سالار القند ابھی تک قاہرہ میں اپنے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ اُس کی کسی حرکت سے کسی کو شک نہیں ہوتا تھا کہ وہ بہت بڑی غداری کا مرتکب ہونے والا ہے۔ اُسے رات کو گھر میں پوری رپورٹ مل جاتی تھی کہ کتنے حبشی گزشتہ رات آ چکے ہیں اور اُن کی تعداد کتنی ہو گئی ہے۔ حملے کی قیادت اسی کو کرنی تھی۔ اُس نے پلان تیار کر لیا تھا۔

حبشی ہزاروں کی تعداد میں اکٹھے ہو گئے تو انہوں نے اپنے مذہب کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ پہلے وہ آپس میں کھُسر پھُسر کرتے رہے۔ اُن کا مطالبہ یہ تھا کہ انسان کی قربانی دی جائے۔ القند نے وہاں جو آدمی بھیج رکھے تھے، انہوں نے انہیں ٹالنے کی کوشش کی لیکن حبشی اپنے ساتھ جو مذہبی پیشوا لائے تھے وہ ٹلتے نظر نہیں آتے تھے۔ حبشیوں نے انہیں پریشان کرنا شروع کر دیا تھا کہ انسان کی قربانی دو، ورنہ وہ واپس چلے جائیں گے۔ مذہبی پیشواؤں سے کہا گیا کہ وہ انہی حبشیوں میں سے کسی کو پکڑ کر ذبح کر دیں لیکن وہ کہتے تھے کہ یہ قربانی قبول نہیں ہوتی۔ قربانی کے لیے اُسی خطے کا انسان ہونا چاہیے جس پر حملہ کرنا ہے، لڑنے والے لوگ اپنی قربانی نہیں دیا کرتے۔

آخر انہیں کہا گیا کہ حملے سے ایک دن پہلے مصر کا ایک آدمی اُن کے حوالے کر دیا جائے گا۔ حبشیوں کے پروہت نے کہا — "ہمیں وہ انسان ابھی چاہیئے۔ ہم بہت دنوں تک اُسے خاص غذا دے کر پالیں گے۔ اُس پر اپنا خاص عمل کریں گے۔ اپنی عبادت بھی کریں گے۔۔۔۔ اور ابھی ہمیں یہ حساب بھی کرنا ہے کہ قربانی مرد کی دینی ہے یا عورت کی یا دونوں کی"

اُسی رات القند کو اطلاع دی گئی کہ حبشی قربانی کے لیے انسان مانگتے ہیں۔ القند نے کہا — "تو اس میں سوچنے کی کیا بات ہے۔ کوئی آدمی پکڑو اور اُن کے حوالے کر دو"

"لیکن وہ ابھی بتائیں گے کہ انہیں ایک آدمی چاہیے یا ایک عورت یا دونوں"

"ان کا جو بھی مطالبہ ہے پورا کرو" القند نے کہا — "چند دنوں بعد جب ہم قاہرہ پر حملہ کریں گے، تو معلوم نہیں قاہرہ کے کتنے لوگ ہمارے ہاتھوں مارے جائیں گے۔ دو کو اگر پہلے ہی مار دو گے تو کیا قیامت آ جائے گی"

القند گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ اتنے میں ایک صلیبی اندر آیا۔ اس نے مصری لباس پہن رکھا تھا۔ اندر آتے ہی اُس نے مصنوعی داڑھی اتار کر رکھ دی۔ اس نے القند سے پوچھا کہ وہ کیوں پریشان نظر آتا ہے۔

"حبشی اپنی رسم پوری کرنا چاہتے ہیں" القند نے جواب دیا۔ "وہ ابھی سے انسانی قربانی کا مطالبہ کر رہے ہیں"

"تو آپ کیا سوچ رہے ہیں؟"

"میں سوچ رہا ہوں کہ حملے سے ایک دن پہلے ایک آدمی اُن کے حوالے کر دیں گے" القند نے جواب دیا۔

"نہیں" صلیبی نے کہا — "وہ ابھی قربانی دینا چاہتے ہیں تو ابھی اُن کی رسم پوری کرنے کا انتظام کریں۔ آپ سوڈان نہیں گئے۔ ہم اُن کے مذہب سے ساتھ کھیل کر انہیں یہاں لا رہے ہیں۔ آپ شاید انسانوں کو

استعمال کرنا نہیں جانتے۔ آپ کو صلاح الدین ایوبی نے صرف لڑنا سکھایا ہے۔ انسانوں کو تلوار کے بغیر مارا ہم صلیبیوں سے سیکھیں۔ دوسروں کے مذہب کو استعمال کریں۔ اُن پرانی کے مذہب کا جنون غالب کرکے اُن کی عقل کو اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ اُن کی بے ہودہ اور بے معنی رسموں کی مخالفت کرنے کی بجائے ان کی پیروی کرو بلکہ اپنے ہاتھوں یہ رسمیں ادا کرو۔ عام انسان کا ذہن مذہب اور توہم پرستی سے زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ ہم نے جتنے مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملایا اور صلاح الدین ایوبی کے خلاف استعمال کیا ہے وہ مذہب اور توہم پرستی کے ہتھیاروں سے کیا ہے۔ مسلمان مذہب کے نام پر جلدی ہمارے جال میں آتا ہے۔ یہ حبشی تو جنگلی ہیں۔ انہیں ہم ایک سال سے زیادہ عرصے سے بیوقوف بنا رہے ہیں۔ سوڈان سے روانگی سے پہلے ہم نے دو سوڈانیوں کو پکڑ کر ان کے حوالے کیا اور بتایا تھا کہ یہ مصری ہیں۔ انہوں نے انہیں ذبح کیا تب وہ مصر کی طرف روانہ ہوئے تھے۔"

"اُن سے پوچھ کر انہیں قربانی کے لیے مرد چاہیے یا عورت"۔ القند نے پوچھا۔

"اور آپ کا وہاں چلنا بہت ضروری ہے"۔ صلیبی نے کہا۔ "لیکن آپ کو میں کسی اور طریقے سے ان کے سامنے لے جاؤں گا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان حبشیوں سے بڑھ کر آپ کو کوئی اور وحشی اور خونخوار جنگجو نہیں ملے گا۔ اس وقت ان کی تعداد چار ہزار کے قریب ہے۔ اگر ہم نے ان پر ان کے مذہب کا بھوت سوار کیے رکھا اور انہیں یہ یقین دلائے رکھا کہ یہ ہماری نہیں ان کی اپنی جنگ ہے تو ان میں سے صرف ایک ہزار اس تمام فوج کو جو قاہرہ میں ہے کٹی ہوئی لاشوں میں بدل دیں گے۔ ہم نے انہیں یہ بتایا ہے کہ ہم انہیں ان کے خدا کے گھر لے جا رہے ہیں، اور یہ کہ ان کے خدا کی زمین پر ان کے دشمن نے قبضہ کر رکھا ہے۔"

"میں چلوں گا"۔ القند نے کہا۔

القند مصر پر سوڈانیوں کی حکومت چاہتا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے وہ کسی غدار سے اس خواہش کا اظہار کر بیٹھا، تو اُس نے اس کی خواہش کو عزم بنا دیا اور اُس کی ملاقات صلیبیوں سے کرا دی تھی۔ صلیبیوں نے اُس کے ساتھ یہ سودا طے کیا تھا کہ مصر کو دو حصوں میں تقسیم کرکے ایک حصہ اُسے دے دیا جائے گا اور باقی نصف سوڈان کو۔ جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ حبشیوں کی فوج کا اہتمام صلیبیوں نے کیا تھا۔ مورخوں نے القند کی بغاوت کو تفصیل سے بیان نہیں کیا۔ اُس دور کی عظیم شخصیت قاضی بہاؤالدین شدّاد نے اپنی ڈائری بعنوان "سوانح صلاح الدین —— سلطان یوسف پر کیا افتاد پڑی؟" میں تفصیل سے لکھا ہے کہ القند نے صلیبیوں اور سوڈانی لیڈروں کی مدد سے تہذیب و تمدن سے دُور جانوروں اور درندوں کی سی زندگی بسر کرنے والے حبشیوں پر اُن کے مذہب کا بھوت سوار کرکے اُن پر جنگی جنون طاری کیا اور القند خود ان کا پیر و مرشد بنا۔ حبشیوں کو بتایا گیا کہ یہ اُن کے خدا کا ایلچی ہے جو صدیوں سے خدا کے پاس گیا ہوا تھا۔ سلطان یوسف سے مراد سلطان صلاح الدین ایوبی ہے۔ اس مجاہدِ اعظم کا پورا نام یوسف صلاح الدین تھا۔ قاضی بہاؤالدین شدّاد اُسے پیار اور شفقت سے یوسف کہا کرتا تھا۔

☆

وہ رات تاریک تھی۔ مصر کا آسمان آئینے کی طرح شفاف تھا۔ ستارے ہیروں اور سچے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ قاہرہ شہر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ چند دنوں بعد اُن پر کیا قیامت ٹوٹنے والی ہے۔ مصر کے سرحدی دستے بھی سوئے ہوئے تھے۔ صرف گشتی سنتری جاگ رہے تھے لیکن وہ صرف جاگ رہے تھے، بیدار نہیں تھے۔ دریائے نیل کے ساتھ کی چوکی جو دریائی راستہ بند کرنے کے لیے بنائی گئی تھی اور اُس سے چند میل دُور دوسری چوکی جو پہاڑیوں کے علاقے کو سربمہر رکھنے کے لیے قائم کی گئی تھی، کے گشتی سنتری چار لڑکیوں کے حسین، اور معلوم جال میں اُلجھے ہوئے تھے۔ لڑکیاں انہیں الگ الگ لے گئی تھیں۔ اس رات یہ گروہ بہت زیادہ چوکنا تھا۔

زہرہ اور اس کی ساتھی رقاصہ اس گروہ سے کچھ دُور خیمے میں سوئی ہوئی تھیں۔ سازندے بظاہر سوئے ہوئے تھے لیکن وہ بیدار تھے۔ انہیں بتا دیا گیا تھا کہ آج رات بہت اہم ہے اور وہ بیدار رہیں۔ ان دونوں گروہوں کے لیے یہ حکم تھا کہ کوئی باہر کا آدمی دریا کے کنارے اور اس پہاڑی سلسلے کے قریب نہ آئے۔ کوئی آئے تو اُسے پکڑ کر اندر لے آؤ۔

کچھ دیر بعد ایک سازندہ اٹھا۔ پہلے وہ باہر گھوما پھرا پھر اُس نے اس چھوٹے خیمے میں جھانکا جس میں دونوں لڑکیاں سوئی ہوئی تھیں۔ اندھیرے میں اُسے کچھ نظر نہ آیا۔ اندر جا کر ٹٹولا۔ اُسے کچھ شک ہوا۔ دیا جلا کے دیکھا تو زہرہ غائب تھی۔ دوسری گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ سازندے نے اُسے نہ جگایا۔ اُسے معلوم تھا کہ زہرہ کہاں گئی ہے۔ وہ چوکی کے کمانڈر کے پاس ہی جا سکتی تھی۔ اس میں خطرہ یہ تھا کہ کمانڈر اُس کے ساتھ آ گیا، تو اپنے سنتریوں کو غائب پا کر انہیں ڈھونڈے گا اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ دریا کے کنارے اس جگہ بھی پہنچ جائے جس جگہ کو اس رات باہر کی دنیا سے چھپا کر رکھنا تھا...... سازندے نے اپنے دو ساتھیوں کو جگایا اور انہیں بتایا کہ اُن کی ایک لڑکی غائب ہے۔ وہ چوکی پر ہی گئی ہوگی۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ دریا سے دُور گھات لگائی جائے اور اگر کمانڈر لڑکی کے ساتھ واپس آ رہا ہو تو دونوں کو پکڑ کر اپنے کمانڈر کے حوالے کر دیا جائے، اور اگر ضرورت پڑے تو دونوں کو قتل کرکے لاشیں دریا میں پھینک دی جائیں۔

پہاڑیوں کے اندر کی دنیا جاگ رہی تھی۔ یہ وسیع و عریض علاقہ تھا جہاں کوئی نہیں جاتا تھا۔ ایک اس لیے کہ یہ جگہ دُور دراز اور راستوں سے ہٹ کر تھی اور دوسرے اس لیے مشہور تھا کہ اندر فرعونوں کی بھی بدروحیں رہتی ہیں، اور اُن کی بھی جو فرعونوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ یہ بھی مشہور تھا کہ بدروحیں آپس میں لڑتی رہتی ہیں اور اگر کوئی انسان اس علاقے میں چلا جائے تو اس کے جسم کا گوشت غائب ہو جاتا ہے اور پیچھے ہڈیوں کا پنجرہ جاتا ہے...... یہ بتایا جا چکا ہے کہ اس پہاڑی خطے کے وسط میں فرعونوں کے بہت بڑے بڑے بُت پہاڑیوں کو تراش کر بنائے گئے تھے۔ پہاڑیوں کو اندر سے کھوکھلا کرکے اندر محل جیسے کمرے اور غلام گردشیں بنائی گئی تھیں۔

اُس رات ان زمین دوز محلات میں روشنی ہی روشنی تھی۔ ہزاروں حبشی باہر اُس میدان میں جمع تھے،

جسے ہر طرف سے پہاڑیوں نے گھیر رکھا تھا۔ حبشیوں سے کہا گیا تھا کہ وہ اونچی بات نہ کریں۔ انہیں ان کا خدا دکھایا جانے والا ہے۔ حبشیوں پر خوف اور عقیدت مندی کے جذبات سوار تھے۔ ڈر کے مارے وہ ایک دوسرے کے ساتھ سرگوشی میں بھی بات نہیں کرتے تھے۔ وہ ان پہاڑیوں اور چٹانوں سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے انہیں معلوم تھا کہ جس پہاڑی کی طرف وہ منہ کر کے بیٹھے ہیں اس کی نصف بلندی پر ایک بہت بڑا بت ہے۔ یہ ابوسمبل کا بُت تھا جس کے متعلق ان حبشیوں کو بتایا گیا تھا کہ اُن کے خدا کا بُت ہے اور ایک رات یہ خدا ایک انسان کے روپ میں اُن کے سامنے آئے گا۔

اچانک ایسی گرجدار آواز آئی جیسے گھٹائیں گرجی ہوں۔ حبشی پہلے ہی خاموش تھے۔ اس گرج نے اُن کی سانسیں بھی روک دیں۔ اس کے ساتھ ہی انہیں ایک آواز سنائی دی ۔۔۔ "خدا جاگ رہا ہے۔ سامنے پہاڑی پر دیکھو۔ اوپر دیکھو" ۔۔۔ یہ آواز بڑی بلند تھی جو پہاڑیوں اور چٹانوں کے درمیان گونج بن کر کچھ دیر سنائی دیتی رہی فضا میں دو شرارے اڑتے نظر آئے جو سامنے والی پہاڑی کی طرف گئے اور پہاڑی سے جہاں ٹکرائے وہاں سے ایک شعلہ اٹھا۔ ابوسمبل کا بُت اس شعلے کے پیچھے اور کچھ اوپر تھا۔ شعلے کی ناچتی تھرکتی ہوئی روشنی بُت کے مہیب چہرے پر پڑی تو ایسے نظر آنے لگا جیسے بت آنکھیں جھپک رہا ہو۔ اُس کا منہ کھلتا اور بند ہوتا نظر آتا تھا اور یوں بھی لگتا تھا جیسے اس کا چہرہ دائیں بائیں ہل رہا ہو۔

حبشیوں کا یہ سیاہ کالا ہجوم سجدے میں گر پڑا۔ اُن کے مذہبی پیشوا سجدے سے اٹھے۔ سب نے بازو پھیلا دیئے۔ ان میں جو سب سے بڑا تھا اس نے بُت سے بڑی ہی بلند آواز سے کہا ۔۔۔ "آگ اور پانی کے خُدا ریگستانوں کو جلانے اور دریاؤں کو پانی دینے والے خدا! ہم نے تجھے دیکھ لیا ہے۔ ہمیں بتا کہ ہم تیرے قدموں میں کتنے انسان قربان کریں۔ مرد لائیں یا عورت؟"

"ایک مرد ایک عورت"۔ پہاڑیوں میں سے آواز آئی ۔۔۔ "تم نے ابھی مجھے نہیں دیکھا۔ میں انسان کے روپ میں تمہارے سامنے آ رہا ہوں۔ اگر تم نے میرے دشمنوں کا خون نہ بہایا تو تم سب کو ان پہاڑیوں کے پتھروں کی طرح پتھر بنا دوں گا پھر تم دھوپ میں ہمیشہ جلتے رہو گے۔ تم میں سے جو لڑائی سے بھاگے گا اُسے صحرا کی ریت چُوس لے گی .... انتظار کرو۔ میرا انتظار کرو۔"

خاموشی اور گہری ہو گئی۔ شعلہ آہستہ آہستہ کم ہونے لگا۔ پہاڑیوں میں سے حبشیوں کے مذہبی ترانے کی آواز آنے لگی۔ یہ اُن کا وہ گیت تھا جو مذہبی تہواروں پر عبادت کے دوران گایا کرتے تھے۔ بہت سے آدمی مل کر گا رہے تھے اور ساتھ دف بج رہے تھے۔ نیچے بیٹھے ہوئے ہزاروں حبشیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اُن میں سے کوئی بھی نہیں گا رہا تھا۔ یہ غیب کی آواز معلوم ہوتی تھی۔

☆

زہرہ جوگی کے کمانڈر کے خیمے میں تھی۔ اس کی باتیں پہلے سے زیادہ جذباتی ہو گئی تھیں۔ اُس نے کمانڈر سے کہا ۔۔۔ "اگر میں تمہیں نہ دیکھتی تو باقی عمر ناچتے اور دوسروں کا دل بہلاتے گزار دیتی۔ تمہیں دیکھ کر مجھے یاد آ گیا ہے کہ میں

بیٹی ہوں رقاصہ اور فاحشہ نہیں۔ یا تم اپنے آپ کو مار لو تاکہ مجھے یقین ہو جائے کہ میرا باپ مر گیا ہے یا مجھے قتل کر دو اگر یہ نہیں کر سکتے تو مجھے پناہ میں لے لو۔ اپنے گھر بھیج دو۔ آج مجھے واپس نہ جانے دو۔"

"تم آج چلی جاؤ"۔ کمانڈر نے جواب دیا ۔۔۔ "میں تمہیں چوکی میں نہیں رکھ سکتا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں اپنے گھر بھیجنے کا انتظام کر دوں گا ..... اور اگر تم یہاں سے چلی گئی تو مجھے پتا ہو میں اپنا ٹھکانہ بتا دو۔ وہاں آکر تمہیں لے جاؤں گا۔"

تھوڑی دیر بعد کمانڈر نے دو گھوڑے تیار کیے اور زہرہ سے کہا کہ چلو چلیں۔ دونوں گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور چل پڑے۔ راستے میں زہرہ نے کمانڈر سے پوچھا ۔۔۔ "رات کو کشتیاں یہاں کیوں آیا کرتی ہیں؟"

"کشتیاں؟" کمانڈر نے حیران سا ہو کر پوچھا ۔۔۔ "کدھر سے آتی ہیں؟"

"اُدھر سے"۔ اس نے سوڈان کی طرف اشارہ کر کے کہا ۔۔۔ "مجھے اب رات کو نیند کم آتی ہے۔ آدھی رات کو اٹھ کر خیمے سے باہر بیٹھ جاتی ہوں۔ میں نے دو راتیں دیکھا ہے۔ ایک رات تین اور ایک رات دو بادبانی کشتیاں آئیں۔ اُن کے سفید بادبان اندھیرے میں بھی نظر آتے تھے۔ آگے جا کر کشتیاں کنارے لگیں۔ مجھے اس طرح کی آوازیں سنائی دیتی رہیں جیسے ان سے بہت سے لوگ اُتر رہے ہوں۔ مجھے کچھ دور درختوں کے پیچھے سائے سے جاتے اور پہاڑیوں میں غائب ہوتے نظر آئے۔"

"تم نے ہمارے دو سپاہیوں کو کبھی نہیں دیکھا؟" کمانڈر نے پوچھا ۔۔۔ "وہ گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ انہیں دریا کے کنارے موجود رہنا چاہیے۔"

"نہیں"۔ زہرہ نے جواب دیا ۔۔۔ "میں نے کسی کوئی سپاہی نہیں دیکھا۔ دن کے دوران سپاہی آتے ہیں۔ آگے ایک قافلہ اُترا ہوا ہے۔ ان کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں۔ ایک روز میں نے ایک سپاہی کو ایک لڑکی کے ساتھ بے تکلفی سے چٹانوں کے پیچھے جاتے دیکھا تھا۔"

زہرہ کو تو علم ہی نہیں تھا کہ سرحدوں پر کیا ہوتا ہے اور کیا ہو سکتا ہے اور سرحدی دستوں کے فرائض کیا ہیں۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ رات کو یا دن کو سوڈان کی طرف سے کشتیوں کو آنا چاہیے یا نہیں۔ اس نے تو ایسے ہی پوچھ لیا تھا لیکن کمانڈر کے لیے یہ اہم خبر تھی۔ زہرہ اگر صحیح کہہ رہی تھی تو وہ اُسے راز کی بات بتا رہی تھی۔ وہ بے شک اس ڈیوٹی اور سرحدی ماحول سے اکتا گیا تھا مگر زہرہ کی باتوں نے اُسے بیدار کر دیا اس نے زہرہ سے کہا ۔۔۔ "آؤ، آج دریا کے کنارے چلتے ہیں"۔۔۔ اس نے گھوڑے کا رُخ موڑ دیا۔

وہ دریا تک پہنچے اور کنارے کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ کمانڈر کی نظریں دریا پر تیر رہی تھیں کچھ وقت گزرا تو اُسے دریا میں دُور ایک لَو نظر آئی جو دیئے کی معلوم ہوتی تھی۔ پھر ایک اور لَو نظر آئی اور پھر دونوں روشنیاں بجھ گئیں۔ اِدھر کنارے پر بھی ایک دیا جلا اور بجھ گیا۔ کمانڈر نے اُن گشتی سنتریوں کو آواز دی جنہیں وہاں گشت پر ہونا چاہیے تھا۔ اُسے کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے اور بلند آواز سے پکارا۔ پھر بھی کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے اور زور سے پکارا۔ اسے اب دریا میں دو کشتیوں کے بادبان دکھائی دیئے۔ وہ پریشان ہو گیا۔ وہ زہرہ کی موجودگی کو بھول

کمانڈر سنتریوں کو پکار رہا تھا۔

گیا اور گھوڑے کو کنارے کے ساتھ آگے چلا دیا۔ زہرہ بھی اس کے پیچھے گئی۔ سنتریوں کو اس کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں لیکن وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ الگ چٹانوں کی اوٹ میں "بوڑھے خاوندوں کی نوجوان بیویوں" کے جال میں پھنسے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے کمانڈر کی آواز پہچان لی اور وہاں سے اٹھے۔ وہ جب وہاں جا کر اکٹھے ہوئے جہاں وہ اپنے گھوڑے باندھ گئے تھے تو دیکھا کہ دونوں گھوڑے غائب ہیں۔ وہ وہیں رُکے رہے۔ انہیں دُور دو گھوڑے جاتے دکھائی دیئے۔

کمانڈر آگے جا رہا تھا۔ زہرہ کا گھوڑا اُس کے پہلو میں تھا۔ انہیں آواز سنائی دی — "تم جنہیں پکار رہے ہو وہ بہت دُور آگے گئے ہیں۔"

"تم کون ہو؟" کمانڈر نے پوچھا۔ "آگے آؤ۔"

"ہم مسافر ہیں۔" اسے جواب ملا اور دو گھوڑے کمانڈر کی طرف بڑھنے لگے۔ پھر ایک اور آواز آئی۔ "آگے چلیں ہم آپ کے ساتھ چلیں گے۔"

کمانڈر نے تلوار نکال لی۔ رات کے وقت مسافروں کا گھوڑوں پر سوار ہونا اور اس علاقے میں ہونا مشکوک تھا۔ وہ دونوں اُن کے قریب آ گئے۔ ایک نے کمانڈر سے کہا۔ "اُدھر دیکھو۔ وہ آ رہے ہیں۔" جونہی کمانڈر نے اُدھر دیکھا اس آدمی نے ایک بازو کمانڈر کی گردن کے گرد لپیٹ کر بازو کا شکنجہ تنگ کر دیا اور دوسرے ہاتھ سے اُس کی تلوار والی کلائی پکڑ لی۔ دوسرے نے لڑکی کو دبوچ لیا۔ کمانڈر کو جس نے پکڑ رکھا تھا، اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ گھوڑا تیز چلا تو کمانڈر اپنے گھوڑے سے گرنے لگا۔ اندھیرے سے دو اور آدمی دوڑے آئے۔ انہوں نے کمانڈر کو بے بس کر لیا۔

یہ سازندے تھے جو دراصل تربیت یافتہ چھاپہ مار سپاہی تھے۔ ان میں سے دو تین زہرہ کے پیچھے گئے تھے اور انہیں راستے میں دیکھ کر اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اُن کے تعاقب میں آ رہے تھے۔ سنتریوں کے گھوڑوں پر سوار ہو کر آنے والے اُن کے ساتھی تھے۔ اُن میں سے کسی نے کہا۔ "انہیں زندہ لے چلو۔ یہی حکم ملا تھا کہ کوئی مشتبہ آدمی نظر آئے تو اُسے زندہ لے آؤ۔"

کمانڈر اور زہرہ کو جب پہاڑیوں کی طرف لے جایا جا رہا تھا تو انہوں نے دیکھا کہ کشتیوں میں سے حبشی سامان اتار رہے تھے۔ یہ جنگی سامان اور رسد تھی۔

☆

پہاڑیوں میں دُور اندر ہزاروں حبشیوں کا ہجوم ابھی تک خاموش بیٹھا تھا۔ شعلہ کبھی کا بجھ چکا تھا۔ مذہبی گیت کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ حبشیوں پر طلسم طاری تھا۔ اُن کی جذباتی کیفیت کچھ اور سِوا ہوئی جا رہی تھی۔ وہ اپنے آپ کو ان حبشیوں سے برتر سمجھنے لگے تھے جو سوڈان میں رہ گئے تھے...... گیت گانے والے خاموش ہو گئے۔ اچانک سامنے پہاڑی پر چمک نظر آئی تھی جیسے بجلی چمکی ہو۔ چمک پھر پیدا ہوئی جو مستقل روشنی بن گئی۔ یہ روشنی ابوسمبل کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے۔ یوں لگتا تھا جیسے ابوسمبل کا چہرہ اپنی روشنی سے روشن

ہو گیا ہو۔

روشنی بجھ گئی۔ ذرا سی دیر بعد روشنی پھر نظر آئی۔ سب نے دیکھا کہ ابوسمبل کے پہاڑ جیسے بُت کی گود میں سے ایک آدمی اُترا اور آگے چل پڑا۔ بُت کے پیچھے سے چار آدمی نمودار ہوئے۔ سب ایک ایک سفید چادر میں ملبوس تھے جنہوں نے کندھوں سے پاؤں تک جسم ڈھانپ رکھے تھے۔ جو آدمی بُت کی گود سے آیا تھا وہ کوئی بادشاہ معلوم ہوتا تھا۔ اُس کے سر پر تاج تھا اور تاج پر ایک مصنوعی سانپ کے پھن کا سایہ تھا۔ اُس کا چغہ لال رنگ کا تھا۔ روشنی جو معلوم نہیں کہاں سے آ رہی تھی اس آدمی پر پڑ رہی تھی۔ اُس کے چغے پر تارے تھے جو روشنی میں چمکتے اور ٹمٹماتے تھے۔ اس کے ہاتھ میں برچھی اور دوسرے میں ننگی تلوار تھی۔ تلوار بھی چمکتی تھی۔ سفید چادروں والے آدمی اُس کے پیچھے آ گئے۔

وہ ڈھلان سے اُتر رہے تھے اور روشنی اُن کے ساتھ ساتھ آ رہی تھی۔ اگلا آدمی جو بادشاہ لگتا تھا رک گیا۔ پیچھے والے چاروں آدمیوں نے اکٹھے بڑی ہی بلند آواز سے کہا۔ "خدا زمین پر اُتر آیا ہے۔ سجدہ کرو۔ اٹھو اور غور سے دیکھو۔" سارا ہجوم سجدے میں گر پڑا۔ سب نے سر اٹھائے اور "خدا" کو دیکھا۔ اس وقت خدا نے تلوار اوپر اٹھائی تھی۔ وہ ڈھلان سے اُترنے لگا۔ سناٹا ایسا طاری ہو گیا جیسے وہاں ایک بھی انسان نہ ہو۔ وہ اُترتے اُترتے ایسی جگہ آن کھڑا ہوا جو بلند تھی اور ہجوم کے قریب۔ یہ جگہ چوڑی تھی۔ روشنی صرف اس پر اور اُن چار آدمیوں پر پڑ رہی تھی جو اُس کے ساتھ تھے۔ اچانک اس روشنی میں چار لڑکیاں داخل ہوئیں۔ اُن کے لباس اتنے سے ہی تھے کہ صرف ستر ڈھانپے ہوئے تھے۔ اُن کے جسموں کے رنگ گورے تھے۔ اُن کی پیٹھوں پر کندھوں سے ذرا نیچے پرندوں کی طرح پَر پھیلے ہوئے تھے۔ اُن کے بال کھلے تھے۔ وہ یوں حرکت کرتی تھیں جیسے اُڑ رہی ہوں۔ وہ رقص کی اداؤں سے اس بادشاہ (حبشیوں کے "خدا") کے ارد گرد گھوم کر وہیں کہیں غائب ہو گئیں۔ شاید چٹان کے پیچھے اتر گئی تھیں۔

اُس وقت چار آدمی کمانڈر اور زہرہ کو وہاں ایک غار میں لے گئے اور ایک کمرے میں داخل کر دیا۔ ایک آدمی باہر چلا گیا۔ وہ واپس آیا تو اُس کے ساتھ ایک اور آدمی تھا۔ اسے بتا دیا گیا کہ یہ چوکی کا کمانڈر ہے اور یہ رقاصہ ہے اور انہیں دریا کے کنارے سے اُس وقت پکڑا گیا ہے جب کشتیاں سامان اور مزید حبشیوں کو اتار رہی تھیں۔ اس آدمی نے کمانڈر اور زہرہ کو دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ وہ ایک آدمی کو ساتھ لے کے باہر نکل آیا۔

"تم انہیں بڑے اچھے وقت لائے ہو۔" اُس نے کہا۔ "یہ بدبخت حبشی انسانی قربانی مانگ رہے تھے۔ ہم نے القند کے کہنے پر خدا کی آواز میں اعلان کر دیا تھا کہ ایک مرد اور ایک عورت کی قربانی دی جائے گی۔ ہمیں کہیں سے ایک مرد اور ایک عورت کو اغوا کر کے ان کے حوالے کرنا تھا۔ تم نے ہمارا مسئلہ حل کر دیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہم کامیاب ہوں گے۔ ہر کام پوری کامیابی سے ہو رہا ہے۔ قربانی کے لیے اپنے آپ ہی دو انسان آ گئے ہیں۔"

"حبشیوں نے خدا دیکھ لیا ہے؟" ایک نے پوچھا۔

"اگر تم ہوتے تو دیکھتے کہ ہم نے کیسی استادی سے انہیں خدا دکھایا ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "بُت کی سامنے والی پہاڑی سے جلتے ہوئے فلیتے والے دو تیر چلائے گئے۔ تیر اندازوں نے اندھیرے میں ایسا نشانہ

باندھا کر صحیح جگہ پر تیر گرے۔ ہم نے تیل اور مادہ زیادہ جگہ پھیلایا تھا۔ پہلے ہی دو تیروں نے اُسے آگ لگا دی۔ اینڈرسن تجربہ کار آدمی ہے۔ اس نے کہا تھا کہ شعلے میں بُت ہنستا، مسکراتا اور جھپکتا نظر آئے گا۔ یہ شعلے کا کرشمہ تھا کہ خود ہمیں یقین ہونے لگا تھا کہ بُت نہ صرف آنکھوں اور ہونٹوں کو حرکت دے رہا ہے بلکہ اس کا چہرہ دائیں بائیں حرکت کر رہا ہے۔

"اور حبشیوں کا ردِ عمل کیا تھا؟"

"سجدے میں گر پڑے تھے" اس نے جواب دیا۔ "ہمارے آدمیوں کی آوازیں بڑی گونجدار تھیں۔ پہاڑیوں میں ان کی گونج کچھ دیر تک سنائی دیتی رہی۔ میں اندھیرے میں دیکھ نہیں سکا۔ مجھے یقین ہے کہ حبشی خوف سے کانپ رہے ہوں گے۔ القند کا ناٹک تو بہت ہی کامیاب رہا۔ شعلہ بجھا تو ہم نے اُسے پوشاک پہنا کر بُت کی گود میں بٹھا دیا اور چار آدمی پہلے ہی وہاں چھپے بیٹھے تھے۔ بُت پر سامنے کی پہاڑی سے روشنی پھینکنے کا سلسلہ بھی کامیاب رہا۔ ساتھ والی پہاڑی پر جو آگ جلائی گئی تھی وہ نیچے کسی کو نظر نہیں آئی تھی۔ اس کے قریب بڑا آئینہ رکھ کر بُت پر عکس پھینکا تو یوں لگتا تھا جیسے یہ بُت کے چہرے کا نور ہے۔ اس میں سے القند 'خدا' بن کے اُترا تو ہماری لڑکیوں نے سب کو یقین دلا دیا کہ یہ خدا ہے اور وہ پریاں ہیں۔ ہم کسی قدم پر ناکام نہیں ہوئے۔ اب القند کو اندر بٹھا کر تمام حبشیوں کو اس کے سامنے سے گزارا جائے گا اور انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے تمہارا 'خدا' جو جنگ میں تمہارے ساتھ ہوگا۔

"ان دونوں (کمانڈر اور زہرہ) کو آج ہی قربان کردیں گے؟"

"اس کا فیصلہ حبشی کریں گے۔ وہ شاید انہیں تین چار روز پالیں پوسیں گے اور اپنی کچھ رسمیں ادا کریں گے۔" انہیں کسی کی آواز سنائی دی ۔۔۔ "مجھے معلوم نہیں تھا کہ لڑنے والے سالار کو یہ سوانگ بھی بھرنا پڑے گا۔" تین چار آدمیوں کی ہنسی سنائی دی۔ کسی اور نے کہا ۔۔۔ "اس کے بغیر ان حبشیوں کو لڑانا آسان نہیں تھا۔ بہرحال آپ کو اس سوانگ کی بہت زیادہ قیمت مل رہی ہے ۔۔۔ پورا مصر۔"

یہ القند اور اس کے ساتھیوں کی آوازیں تھیں۔ وہ قریب آئے تو ان دونوں نے بتایا کہ ایک مرد اور ایک عورت اتفاق سے ہاتھ آگئی ہے۔ انہیں حبشیوں کے حوالے کیا جا سکتا ہے۔ القند نے یہ نہ پوچھا کہ یہ دونوں کون ہیں۔ وہ سر سے تاج اُتار کر اُس کمرے میں چلا گیا جہاں کمانڈر اور زہرہ کو رکھا گیا تھا۔ القند کمانڈر کو نہ پہچان سکا۔ کمانڈر نے اسے پہچان لیا۔ کمانڈر کے کانوں میں وہ باتیں بھی پڑی تھیں جو باہر ایک آدمی دوسرے کو سُنا رہا تھا۔ اُس نے اس کے منہ سے کئی بار القند کا نام سنا تھا اور اُسے یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ اُسے اور زہرہ کو قربان کیا جائے گا۔ القند اُس کے سامنے آیا تو اُسے اس پر حیرت نہ ہوئی کہ اُس کا سالار یہاں کیسے آگیا ہے۔

القند یہ کہہ کر باہر نکل گیا کہ ان دونوں کو حبشیوں کے مذہبی پیشواؤں کے حوالے کردو۔

☆

تین چار روز بعد قاہرہ میں العادل نے علی بن سفیان کو بلایا اور کہا ۔۔۔ "تین چار دنوں سے سالار القند نہیں مل رہا۔ میں اُسے جب بھی بلاتا ہوں جواب آتا ہے کہ وہ نہیں ہے۔ اس کے گھر سے بھی یہی جواب ملا ہے۔ وہ کہاں جا سکتا ہے؟"

"اگر سرحدی دستوں کے معائنے کے لیے سرحد کے دورے پر جاتا تو آپ سے اجازت لے کر جاتا" ۔۔۔ علی بن سفیان نے جواب دیا ۔۔۔ "فوری طور پر میرے ذہن میں یہی آتا ہے کہ اُسے تخریب کاروں نے اغوا یا قتل کر دیا ہوگا۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ تخریب کاروں سے ہی جا ملا ہو" ۔۔۔ العادل نے کہا۔

"کبھی ایسا شک ہُوا نہیں تھا" ۔۔۔ علی بن سفیان نے کہا ۔۔۔ "میں اس کے گھر سے پتہ کراتا ہوں۔"

وہ خود اس کے گھر چلا گیا۔ القند کے بارہ باڈی گارڈ موجود تھے۔ ان کے کمانڈر سے پوچھا کہ سالار القند کہاں ہیں؟ اُس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ کسی بھی باڈی گارڈ کو معلوم نہیں تھا۔ ملازمہ کو باہر بلا کر کہا گیا کہ القند کی بیویوں سے پوچھے کہ القند کہاں گیا ہے۔ ملازمہ اسے اندر لے گئی۔ الگ کمرے میں بٹھایا۔ وہ بوڑھی عورت تھی۔ اس نے علی بن سفیان سے کہا۔ "اس گھر سے آپ کو پتہ نہیں چلے گا کہ سالار القند کہاں چلے گئے ہیں۔ میں ایک عرصے سے یہاں جو کچھ دیکھ رہی ہوں وہ بتا دیتی ہوں لیکن میری جان کی حفاظت آپ کے ذمے ہوگی۔ اگر میں مرگئی تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ خاوند مدت ہوئی مر گیا تھا۔ ایک ہی بیٹا تھا وہ سوڈان کی لڑائی میں شہید ہوگیا ہے۔ میں نے یہاں نوکری کرلی ہے۔ یہ لوگ مجھے غریب اور سیدھی سادی عورت سمجھتے رہے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ شہید کی ماں اس مُلک اور اس مذہب کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتی جس کی خاطر اُس نے اپنا بیٹا شہید کرایا ہو..... اس گھر میں مشکوک سے لوگ آتے رہتے ہیں۔ میں نے ایک رات ایک آدمی کو اندر آتے دیکھا۔ وہ عربی لباس میں تھا اور اس کی داڑھی تھی۔ مجھے اندر بلا کر کہا گیا کہ میں شراب لانے کا انتظام کروں۔ شراب ایک نئی بیگم پلایا کرتی ہے جو مصری یا عربی معلوم نہیں ہوتی۔ میں نے دیکھا کہ داڑھی والا مہمان داڑھی اُتار رہا تھا۔ اس کی داڑھی اور مونچھیں مصنوعی تھیں۔ اس سے پہلے بھی یہاں ایسے لوگ آتے رہے ہیں جن پر مجھے شک ہے کہ نیک نیت لوگ نہیں۔ میرے کانوں میں اس قسم کے الفاظ بھی پڑے ہیں ۔۔۔ آدھا مصر سوڈان کا..... مصر کی امارت..... ایک ہی رات میں کام ہو جائے گا ۔۔۔ سالار رات کو نکلے تھے۔ ان کے ساتھ دو اجنبی صورت آدمی تھے۔ میں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ سالار نے محافظوں کے کمانڈر سے کچھ باتیں کی تھیں۔"

بوڑھی ملازمہ نے کچھ اور باتیں بتا کر علی بن سفیان پر یہ ثابت کر دیا کہ سالار القند کو نہ اغوا کیا گیا ہے نہ قتل اور نہ ہی وہ کسی سرکاری ڈیوٹی پر گیا ہے۔ مصر میں تخریب کاری اور غداری اتنی زیادہ ہوئی تھی اور ہو رہی تھی کہ کسی شریف انسان پر بھی شک نہ کرنا بہت بڑی لغزش تھی۔ القند نے کبھی شک پیدا نہیں ہونے دیا تھا لیکن علی بن سفیان بال کی کھال اُتارنے والا سراغرساں تھا۔ اس کے لیے مشکل یہ تھی کہ کسی سالار کے رُتبے کے آدمی کے گھر کی تلاشی کسی شہادت کے بغیر نہیں لے سکتا تھا۔ اُس کے لیے مصر کے قائمقام سپریم کمانڈر العادل کی اجازت کی ضرورت تھی۔ اس نے فوری طور پر یہ کارروائی کی کہ اپنے محافظ کو بھیج کر اپنے شعبے کے تین چار سراغرساں بلا لیے اور انہیں القند کے مکان پر نظر رکھنے کے لیے اِدھر اُدھر چھپا دیا۔ انہیں ہدایت یہ دی کہ کوئی مرد یا عورت مکان سے باہر آئے تو چوری چھپے اس کا تعاقب کیا جائے۔

باہر آکر اس نے باڈی گارڈ کے کمانڈر کو حکم دیا کہ اپنے اور تمام محافظوں کے ہتھیار اندر رکھ دو اور سب میرے ساتھ چلو۔ بارہ آدمیوں کی گارد کو نہتہ کرکے علی بن سفیان اپنے ساتھ لے گیا اور العادل کو تفصیلی رپورٹ دی۔ العادل نے اُسے القند کے گھر پر چھاپہ مارنے کی اجازت دے دی.... وقت ضائع کیے بغیر سپاہیوں کی ایک ٹولی بلائی گئی۔ اِدھر القند کے گھر میں کوئی اور ہی صورت پیدا ہوگئی تھی۔ علی بن سفیان جب وہاں سے نکلا تھا تو القند کی ایک بیوی جو جوان تھی ملازمہ کو اپنے کمرے میں لے گئی اور اس سے پوچھا کہ علی بن سفیان نے اُس سے کیا پوچھا اور اس نے کیا بتایا ہے۔ بڑھیا نے جواب دیا کہ وہ سالار کے متعلق پوچھ رہا تھا اور میں نے بتایا تھا کہ میں غریب سی ملازمہ ہوں مجھے کچھ خبر نہیں کہ وہ کہاں ہیں۔

"تمہیں بہت کچھ معلوم ہے"۔۔۔ بیگم نے اُسے کہا۔۔۔ "اور تم نے بہت کچھ بتایا ہے۔"

بڑھیا اپنی بات پر قائم رہی۔ بیگم نے ایک ملازم کو بلایا اور اُسے ساری بات بتا کر کہا۔۔۔ "اس نامُراد بڑھیا کی زبان کھولو۔ کہتی ہے میں نے کچھ نہیں بتایا۔"

ملازم نے بڑھیا کے بال مٹھی میں لے کر مروڑے اور ایسا جھٹکا دیا کہ وہ چکرا کر گری۔ ملازم نے اس کی شہ رگ پر پاؤں رکھ کر دبایا۔ بڑھیا کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ ملازم نے دانت پیس کر کہا۔۔۔ "بتا اسے کیا بتایا ہے"۔۔۔ اس نے پاؤں اٹھالیا۔

بڑھیا میں اٹھنے کی ہمت کم ہی رہ گئی تھی۔ وہ خاموش رہی۔ ملازم نے اس کی پسلیوں میں لات ماری۔ بڑھیا تڑپنے لگی۔ اس کے بعد ملازم نے اُسے طرح طرح کی اذیتیں دے دے کر ادھ مؤا کر دیا۔ تب اس نے کہا۔۔۔ "جان سے مار ڈالو۔ اپنے شہید بیٹے کی روح کے ساتھ غداری نہیں کروں گی۔ تم غدار ہو۔ تم ایمان فروش کی بدکار بیوی ہو" کوشش نہ کرے۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کچھ نہیں بتائے گا تو اس کا کیا حشر کیا جائے گا۔ اُس نے یہ کہہ کر کہ وہ حکم کا پابند اور انعام واکرام کا طلبگار تھا، علی بن سفیان کو بتایا کہ القند کا مسلسل رابطہ صلیبیوں اور سوڈانیوں کے ساتھ تھا اور وہ انہی کے ساتھ گیا ہے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ ایک گھریلو ملازم کو ایک سالار کے خفیہ پلان کا علم ہوتا۔ ملازم نے بتایا کہ القند نے جاتے ہوئے کہا تھا کہ بہت دنوں کے بعد آئے گا اور جب تک ممکن ہو سکے اس کی غیر حاضری کے متعلق لاعلمی کا اظہار کرتے رہیں۔ ملازم کو یہ معلوم نہیں تھا کہ القند گیا کہاں ہے۔

نئی بیگم کو علی بن سفیان نے اپنے دو آدمیوں کے ساتھ اپنے مخصوص تہ خانے میں بھیج دیا اور خود کچھ اور تفتیش کرکے اور القند کے گھر پر پہرہ لگا کر اپنے دفتر میں چلا گیا جہاں القند کے باڈی گارڈ نہتے بیٹھے تھے۔ ان سب کو علی بن سفیان نے کہا۔۔۔ "تم مصر اور شام کی متحدہ سلطنت کے فوجی ہو۔ کچھ چھپاؤ گے تو اس کی سزا موت ہے اور اگر تم نے حکم کی پابندی کرتے ہوئے سالار القند کی سرگرمیوں پر پردہ ڈال رکھا ہے تو شاید میں تمہیں کوئی سزا نہ دوں۔"

گارد کا کمانڈر بول پڑا۔ اس نے جو بیان دیا، اس سے اس کی تصدیق ہوگئی کہ القند کے پاس صلیبی اور سوڈانی آتے تھے اور القند غداری کا مرتکب ہو رہا تھا۔ انہیں بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ القند گیا کہاں ہے۔

آدھی رات کے قریب علی بن سفیان تہ خانے میں گیا۔ القند کی نئی بیگم تنگ سی ایک کوٹھڑی میں بند تھی۔ اُسے دہشت زدہ کرنے کے لیے اس کی کوٹھڑی میں ایک ایسے قیدی کو ڈال دیا گیا تھا جو مسلسل اذیتوں سے تڑپتا اور کراہتا تھا۔ وہ صلیبیوں کا جاسوس تھا۔ اپنے ساتھیوں کی نشاندہی نہیں کرتا تھا۔ نئی بیگم دوپہر سے اس کے ساتھ بند تھی اور اُسے تڑپتا دیکھ رہی تھی۔ اب آدھی رات ہوگئی تھی۔ وہ تو شہزادی تھی۔ تہ خانے اور کوٹھڑی کی صرف بدبو ہی اُسے پاگل کرنے کو کافی تھی۔ اس آدمی کی حالت دیکھ دیکھ کر اس کا خون خشک ہو گیا تھا۔ علی بن سفیان جب اس کے سامنے گیا تو لڑکی چیخنے چلانے لگی۔ اُسے باہر نکال کر علی بن سفیان ایک اور کوٹھڑی کے سامنے لے گیا۔ سلاخوں کے پیچھے تنگ سی کوٹھڑی میں ایک سیاہ کالا حبشی بند تھا۔ ہیبت ناک شکل اور جسم بھینسے جیسا۔ اس نے سرحدی دستے کے ایک کمانڈر کو قتل کیا تھا۔ علی بن سفیان نے لڑکی سے کہا کہ باقی رات اسے اس کے ساتھ بند کیا جائے گا۔ لڑکی چیخ کر علی بن سفیان کے پاؤں میں گر پڑی۔

"پوچھو مجھ سے کیا پوچھتے ہو!"۔۔۔ اُس نے علی بن سفیان کی ٹانگوں سے لپٹ کر کہا۔

"القند کہاں گیا ہے؟ کیوں گیا ہے؟ اس کے ارادے کیا ہیں؟"۔۔۔ علی بن سفیان نے پوچھا۔۔۔ "اور

"اسے تہ خانے میں لے جا کر ختم کر دو"۔۔۔ بیگم نے کہا۔۔۔ "رات کو لاش غائب کر دینا۔ ہمارے سر سے ابھی خطرہ ٹلا نہیں۔ وہ ہمارے محافظوں کو نہتہ کرکے اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ اس بدبخت بڑھیا کو بہت کچھ معلوم ہے۔ اسے اس راز سمیت زمین میں دبا دو۔"

بڑھیا فرش پر پڑی تھی۔ اس پر نیم غشی کی کیفیت طاری تھی۔ ملازم نے اُسے ہلکی سی گٹھڑی کی طرح اٹھا کر کندھے پر ڈال دیا۔ کمرے سے نکل کر وہ برآمدے میں جا رہا تھا کہ آواز آئی۔۔۔ "رُک جاؤ"۔۔۔ اُس نے گھوم کر دیکھا۔ سپاہی دوڑے آ رہے تھے۔ علی بن سفیان کے حکم پر وہ سب بکھر کر کمروں اور برآمدوں وغیرہ میں پھیل گئے۔ ملازم بھاگ نہ سکا۔ اس کے کندھے سے بڑھیا کو اتارا گیا۔ بڑھیا کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ علی بن سفیان کو دیکھا تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔ اس نے کہا۔۔۔ "اس سے پہلے مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ تم آئے تو میرے شک پختہ ہو گئے کہ یہ تو گڑبڑ ہے"۔۔۔ اس کی آواز اکھڑی ہوئی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے بتایا کہ نئی بیگم اور اس کے اُس ملازم نے اس سے یہ اگلوانے کے لیے کہ اس نے علی بن سفیان کو کیا بتایا ہے اُسے بہت مارا ہے۔

علی بن سفیان نے ایک سپاہی سے کہا کہ بڑھیا کو فوراً طبیب کے پاس لے جاؤ۔ بڑھیا نے روک دیا اور کہا۔۔۔ "مجھے کہیں نہ بھیجو۔ میں اپنے شہید بیٹے کے پاس جا رہی ہوں۔ مجھے نہ روکو"۔۔۔ اور وہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی۔

القند کے گھر کا کونہ کونہ چھان مارا گیا۔ تہ خانے میں گئے تو یہ اسلحہ خانہ بنا ہوا تھا۔ گھر سے سونے کے ٹکڑوں اور نقدی کے انبار برآمد ہوئے۔ ایک مُہر بھی برآمد ہوئی جس پر القند کا پورا نام اور اس کے ساتھ "سلطانِ مصر" کندہ تھا۔ القند کو اپنی فتح کا اتنا یقین تھا کہ اس نے اپنے نام کی مُہر بھی بنوالی تھی۔ اس مہر نے شکوک کو یقین میں بدل دیا۔ القند کے گھر میں چھ بیویاں تھیں اور شراب کا ذخیرہ بھی تھا۔ القند کے متعلق مشہور تھا کہ شراب نہیں پیتا۔ اب اس

کے گھر سے پتہ چلا کر رات کو پیا کرتا تھا۔ علی بن سفیان نے اس کی تمام بیویوں سے پوچھ گچھ کی تو کارآمد معلومات حاصل ہوئیں۔ اہم شہادت نئی بیگم کی تھی جس نے ملازم کے ہاتھوں بڑھیا کو مروا دیا تھا۔ باقی تمام بیویوں نے کہا کہ سارا راز نئی بیگم کے سینے میں ہے۔ اس کے متعلق یہ بھی بتایا گیا کہ اس کی زبان مصری نہیں، سوڈانی ہے اور جب باہر کے آدمی آتے ہیں تو صرف یہی لڑکی اُن میں اٹھتی بیٹھتی اور ان کے ساتھ شراب پیتی ہے۔ ان بیویوں کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ انہیں اور کچھ بھی معلوم نہیں۔

نئی بیگم کو الگ کر لیا گیا۔ بڑھیا کو مارنے والے ملازم کو علی بن سفیان نے کہا کہ وہ اب کچھ چھپانے کی اس کے متعلق جو کچھ جانتی ہو بتا دو"

نازک سی لڑکی نے سب کچھ ہی بتا دیا۔ اُسے بھی یہ معلوم نہیں تھا کہ القند کہاں گیا ہے۔ اس نے بتایا کہ سوڈان سے حبشیوں کی فوج لائی جارہی ہے جو کسی رات قاہرہ پر حملہ کر کے سارے مصر پر قابض ہو جائے گی۔ یہ لڑکی چونکہ شراب پلانے کا فرض ادا کرتی تھی، اس لیے القند کے گھر میں آئے ہوئے صلیبی اور سوڈانی مہمان اسے اپنا سمجھ کر اس کے سامنے بھی باتیں کرتے رہتے تھے۔ یہ لڑکی سوڈان کے کسی بڑے آدمی کی بیٹی تھی۔ اُسے القند کے لیے تحفے کے طور پر بھیجا گیا تھا۔ القند نے اس کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ لڑکی بہت ہوشیار اور تیز تھی۔ وہ سوڈان کے مقصد کو اچھی طرح سمجھتی تھی۔ اس کے بتانے کے مطابق یہ سونا اور نقدی جو اس کے گھر سے برآمد ہوئی تھی، سوڈان سے آئی تھی۔ یہ جنگ کے اخراجات کے لیے اور مصری فوج سے غدار خریدنے کے لیے تھی۔ اس لڑکی کو اس مقام کا علم نہیں تھا جہاں حبشیوں کی بہت سی فوج آچکی تھی۔ اُس نے بتایا کہ فوج کہیں دریا کے کنارے ہے اور اس کا حملہ شب خون کی قسم کا ہوگا۔

جس قدر معلومات حاصل کی جاسکتی تھیں کر لی گئیں۔ علی بن سفیان نے العادل کو تفصیلی رپورٹ دی اور تجویز پیش کی کہ دو دو چار چار سپاہی دیکھ بھال کے لیے ہر طرف پھیلا دیئے جائیں جو یہ دیکھیں کہ سوڈانی فوج کا اجتماع کہاں ہے اور یہ بھی معلوم کیا جائے کہ حبشیوں کی فوج اگر واقعی اندر آگئی ہے تو کدھر سے آئی ہے۔ اس نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ سلطان کو اطلاع نہ دی جائے کیونکہ وہ سوائے پریشان ہونے کے کوئی مدد نہیں کر سکے گا۔ العادل سلطان ایوبی کو اطلاع دینا ضروری سمجھتا تھا۔ اُسے خدشہ تھا کہ حالات زیادہ بگڑ سکتے ہیں۔ اس صورت میں سلطان ایوبی کی ضرورت پیدا ہو سکتی ہے۔ لہٰذا مکمل رپورٹ لکھ کر ایک سینئر کمانڈر کو چار محافظوں کے ساتھ دی گئی اور اُسے یہ حکم دیا گیا کہ ہر چوکی پر گھوڑے تبدیل کریں اور کہیں رکیں نہیں۔

☆

میدانِ جنگ میں سلطان ایوبی کا ہیڈ کوارٹر کسی ایک جگہ نہیں رہتا تھا۔ وہ دن کو کہیں اور رات کو کہیں اور ہوتا اور خود گھومتا پھرتا رہتا تھا لیکن اس نے ایسا انتظام کر رکھا تھا کہ اس تک پہنچتے دقت نہیں ہوتی تھی۔ جگہ جگہ راہنما موجود رہتے تھے جنہیں خبر پہنچا دی جاتی تھی کہ سلطان کہاں ہے۔ یہ ایک راز ہوتا تھا، اس لیے راہنما ذہین قسم کے افراد ہوتے تھے۔ جس حلب تین دنوں کی مسافت کے بعد پیغام لے جانے والا کمانڈر چار محافظوں کے ساتھ دمشق

پہنچا اس وقت سلطان ایوبی الرستان کے سلسلۂ کوہ میں تھا۔ سردی کا عروج تھا۔ کمانڈر اور اس کے محافظوں کی یہ حالت تھی کہ بھوک، نیند اور مسلسل سواری سے ان کے چہرے لاشوں کی طرح سوکھ گئے تھے۔ زبانیں باہر نکلی ہوئیں اور سر ڈول رہے تھے۔ پھر بھی وہ فوراً روانہ ہونے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ انہیں زبردستی کھلایا پلایا گیا اور وہ الرستان کے لیے روانہ ہو گئے۔

تریپولی کا صلیبی حکمران ریمانڈ الملک الصالح کی مدد کے لیے آیا اور بغیر لڑے واپس چلا گیا تھا کیونکہ سلطان ایوبی نے آگے گھات لگائی اور عقب سے اس کی رسد روک لی تھی۔ عقب میں بھی سلطان ایوبی کی فوج دیکھ کر ریمانڈ اپنی فوج کو کسی اور طرف سے نکال کر لے گیا تھا۔ سلطان ایوبی نے اس کا تعاقب مناسب نہ سمجھا کیونکہ اس سے وقت اور طاقت ضائع ہوتی تھی۔ اُس نے زیادہ نفری کے چھاپہ مار دستے ریمانڈ کی رسد کو پکڑ لانے یا دوسری صورت میں تباہ کر دینے کے لیے بھیج دیئے۔ موسم سرما کی بارشیں بھی شروع ہو گئی تھیں۔ صلیبیوں کی رسد کا قافلہ بہت ہی بڑا تھا۔ رات کے وقت رسد کے محافظ گھوڑا گاڑیوں کے نیچے اور خیموں میں پڑے تھے۔ انہیں رسد واپس لے جانی تھی۔ اگلی صبح انہیں کوچ کرنا تھا۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ دن کے وقت پہاڑیوں اور چٹانوں کی اوٹ سے چند آنکھیں انہیں دیکھتی رہی تھیں۔ انہیں غالباً توقع تھی کہ اتنی سردی میں اور بارش کے دوران اُن پر کوئی حملہ کرنے نہیں آئے گا۔

رات کو اچانک اُن کے کیمپ کے ایک طرف شور اٹھا۔ شعلے بھی اٹھے۔ خیمے جل رہے تھے۔ یہ سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں کا شب خون تھا۔ انہوں نے پہلے چھوٹی منجنیقوں سے آتش گیر مادے کی ہانڈیاں پھینکیں، پھر جلتے ہوئے فلیتوں والے تیر چلائے تھے۔ شعلوں کی روشنی میں انہوں نے حملہ کر دیا۔ برچھیوں اور تلواروں سے بہت سے صلیبیوں کو ختم کر کے چھاپہ مار پہاڑیوں میں غائب ہو گئے۔ کچھ دیر تک قریبی چٹانوں سے رسد کے کیمپ پر تیر برستے رہے۔ اس کے بعد چھاپہ ماروں کی دوسری پارٹی نے حملہ کیا۔ صبح تک ڈیڑھ دو میل علاقے میں پھیلے ہوئے کیمپ میں رسد رہ گئی تھی یا لاشیں رہ یا ایسے زخمی جو چلنے کے قابل نہیں تھے۔ بہت سے گھوڑوں کو صلیبی بھگا لے گئے تھے۔ بہت سے پیچھے بھی رہ گئے تھے۔ چھاپہ ماروں کے شب خونوں کے درمیانی وقفے میں صلیبی کچھ گھوڑا گاڑیاں نکال لے جانے میں کامیاب ہو گئے تھے جو رسد اور گھوڑے رہ گئے وہ سلطان ایوبی کی فوج نے قبضے میں لے لیے۔

حلب کا محاصرہ اٹھا لیا گیا تھا۔ سلطان ایوبی اس اہم شہر کو ایک بار پھر محاصرے میں لینے کی سکیم بنا رہا تھا۔ دن کے وقت جب چھاپہ ماروں کا کمانڈر سلطان ایوبی کو گزشتہ رات کے شب خونوں کی رپورٹ دے رہا تھا، دربان خیمے میں داخل ہوا۔ اس نے سلطان کو اطلاع دی کہ قاہرہ سے ایک کمانڈر پیغام لایا ہے۔ پیغام قاصد لایا لے جایا کرتے تھے۔ کمانڈر کا نام سن کر سلطان ایوبی دوڑ کر باہر آیا اور اُس کے منہ سے نکلا ۔۔۔ "خیریت؟..... تم کیوں آئے ہو؟"

"پیغام اہم ہے"۔ کمانڈر نے کہا ۔۔۔ "خدائے ذوالجلال سے خیریت کی اُمید رکھنی چاہیے"۔

سلطان ایوبی نے پیغام لیا اور کمانڈر کو اندر لے گیا۔ اس نے پیغام پڑھا اور گہری سوچ میں کھو گیا۔

"ابھی یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ سوڈانیوں کی فوج مصر میں داخل ہو کر کہاں خیمہ زن ہوئی ہے؟" — سلطان ایوبی نے پوچھا۔

"دیکھ بھال کے دستے بھیج دیئے گئے ہیں" — کمانڈر نے جواب دیا۔

"مجھے توقع تھی کہ میری غیر حاضری میں کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہو گی" — سلطان ایوبی نے کہا — "میرے بھائی (العادل) سے کہنا کہ گھبرائے نہیں۔ قاہرہ کے دفاع کو مضبوط کرے لیکن صرف دفاعی لڑائی نہ لڑے۔ زیادہ تر دستے اپنے پاس رکھے اور اُن میں سے جوابی حملے کے لیے تجربہ کار دستے الگ کرے لیکن انہیں شہر میں ہی رہنے دے۔ فوج کی کوئی نقل و حرکت نہ کرے تاکہ دشمن کو یہ اُمید رہے کہ وہ تمہیں بے خبری میں لے لے گا۔ ظاہر یہ کرتے رہنا کہ قاہرہ کی فوج کو علم نہیں کہ قاہرہ پر حملہ ہونے والا ہے۔ شہر کو محاصرے میں نہ آنے دینا۔ اس سے پہلے ہی جوابی حملہ کر دینا۔ کوشش یہ کرو کہ دشمن کو حملے سے پہلے ہی ڈھونڈ لو۔ اگر پتہ چل جائے کہ وہ کہاں ہے تو زیادہ نفری سے حملہ نہ کرنا۔ شبخون مارنا۔ سرحدی دستوں کی نفری زیادہ کر دو تاکہ دشمن بھاگ کر نہ جا سکے۔ میں حیران ہوں کہ اتنی فوج سرحد پار کس طرح کر آئی ہے۔ کسی نہ کسی سرحدی چوکی کی مدد یا کوتاہی کے بغیر یہ ممکن نہیں ہو سکتا۔ اللہ تمہیں کامیابی عطا فرمائے گا۔ دشمن رسد اور کمک کے بغیر نہیں لڑ سکے گا۔ سرحد کو مضبوطی سے بند کر دینا۔ لڑائی کو طول دینا تاکہ دشمن بھوک سے مرے۔ میں تمہیں عملاً بتا چکا ہوں کہ دشمن کو بکھیر کر کس طرح لڑا جاتا ہے۔ زیادہ نفری کے خلاف زیادہ نفری سے آمنے سامنے آکر لڑنا قطعاً ضروری نہیں....

"مجھے توقع نہیں تھی کہ افتد بھی غدار نکلے گا۔ پھر بھی میں حیران نہیں۔ ایمان کی نیلامی میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ بادشاہی کا صرف تصور ہی انسان کو ایمان سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اقتدار کا نشہ قرآن کو بند کر کے الگ رکھ دیتا ہے۔ مجھے افسوس افتد پر نہیں، میں اسلام کے مستقبل کے متعلق پریشان ہوں۔ ہمارے بھائی صلیبیوں کے ہاتھوں فروخت ہوتے جا رہے ہیں۔ اِدھر میرے بھائی میرے خلاف لڑ رہے ہیں۔ میرا پیر و مُرشد نورالدین زنگی اس دنیا سے اُٹھ گیا ہے۔ کل پرسوں ہم بھی اُٹھ جائیں گے۔ اس کے بعد کیا ہو گا؟ یہی سوال مجھے پریشان رکھتا ہے۔ کوشش کرنا کہ جب تک زندہ رہو اسلام کا پرچم سرنگوں نہ ہونے پائے۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ مجھے باخبر رکھنا۔"

اُس نے پیغام لانے والے کمانڈر کو بہت سی ہدایات دے کر رخصت کر دیا۔

☆

مصری فوج کے چند ایک دستوں کو دو دو چار چار کی ٹولیوں میں تقسیم کر کے بھیج دیا گیا کہ وہ گھوم پھر کر دشمن کے اجتماع کو ڈھونڈیں۔ اس دوران اس سرحدی چوکی سے جس کا کمانڈر زہرہ کے ساتھ لاپتہ ہو گیا تھا، ایک سپاہی نے قاہرہ آکر رپورٹ دی کہ چوکی کا کمانڈر چند دنوں سے لاپتہ ہے۔ سپاہی نے یہ نہ بتایا کہ ان کی چوکی پر ناچ گانا ہوا تھا اور ایک رقاصہ کمانڈر کے خیمے میں گئی تھی۔ اس اطلاع سے شک ہوا کہ وہ دشمن کے ساتھ مل گیا ہے اور اسی کی مدد سے دشمن اندر آیا ہے۔ علی بن سفیان نے رائے دی کہ چونکہ وہ چوکی دریائی راستے کی نگرانی کے لیے

ہے، اس لیے دشمن دریا کے راستے آیا ہو گا۔ فیصلہ ہوا کہ کسی ذہین کمانڈر کو اس چوکی پر محافظوں کے ایک دستے کے ساتھ بھیجا جائے۔

چوکی کا کمانڈر اور زہرہ حبشیوں کے قبضے میں تھے لیکن قید ہوتے ہوئے بھی وہ قیدی نہیں تھے۔ انہیں جو لباس پہنایا گیا تھا وہ پرندوں کے رنگ برنگ پروں کا بنا ہوا تھا۔ جس کمرے میں انہیں رکھا گیا تھا، اُسے پروں اور پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ انہیں خاص قسم کی غذا کھلائی جا رہی تھی۔ حبشیوں کے مذہبی پیشوا ان کے آگے سجدے کرتے اور کچھ بڑبڑا کر چلے جاتے تھے۔ کسی اور کو اُن کے قریب آنے کی اجازت نہیں تھی۔ ایک بار انہیں درختوں کی مضبوط ٹہنیوں اور تنوں کی بنی ہوئی پالکیوں پر اُٹھا کر دریا میں نہلانے کے لیے لے جایا گیا تھا۔ دونوں کو معلوم تھا کہ انہیں ذبح کیا جائے گا۔ رات کو وہ تنہا ہوتے تھے لیکن باہر آٹھ دس حبشی موجود رہتے تھے۔ کمانڈر نے کئی بار اُٹھ کر دیکھا تھا کہ فرار کی کوئی صورت بن سکتی ہے یا نہیں۔ فرار ممکن نظر نہیں آتا تھا۔

ایک رات حبشیوں کے دو مذہبی پیشوا آئے۔ کمانڈر اور زہرہ سوئے ہوئے تھے۔ انہیں جگایا گیا۔ وہ سمجھے کہ اُن کی موت آن پہنچی ہے۔ مذہبی پیشواؤں نے اُن کے آگے سجدہ کیا اور دونوں کو باہر لے گئے۔ باہر پالکیاں رکھی تھیں۔ ایک پر کمانڈر اور دوسری پر زہرہ کو بٹھایا گیا۔ دو دو حبشیوں نے ایک ایک پالکی اٹھالی۔ مذہبی پیشوا آگے آگے چل پڑے۔ وہ دونوں مل کر کچھ گنگنانے لگے۔ پالکیوں کے پیچھے دو اور حبشی تھے جن کے پاس برچھیاں تھیں، وہ محافظ تھے۔ کمانڈر اور زہرہ خاموش تھے۔ پہاڑیوں سے نکل کر وہ لوگ دریا کی طرف چل پڑے۔ کمانڈر نے دیکھا کہ چاند اُفق سے نکل رہا تھا۔ اس سے اس نے اندازہ کیا کہ رات آدھی گزر گئی ہے۔ اس وقت سے پہلے چاند نہیں ہوتا تھا۔

دریا کے کنارے جا کر پالکیاں اتاری گئیں۔ مذہبی پیشوا آگے بڑھ کر کمانڈر اور زہرہ کا لباس اُتارنے لگے۔ چاند کی روشنی میں کمانڈر نے دیکھا کہ برچھیوں والے دونوں محافظ اور پالکیاں اٹھانے والے دونوں حبشی اُن کی طرف پیٹھ کر کے پہلو بہ پہلو کھڑے ہو گئے تھے۔ اُن کے لیے شاید یہی حکم تھا۔ کمانڈر نے چیتے کی طرح جست لگائی اور ایک حبشی سے برچھی چھین لی۔ وہ تجربہ کار سپاہی تھا۔ اس نے پیچھے ہٹ کر دوسرے حبشی کے پہلو میں برچھی اتار دی۔ اس حبشی کی برچھی گر پڑی۔ کمانڈر نے چلا کر کہا — "زہرہ بھاگ کر آؤ۔ یہ برچھی اٹھالو۔" زہرہ دوڑی۔ کمانڈر نے گری ہوئی برچھی کو ٹھڈ مارا تو وہ زہرہ تک پہنچ گئی۔ کمانڈر نے کہا — "اب مرد بن جاؤ" — حبشیوں نے خالی ہاتھ مقابلہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ برچھیوں کا مقابلہ نہ کر سکے۔ مذہبی پیشوا بھاگ اٹھے۔ کمانڈر نے انہیں دُور نہ جانے دیا۔ زہرہ بھی اُدھر کو ہی دوڑ پڑی۔ دونوں پیشوا ختم ہو گئے۔ باقی بھی مرنے سے پہلے زور زور سے کراہ اور چلا رہے تھے۔ کمانڈر کی برچھی نے سب کو خاموش کر دیا اور وہ چوکی کی طرف دوڑ پڑے۔ بہت آگے گئے تو انہیں دو گشتی سنتری گھوڑوں پر سوار آتے نظر آئے۔ کمانڈر نے انہیں پکار کر کہا کہ جلدی آگے آؤ۔

سنتریوں نے اپنے کمانڈر کو پہچان لیا۔ کمانڈر نے انہیں کہا — "گھوڑے ہمیں دو۔ ہم قاہرہ جا رہے

ہیں۔ تم دونوں واپس چوکی میں چلے جاؤ۔ اگر کوئی ہماری تلاش میں آئے تو کہنا کہ تم نے ہمیں نہیں دیکھا۔"

سپاہی پیدل واپس چلے گئے۔ کمانڈر نے زہرہ کو گھوڑے پر سوار کیا اور خود دوسرے گھوڑے پر سوار ہو کر زہرہ سے کہا کہ اگر تم نے کبھی گھوڑ سواری نہیں کی تو گھبرانا نہیں۔ گھوڑا تمہیں گرائے گا نہیں۔ ڈرنا مت۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ گھوڑے سرپٹ دوڑے اور اس کے ساتھ ہی زہرہ نے ڈر کے مارے چیخنا شروع کر دیا۔ کمانڈر نے گھوڑا روک لیا اور زہرہ کو اپنے گھوڑے پر اپنے پیچھے بٹھا لیا اور دوسرے گھوڑے کی باگیں اپنے گھوڑے کے پیچھے باندھ کر زہرہ سے کہا کہ وہ اس کی کمر کے گرد بازو ڈال لے۔

گھوڑا پھر دوڑ پڑا۔ کمانڈر پہاڑی خطے سے دور ہٹ کر اور چکر کاٹ کر جا رہا تھا۔ اسے سمت اور راستے کا علم تھا۔ وہ ابھی دو میل بھی نہیں گیا ہو گا کہ ایک طرف سے اُسے آواز سنائی دی ——"ٹھہر جاؤ۔ کون ہو؟"—— کمانڈر رکا نہیں۔ بیک وقت چار گھوڑے اس کے تعاقب میں دوڑ پڑے۔ کمانڈر نے اپنے گھوڑے کی رفتار اور تیز کرنے کی کوشش کی لیکن اس کا گھوڑا تھک گیا تھا۔ اس نے کوشش کی کہ دوسرے گھوڑے کو اپنے پہلو میں کر کے اُس پر سوار ہو جائے۔ وہ گھوڑا بغیر وزن کے بھاگ رہا تھا اس لیے زیادہ تھکا ہوا نہیں تھا، مگر زہرہ کے ساتھ بھاگتے گھوڑے سے دوسرے گھوڑے پر سوار ہونا ممکن نہیں تھا۔ چاند اوپر آ گیا تھا جس سے دُور تک نظر آ سکتا تھا۔ چاروں گھوڑے بہت قریب آ گئے تھے۔

دو تیر آئے جو کمانڈر کے قریب سے گزر گئے۔ اُن کے ساتھ آواز آئی —— "اگر نہ رُکے تو اب تیر کھوپڑی میں اُتر جائیں گے۔"

کمانڈر کو معلوم تھا کہ وہ رُکا تو بھی موت ہے۔ یہ لوگ حبشیوں کے حوالے کر کے آج ہی رات ذبح کر دیں گے۔ بھاگتے رہنے میں بچ نکلنے کی صورت پیدا ہو سکتی تھی۔ اس نے گھوڑا دائیں بائیں گھما گھما کر دوڑانا شروع کر دیا تا کہ تیر نشانے پر نہ آئیں۔ یہ اُس کی غلطی تھی۔ اُس کے تعاقب میں آنے والے سیدھے آ رہے تھے جس سے فاصلہ کم ہو گیا اور وہ گھیرے میں آ گیا۔ اس کے جسم پر پروں کا لباس تھا جس سے وہ پرندہ لگتا تھا۔ یہی حالت زہرہ کی تھی۔ کمانڈر نے ان چاروں کو دیکھا تو اُسے کچھ شک ہوا۔ اُن میں سے ایک نے پوچھا —— "تم کون ہو؟ یہ لڑکی کون ہے؟" —— دوسرے نے کہا —— "پوچھتے کیا ہو، سوڈانی ہے یہ۔ دیکھو تو انہوں نے بھیس کیا رکھا ہے۔"

کمانڈر ہنس پڑا اور بولا —— "میرے دوستو، میں تمہاری فوج ایک کماندار ہوں" —— اس نے زہرہ کا تعارف کرایا اور ساری واردات سنائی۔

یہ چار سوار دیکھ بھال کے کسی دستے کے تھے۔ وہ یہی دیکھتے پھر رہے تھے کہ سوڈان کی فوج کہاں ہے اور کہیں ہے بھی یا نہیں۔ وہ کمانڈر اور زہرہ کو ساتھ لے کر قاہرہ کی سمت چل پڑے۔

☆

بڑی ہی لمبی مسافت طے کر کے وہ اگلی رات قاہرہ پہنچے۔ انہیں سب سے پہلے علی بن سفیان کے پاس لے جایا گیا اور رات کو ہی العادل کو جگا کر بتایا گیا کہ چار ہزار سے زیادہ حبشی فوج فلاں جگہ چھپی ہوئی ہے اور

اس کی قیادت سالار القند کر رہا ہے۔ العادل نے اسی وقت اپنی فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔ سلطان ایوبی کے طریقۂ جنگ کے مطابق اس نے ہراول میں سوار دستے رکھے، جن کی نفری خاصی تھوڑی تھی۔ دو حصے پہلوؤں میں پیچھے رکھے۔ درمیان میں اپنا ہیڈ کوارٹر اور اپنے پیچھے زیادہ سے زیادہ دستے ریزرو میں رکھے۔ اُسے معلوم تھا کہ وہ خطہ پہاڑی ہے۔ اس نے فوج کو قلعے کا محاصرہ کرنے کی ترتیب میں رکھا اور کمانڈروں کو وہ جگہ سمجھا کر محاصرے کی ہی ہدایات دیں۔ پہاڑیوں پر چڑھنے کے لیے اس نے چھاپہ مار دستے الگ کر لیے جنہیں اس نے اپنی کمان میں رکھا۔

اُدھر صبح کے وقت کسی نے دیکھا کہ مذہبی پیشواؤں اور چار حبشیوں کی لاشیں دریا کے کنارے پڑی ہیں۔ القند اور اس کے صلیبی مشیروں کو اطلاع دی گئی۔ کسی حبشی کو پتہ نہ چلنے دیا گیا۔ القند کو یہ بھی بتایا گیا کہ جس مرد اور عورت کو قربانی کے لیے رکھا گیا تھا وہ لاپتہ ہیں۔ تب القند نے پوچھا کہ وہ آدمی کون تھا۔ اُسے جب بتایا گیا کہ وہ اس قریبی چوکی کا کمانڈر تھا تو وہ چونکا۔ اُسے یاد آ گیا کہ اس کمانڈر نے اُسے دیکھا تھا۔

"وہ سیدھا قاہرہ گیا ہو گا" القند نے کہا —— "اُسے چوکی میں جا کر دیکھنا اور پکڑنا بیکار ہے۔ اب ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ ہم قاہرہ پر بے خبری میں حملہ بولنا چاہتے تھے لیکن ہم نے وقت ضائع کیا۔ اب ہم بے خبری میں مارے جائیں گے۔ میں اپنی فوج کو جانتا ہوں۔ خبر ملتے ہی اُڑ کر پہنچے گی۔۔۔ اور ایک کام فوراً کرو۔ حبشیوں کی لاشیں دریا میں بہا دو۔ اگر ان حبشیوں کو پتہ چل گیا کہ ان کے مذہبی پیشوا اور ان کے محافظ مارے گئے اور جنہیں قربان کرنا تھا وہ بھاگ گئے ہیں تو یہ ہجوم قاہرہ کی بجائے خرطوم کی طرف چل پڑے گا۔"

فوراً ہی اعلان کر دیا گیا کہ دریا کے کنارے قربانی دے دی گئی ہے۔ خدا نے حکم دیا ہے کہ پیرے دشمنوں پر فوراً حملہ کر دو۔۔۔ ان کے جو کمانڈر مقرر کیے گئے تھے انہوں نے حبشیوں کو تعداد کے مطابق الگ الگ کر لیا۔ تیر انداز الگ ہو گئے۔ جنگی سکیم کے مطابق انہیں ترتیب میں کر لیا گیا۔ انہیں پہاڑیوں کے اندر سے نکال کر دریا کے کنارے اُس جگہ کے قریب سے گزارا گیا جہاں حبشیوں کا خون بکھرا ہوا تھا اور پالکیاں پڑی تھیں۔ وہاں ایک آدمی کھڑا اعلان کر رہا تھا —— "یہ خون اُس مرد اور عورت کا ہے جنہیں قربان کیا گیا ہے۔"

یہ فوج دریا کے کنارے قاہرہ کی سمت روانہ ہوئی۔ حبشی جنگی ترانہ گاتے جا رہے تھے۔ دن چلتے گزر گیا رات آئی تو پڑاؤ کیا گیا۔ اگلی صبح پھر کوچ ہوا۔ پہاڑی خطہ بہت پیچھے رہ گیا۔ یہ دن بھی گزر گیا۔ اور ایک اور رات آئی۔ حبشیوں کو پڑاؤ کرنے کو کہا گیا۔ وہ کھا پی کر صحرا میں بکھر گئے اور بے سُدھ سو گئے —— آدھی رات کے وقت اُن کے پچھلے حصے پر العادل کے ایک چھاپہ مار گروہ نے شبخون مارا۔ گھوڑے سرپٹ دوڑتے آئے اور غائب ہو گئے۔ حبشیوں میں ہڑبونگ مچ گئی۔ بہت دیر بعد ایسا ہی ایک اور حملہ آیا جو بہت سے حبشیوں کو روندتا کچلتا نکل گیا۔ القند سب سے آگے تھا۔ اُسے اطلاع ملی تو اس نے اگلے روز کی پیشقدمی روک دی۔

"یہ شبخون بتاتے ہیں کہ ہم مصری فوج کی نظر میں آ گئے ہیں" اس نے صلیبی اور سوڈانی کمانڈروں سے کہا ——

"یہ صلاح الدین ایوبی کا خصوصی طریقۂ جنگ ہے۔ ہم اب آگے نہیں بڑھ سکتے۔ تم ہزار جتن کرو مصری فوج سے

تم کھلے صحرا میں نہیں لڑ سکتے اور اب تم بھاگ بھی نہیں سکتے۔ اب پیچھے چلو اور پہاڑیوں میں لڑو۔ ہمارا تمام تر منصوبہ ناکام ہو چکا ہے۔ قاہرہ والے نہ صرف بیدار ہو گئے ہیں بلکہ انہوں نے فوج بھیج دی ہے۔"

"کیا ہم صحرا میں مصری فوج کو ڈھونڈ کر اس سے لڑ نہیں سکتے؟" ایک صلیبی نے کہا۔

"اگر تم لوگ صلاح الدین ایوبی کی فوج کو سامنے لا کر لڑا سکتے تو آج مصر تمہارا ہوتا۔" القند نے کہا۔ "میں اسی فوج کا سالار ہوں۔ تم مجھ سے بہتر نہیں سمجھتے کہ اس فوج سے کیسے لڑنا ہے۔"

☆

سحر کے وقت حبشیوں کی فوج واپس چل پڑی۔ ہر طرف حبشیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ القند ٹھیک کہتا تھا کہ اس کی فوج مصری فوج کی نظر میں آ گئی ہے۔ مصری فوج کا دیکھ بھال کا انتظام القند کی ایک ایک حرکت دیکھ رہا تھا۔ وہ حبشیوں کی فوج کو پیچھے لے چلا تو العادل فوراً سمجھ گیا کہ القند پہاڑیوں میں لڑنا چاہتا ہے۔ اس نے اسی وقت سوار تیر انداز دستے دُور کے راستے سے پہاڑی خطّے کی طرف روانہ کر دیئے۔ پیادہ دستے بھی بھیجے گئے اور اُس نے زیادہ تر دستے اپنے پاس روکے رکھے۔ ان دستوں کے ساتھ وہ حبشی فوج سے بہت فاصلہ رکھ کر پیچھے پیچھے چل پڑا۔

راستے میں رات آئی۔ حبشیوں کا پڑاؤ ہُوا۔ رات کو العادل کے چھاپہ مار دستے حرکت میں آ گئے۔ حبشیوں کے ایک جیش کو بیدار رکھا گیا تھا۔ یہ تیر انداز تھے۔ انہوں نے بہت تیر چلائے جن سے کچھ سوار چھاپہ مار شہید ہوئے لیکن وہ جو نقصان کر گئے وہ بہت زیادہ تھا۔ سب سے بڑا نقصان یہ تھا کہ حبشیوں کا لڑنے کا جذبہ مجروح ہو گیا تھا۔ وہ کچھ اور سوچ کر آئے تھے۔ وہ آمنے سامنے لڑنے کے عادی تھے مگر یہاں دشمن انہیں نظر ہی نہیں آتا تھا اور تباہی بپا کر جاتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ آگے بڑھتے بڑھتے پیچھے ہٹ رہے تھے۔

اگلے دن حبشیوں نے اپنے ساتھیوں کی لاشیں دیکھیں اور پیچھے کو چل پڑے .... سورج غروب ہونے میں ابھی بہت دیر باقی تھی جب وہ پہاڑی خطّے میں داخل ہوئے لیکن اب انہیں پہلے کی طرح ایک جگہ جمع نہیں کرنا تھا، بلکہ پہاڑیوں کے اوپر، نیچے اور وادیوں میں لڑنے کی ترتیب میں رکھنا تھا۔ اُن کی آدھی نفری پہاڑیوں میں پہنچ چکی تھی جب اُن پر بلندیوں سے تیر برسنے لگے۔ العادل کے برق رفتار دستے پہلے ہی وہاں پہنچ کر مورچہ بند ہو گئے تھے۔ حبشیوں کے کمانڈروں نے بیخ چلا کر انہیں اوٹ میں کیا اور تیر اندازی کا حکم دیا۔ باقی نصف فوج ابھی باہر تھی۔ اُسے پیچھے ہٹایا گیا۔ القند نے اس نفری کو پہاڑیوں پر چڑھا کر آگے جانے اور اوپر سے تیر چلانے کی چال چلی مگر حبشی ابھی پہاڑوں پر چڑھنے ہی والے تھے کہ اِدھر سے العادل کی فوج جو اُن کے عقب میں باہر ہی تھی پہنچ گئی۔ حبشیوں کی خاصی نفری بلندیوں پر جانے میں کامیاب ہو گئی۔ جہاں سے حبشیوں نے نہایت کارگر تیر اندازی کی۔ العادل کو نقصان اٹھانا پڑا، مگر اس کی سکیم اچھی تھی۔ اس نے اِدھر سے دستے پیچھے ہٹا لیے۔ اس کی پہلی ہدایات کے مطابق دوسری طرف سے تیر انداز اور دیگر دستے پہاڑی خطّے کی بلندیوں پر جا رہے تھے۔ سوار دستوں میں سے ایک کو دریا کے کنارے بھیج دیا گیا۔

اسوان کے اس سلسلۂ کوہ میں خونریز معرکہ لڑا گیا۔ وادیوں اور بلندیوں پر تیر برس رہے تھے۔ پھر سوار دستوں کو وادیوں میں ہلّہ بولنے کا حکم ملا۔ رات کو حبشی تو دبک گئے لیکن العادل نے منجنیقوں کے دستوں کو حکم دیا کہ وہ جگہ جگہ آتش گیر مادے کی ہانڈیاں پھینک کر آگ کے گولے پھینکیں۔ تھوڑی دیر بعد پہاڑیوں کی ڈھلانوں پر آگ کے شعلے اُٹھے اور ہر طرف روشنی ہو گئی۔ اس روشنی میں رات کو بھی معرکہ جاری رہا۔ صبح کے وقت حبشی خاموش ہو چکے تھے۔ ان میں سے کچھ زمین دوز غلات میں چلے گئے تھے۔ انہیں بڑی مشکل سے باہر نکالا گیا۔

دن کے وقت القند کی لاش مل گئی۔ وہ کسی کے تیر سے یا تلوار سے نہیں اپنی تلوار سے مرا تھا۔ اُس کی اپنی تلوار اس کے دل کے مقام پر اُتری ہوئی تھی۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ اس نے خودکشی کی ہے۔ چند ایک صلیبی اور سوڈانی کمانڈر زندہ پکڑے گئے اور حبشی جنگی قیدیوں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی۔

العادل نے وہیں سے قاصد کو سلطان ایوبی کے نام کامیابی کا پیغام دے کر روانہ کر دیا اور اُسے حکم دیا کہ بہت جلدی سلطان تک پہنچو۔ وہ بہت پریشان ہوں گے۔

☆ ☆

یہ چراغ لہو مانگتے ہیں

عالمِ اسلام کے اُسی خطے میں جہاں آج شامی مسلمان لبنانی صلیبیوں کے ساتھ مل کر فلسطینی حریت پسندوں کو پوری جنگی قوت سے کچل رہے ہیں، وہیں آٹھ سو سال پہلے بہت سے سلمان امراء اور حاکم اور سلطان زنگی مرحوم کا نو عمر بیٹا صلیبیوں سے مدد لے کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف صف آرا ہو گئے تھے۔ مسلمان مسلمان کا خون بہا رہا تھا۔ اُس وقت فلسطین صلیبیوں کے قبضے میں تھا اور سلطان ایوبی قبلہ اوّل کے اس خطے کو کفار سے آزاد کرانے کا عزم لے کر نکلا تھا۔ صلیبی اُس سے فلسطین کو نہیں بچا سکتے تھے مگر مسلمان ہی اُس کے راستے میں حائل ہو گئے۔ آج بھی فلسطین پر کفار کا قبضہ ہے اور فلسطینی حریت پسند جو قبلہ اوّل کو آزاد کرانے کے لیے اُٹھے تھے شامی مسلمانوں کی توپوں اور ٹینکوں سے بھسم کیے جا رہے ہیں۔

مارچ ۱۱۷۵ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی اسی خطے کے الرستان سلسلۂ کوہ میں کسی جگہ اپنے ہیڈ کوارٹر میں بیٹھا اپنے مشیروں اور کمانڈروں کے ساتھ اگلے اقدام کے متعلق باتیں کر رہا تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اُس نے حلب کا محاصرہ اس لیے اُٹھا لیا تھا کہ ملک الصالح نے صلیبی بادشاہ ریمانڈ کے ساتھ جو جنگی معاہدہ کیا تھا، اس کے مطابق ریمانڈ سلطان ایوبی کی فوج پر عقب سے حملہ کرنے کے لیے آ گیا تھا۔ سلطان ایوبی نے بر وقت محاصرہ اٹھا لیا اور ایسی چال چلی کہ ریمانڈ کی فوج کے عقب میں چلا گیا اور ریمانڈ نے لڑے بغیر بھاگ جانے میں عافیت سمجھی۔ حلب مسلمانوں کا شہر تھا جو سلطان ایوبی کے دشمن مسلمان امراء اور الملک الصالح کا جنگی مرکز بن گیا تھا۔ حلب کے مسلمانوں نے خلیفہ اور امراء کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر سلطان ایوبی کا مقابلہ بے جگری سے کیا تھا۔

وہ حلب پر ایک بار پھر حملہ کر کے غداروں اور ایمان فروشوں کے اس مرکز کو ختم کرنے کی سکیم بنا رہا تھا کہ اُسے مصر سے اطلاع ملی کہ مصر میں اُس کے ایک جرنیل القند نے صلیبیوں کی مدد سے سوڈانی حبشیوں کی فوج اس مقصد کے لیے تیار کر لی ہے کہ سلطان ایوبی کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مصر پر حملہ کیا جائے اور مصر کی امارت سلطان ایوبی سے چھین لی جائے لیکن سلطان ایوبی کے بھائی العادل نے حبشیوں کو اسوان کے مقام پر شکست دی اور القند نے خودکشی کر لی۔ اس کی اطلاع ابھی سلطان ایوبی تک نہیں پہنچی تھی۔ اس لیے وہ الرستان میں پریشان بیٹھا تھا۔

عظمتِ اسلام کا یہ پاسبان ہر طرف سے خطروں میں گھرا ہوا تھا۔ کئی ایک مسلمان امراء کی فوجیں اُس کے خلاف

متحد تھیں اور صلیبیوں کا خطرہ الگ تھا۔ ان سب کے مقابلے میں سلطان ایوبی کے پاس بہت تھوڑی فوج تھی۔ اُس نے ایسا اقدام کر دکھایا تھا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ اُس کے دشمنوں کو یہ توقع تھی کہ اس پہاڑی خطے میں سردیوں میں کوئی جنگ کی سوچ ہی نہیں سکتا۔ پہاڑیاں جو بلند تھیں وہاں برف بھی پڑتی تھی۔ سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو ٹریننگ دے کر اُس وقت حملہ کیا جب سردی عروج پر تھی۔ اس دلیرانہ اور غیر متوقع اقدام سے اُس نے قلیل فوج سے سب کو خوفزدہ کر دیا اور ایسی پوزیشن حاصل کر لی کہ دشمن کی کسی بھی فوج کو اپنی پسند کی جگہ گھسیٹ کر لڑا سکتا تھا۔ اُس کی فوج اتنی تھوڑی تھی کہ اُسے کبھی کبھی ناکامی کا خطرہ بھی محسوس ہونے لگتا تھا لیکن ابھی اُس سے دُور رہے تھے۔ اُسے یہ ڈر تھا کہ ریمانڈ سکیم اور راستہ بدل کر اُس پر حملہ کرے گا لیکن ریمانڈ کی حالت یہ تھی کہ اُس نے اپنے علاقے تریپولی کا دفاع اس ڈر سے مضبوط کر لیا تھا کہ سلطان ایوبی حملہ کرے گا۔

سلطان ایوبی نے جس طرح اُسے بھگایا تھا اس سے سلطان اسی صورت میں فائدہ اٹھا سکتا تھا کہ صلیبیوں کا تعاقب کرتا مگر فوج کی قلت نے اُسے آگے نہ جانے دیا اور بڑی وجہ یہ تھی کہ مصر میں القند کی بغاوت نے اُسے روک دیا تھا۔ اُسے خطرہ نظر آ رہا تھا کہ مصر کے حالات بگڑ جائیں گے۔ اُس صورت میں اُسے مصر چلے جانا تھا۔ وہ اس صورتِ حال سے ڈرتا تھا۔ اگر اُسے مصر جانا پڑتا تو مسلمان اُمراء عالمِ اسلام کو صلیبیوں کے ہاتھ بیچ ڈالتے۔ اس کا دار و مدار اس پر تھا کہ مصر سے اُسے کیا اطلاع ملتی ہے۔

اپنے مشیروں اور کمانڈروں سے وہ مصر کے متعلق ہی پریشانی کا اظہار کر رہا تھا جب اُسے اطلاع ملی کہ قاہرہ سے قاصد آیا ہے۔ سلطان ایوبی نے بادشاہوں کی طرح یہ نہ کہا کہ اُسے اندر بھیج دو۔ وہ اٹھا اور دوڑتا خیمے سے باہر نکل گیا۔ قاصد لمبے سفر کی تھکن سے چور گھوڑے سے اُتر کر خیمے کی طرف آ رہا تھا۔ سلطان ایوبی نے گھبراہٹ کے لہجے میں پوچھا — "کوئی اچھی خبر لائے ہو؟"

"بہت اچھی سلطانِ عالی مقام!" اس نے جواب دیا۔ "محترم العادل نے حبشیوں کے لشکر کو اسوان کی پہاڑیوں میں ایسی شکست دی ہے کہ اب سوڈان کی طرف سے لمبے عرصے تک کوئی خطرہ نہیں رہا۔"

سلطان ایوبی نے دونوں ہاتھ جوڑ کر آسمان کی طرف دیکھا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ خیمے سے دوسرے لوگ بھی باہر آ گئے تھے۔ سلطان ایوبی نے انہیں یہ خوشخبری سنائی اور قاصد کو خیمے میں لے گیا۔ اُس کے لیے کھانا وہیں لانے کو کہا اور اُس سے اسوان کے معرکے کی تفصیل سُن کر پوچھا۔ "اپنی فوج کی شہادت کتنی ہے؟"

"تین سو ستائیس شہید۔" قاصد نے جواب دیا۔ "پانچ سو سے کچھ زیادہ زخمی۔ دشمن کا تمام تر جنگی سامان ہمارے ہاتھ لگا ہے۔ ایک ہزار دو سو دس حبشی قیدی پکڑے ہیں۔ صلیبی اور سوڈانی سردار اور کمانڈر جو قید کیے گئے ہیں الگ ہیں۔" قاصد نے پوچھا۔ "محترم العادل نے پوچھا ہے کہ قیدیوں کے متعلق کیا حکم ہے؟"

"صلیبی اور سوڈانی سالاروں اور کمانڈروں کو قید خانے میں ڈال دو۔" سلطان ایوبی نے کہا اور گہری سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ دیر بعد کہنے لگا۔ "اور وہ جو ایک ہزار اور کچھ حبشی قیدی ہیں انہیں اسوان کی پہاڑیوں میں لے جاؤ۔ وہ جن غاروں میں چھپے تھے وہ ان سے پتھروں سے بھرواؤ۔ وہاں فرعونوں کے جو زمین دوز محل ہیں انہیں

بھی پتھروں سے بھروا دو۔ یہ کام ان حبشیوں سے کراؤ۔ اگر پہاڑ کھودنے پڑیں تو ان حبشیوں سے کھدواؤ۔ وہاں کوئی غار اور پہاڑوں کے اندر کوئی محل نہ رہے۔ العادل سے کہنا کہ قیدیوں کے ساتھ انسانوں جیسا سلوک کرنا۔ روزانہ اُن سے اتنا کام لینا جتنا ایک انسان کر سکتا ہے۔ کوئی قیدی بھوکا اور پیاسا نہ رہے اور کسی پر صرف اس لیے تشدد نہ ہو کہ وہ قیدی ہے۔ وہیں اسوان کے قریب کھلا قید خانہ بنا لو اور کھانے کا انتظام وہیں کرو۔ اس کام میں کئی سال لگیں گے۔ اگر تمہارے سامنے کوئی اور کام ہو تو وہ ان قیدیوں سے کراؤ، اور اگر سوڈانی اپنے قیدیوں کی واپسی کا مطالبہ کریں تو مجھے اطلاع دینا۔ میں خود اُن کے ساتھ سودا کروں گا۔"

اس پیغام کے بعد سلطان ایوبی نے قاصد سے کہا۔ "العادل سے کہنا کہ مجھے کمک کی شدید ضرورت ہے۔ اپنی ضرورت کا بھی خیال رکھنا۔ بھرتی اور تیز کر دو۔ جنگی مشقیں ہر وقت جاری رکھو۔ جاسوسی کا جال اور زیادہ پھیلا دو۔ اگر القند جیسا قابلِ اعتماد سالار غداری کا مرتکب ہو سکتا ہے تو تم بھی غلط ہو سکتے ہو اور میں بھی۔ اب کسی پر بھروسہ نہ کرنا۔ علی بن سفیان سے کہنا کہ اور تیز اور چوکنا ہو جائے۔"

☆

"مصر سے کمک آنے تک میں کوئی جارحانہ کارروائی نہ کروں تو بہتر ہوگا۔" سلطان صلاح الدین ایوبی نے قاصد کو واپس روانہ کر کے اپنے سالاروں وغیرہ سے کہا۔ "ابھی ہم ان کامیابیوں کے دفاع میں رہیں گے جو ہم حاصل کر چکے ہیں۔ اپنی موجودہ صورتِ حال پر ایک نظر ڈالو۔ تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا اپنا بھائی ہے۔ تمہارے طاقتور دشمن تین ہیں۔ حلب میں الملک الصالح بیٹھا ہے۔ دوسرا اُس کا قلعہ دار گمشتگین ہے جو حران میں فوج تیار کیے ہوئے ہے، اور تیسرا سیف الدین ہے جو موصل کا حاکم ہے۔ یہ تینوں فوجیں اکٹھی ہو گئیں تو ہمارے لیے ان کا مقابلہ آسان نہیں ہوگا۔ ریمانڈ کو تم نے پسپا کر دیا ہے لیکن وہ اس انتظار میں ہے کہ مسلمان فوجیں آپس میں اُلجھ جائیں تو وہ ہمارے عقب میں آ جائے۔ میں محصور ہو کر بھی لڑ سکتا ہوں لیکن لڑنا چاہوں گا نہیں۔"

"کیا ایک کوشش اور نہ کی جائے کہ ملک الصالح، سیف الدین اور گمشتگین کو اسلام اور قرآن کا واسطہ دے کر راہِ راست پر لایا جائے؟" ایک سالار نے کہا۔

"نہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "جو لوگ اپنے دل اور دماغ حق کی آواز کے لیے سر بمہر کر لیا کرتے ہیں، وہ خدا کے قہر اور عذاب کے بغیر اپنے دل اور دماغ نہیں کھولا کرتے۔ کیا میں کوشش کر نہیں چکا؟ اس کے جواب میں مجھے دھمکیاں ملیں۔ اگر اب میں صلح اور سمجھوتے کے لیے ایلچی بھیجوں گا تو وہ لوگ کہیں گے کہ صلاح الدین لڑنے سے گھبراتا اور ڈرتا ہے۔ اب میں اُن پر خدا کا وہ عذاب اور قہر بن کر گرنا چاہتا ہوں جو اُن کے دل اور دماغ کی مہریں توڑ دے گا۔ یہ قہر تم ہو اور تمہاری فوج۔" اُس نے آہ بھری اور کہا۔ "تم نے حلب کا محاصرہ کیا تو حلب کے مسلمان جس دلیری سے لڑے وہ تم کبھی نہیں بھولو گے۔ وہ بے شک ہمارے خلاف لڑے لیکن میں اُن کی تعریف کرتا ہوں۔ ایسی بے جگری سے صرف مسلمان لڑ سکتا ہے۔ کاش یہ جذبہ اور یہ طاقت اسلام کے لیے استعمال ہوتی۔ تم جانتے ہو کہ میں بادشاہ نہیں بننا چاہتا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ عالمِ اسلام متحد ہو اور یہ قوت جو بکھر گئی ہے مرکز ہو کر صلیبی عزائم

کے خلاف حملہ ہوا اور فلسطین آزاد کرا کے ہم سلطنتِ اسلامیہ کی توسیع کریں۔"

"ہم مایوس نہیں" ایک سالار نے کہا۔ "نئی بھرتی آ رہی ہے۔ اس علاقے جوان خاصی تعداد میں بھرتی ہو رہے ہیں مصر سے بھی کمک آ رہی ہے۔ ہم آپ کی ہر توقع پوری کریں گے۔"

"لیکن میں کب تک زندہ رہوں گا؟" سلطان ایوبی نے کہا۔ "تم کب تک زندہ رہو گے؟ ابلیسی قوتیں زور پکڑ رہی ہیں۔ ان کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ میرے وہ عزیز دوست جن پر مجھے بھروسہ اور اعتماد تھا صلیبیوں کے ہاتھوں میں کھیلے اور میرے ہاتھوں قتل ہوئے۔ القند تمہارے ساتھ کا معتمد سالار تھا۔ کیا تم سن کر حیران نہیں ہوئے کہ القند نے سوڈان سے حبشیوں کی فوج بلائی اور مصر پر قابض ہونے کی کوشش کی؟ اس نے مجھ پر یہ کرم کیا ہے کہ شکست کھا کر اپنے ہاتھوں اپنی جان لے لی ہے۔ میں نے اُسے سزائے موت نہیں دی۔ حکومت کا نشہ، دولت اور عورت اچھے اچھے انسانوں کو اندھا کر دیتی ہیں۔ ایمان میں کیا رکھا ہے؟ ایمان سونے کی طرح چمکتا نہیں، عورت کی طرح عیاشی کا ذریعہ نہیں بنتا اور ایمان بادشاہ اور فرعون نہیں بننے دیتا۔ ایک بار روح کے دروازے بند کر لو تو ایمان بیکار شے بن جاتا ہے، پھر عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں۔۔۔۔

"سپین سے ہمارا پرچم کیوں اُترا؟ تاریخ کہتی ہے کہ یہ کفار کی سازش کا نتیجہ تھا مگر اُن کی سازشیں کیوں کامیاب ہوئیں؟ کیونکہ خود مسلمانوں نے اپنے آپ کو کفار کا آلۂ کار بنایا اور اُجرت وصول کی۔ سپین اُن کا تھا جنہوں نے سمندر پار جا کر کشتیاں جلا ڈالی تھیں تاکہ واپسی کا خیال ہی دل سے نکل جائے۔ سپین کی قیمت وہی جانتے ہیں جنہوں نے یہ قیمت دی تھی۔ سپین شہیدوں کا تھا۔ یہ ہوتا آیا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ یہی ہوتا چلا جائے گا کہ خون کے نذرانے دے کر ملک حاصل کرنے والے دُنیا سے اُٹھ جاتے ہیں تو وہ لوگ بادشاہ بن جاتے ہیں جن کے خون کا ایک قطرہ بھی نہیں بہا تھا۔ انہیں چونکہ ملک مفت ہاتھ آجاتا ہے اس لیے اسے وہ عیاشی کا ذریعہ بناتے ہیں اور اپنے تخت و تاج کی سلامتی کے لیے دین و ایمان والوں اور دل میں قوم کا درد رکھنے والوں کی زبانیں بند کرتے اور اُن کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ انہیں افلاس اور فاقوں کی چکی میں پیس کر اُن کے جذبوں کو ختم کر دیتے ہیں۔۔۔۔

"سپین میں یہی ہوا۔ کفار نے ہمارے بادشاہوں کو زر و جواہرات اور یورپ کی حسین لڑکیوں سے اپنے ہاتھ میں لیا۔ انہیں انہی کی فوج کے خلاف کیا۔ مجاہدین کو مجرم بنایا اور سپین کی اسلامی مملکت کو دیمک کھا گئی۔ ہمارے رسول اکرمؐ کے پروانوں نے لہو کے چراغ جلا کر آدھی دُنیا کو حق کی آواز سے منور کیا۔ کہاں ہیں وہ چراغ؟ ایک ایک کر کے بجھتے جا رہے ہیں۔ یہ چراغ لہو مانگتے ہیں مگر لہو دینے والے صلیبیوں کی شراب اور عورت کے طلسم میں گم ہو گئے ہیں۔ ان لوگوں کو یہ سلطنت مفت ہاتھ آئی ہے۔ وہ اُن شہیدوں کو بھول چکے ہیں جن کے خون کے عوض خدا نے قوم کو یہ سلطنت عطا کی تھی اور خدا نے یہ سلطنت بادشاہیاں قائم کرنے اور عیاشی کے لیے عطا نہیں کی تھی، بلکہ اس لیے کہ اسے مرکز بنا کر اسلام کا نور ساری دنیا میں پھیلایا جائے اور بنی نوع انسان کو شر کی قوتوں سے نجات دلائی جائے مگر شر کا جادو چل گیا اور آج جب قبلۂ اول پر کفار کا قبضہ ہے ہم ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہیں۔"

"کافر سے پہلے غدار کا قتل ضروری ہے" ایک مشیر نے کہا۔ "اگر ہم حق پر ہیں تو ہم ناکام نہیں ہوں گے۔"

"مجھے یہ نظر آ رہا ہے کہ یہ خطہ خون میں ہی ڈوبا رہے گا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "حکومت شاید مسلمانوں کی ہی رہے مگر اُن کے دلوں پر صلیبیوں کی حکمرانی ہوگی۔"

☆

جنگی نقطۂ نگاہ سے سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو ایسی پوزیشنوں میں تقسیم کر رکھا تھا کہ کسی بھی ایسے قلعے پر جو وہ فتح کر چکا تھا دشمن براہِ راست حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ ان قلعوں میں اُس نے مختصر سی نفری رکھی تھی کیونکہ وہ قلعہ بند ہو کر لڑنے کا قائل نہیں تھا۔ پہاڑی علاقے میں اس نے تمام راستوں اور وادیوں کی بلندیوں پر تیر انداز بٹھا دیئے تھے۔ جو راستے تنگ تھے اُن کے اوپر پہاڑیوں پر اُس نے بہت بڑے بڑے پتھر رکھ کر کچھ آدمی بٹھا دیئے تھے، تاکہ دشمن گزرے تو اوپر سے پتھر لڑھکا دیئے جائیں۔ دمشق سے آنے والے راستے کو اُس نے کمانڈو قسم کے گشتی دستوں سے محفوظ کر رکھا تھا تاکہ رسد دشمن سے محفوظ رہے۔ ایک جگہ ایسی تھی جسے "حماۃ کے سینگ" کہا جاتا تھا یہ ایک وسیع وادی تھی جس میں ایک ٹیکری جو خاصی بلند تھی آگے جا کر سینگوں کی طرح دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ اُسے سلطان ایوبی نے پھندے کی حیثیت دے رکھی تھی۔ اُس نے اپنے سالاروں کو تیکنیکی لحاظ سے سمجھا دیا تھا کہ دشمن باہر آ کر لڑا تو اُسے اس وادی میں گھسیٹ کر لڑایا جائے گا۔

سلطان ایوبی نے تمام علاقے میں ایسی جگہوں پر پوزیشنیں قائم کر لی تھیں جن سے وہ دشمن کو کسی بھی جگہ لانے پر مجبور کر سکتا تھا۔ اس اہتمام کے علاوہ اُس کے چھاپہ مار جوان چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں دُور دُور تک گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ جاسوسی (انٹیلی جنس) کا نظام ایسا تھا کہ دشمن کے قلعوں کے اندر بھی سلطان ایوبی کے جاسوس موجود تھے جو خبریں بھیجتے رہتے تھے۔ اُسے یہاں تک معلوم ہو گیا تھا کہ سلطانی کے نام نہاد دعویدار الملک الصالح نے اپنے گورنر (حران کے قلعہ دار) گمشتگین کو اور موصل کے حاکم سیف الدین کو مدد کے لیے بلایا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں کچھ شرائط کے بدلے مدد دیں گے، صرف بلاوے پر نہیں جائیں گے۔ جاسوسوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ یہ مسلمان حکمران اور امراء بظاہر اتحادی ہیں لیکن اُن کے دل آپس میں پھٹے ہوئے ہیں۔ ہر ایک اپنی جنگ لڑ کر زیادہ سے زیادہ علاقے پر قابض ہونے کی فکر میں ہے اور صلیبی انہیں مدد کم اور شہ زیادہ دے رہے ہیں اور اُن کی باہمی چپقلش کو ہوا بھی دے رہے ہیں۔

"شمس الدین اور شاد بخت کی کوئی اطلاع نہیں آئی؟" سلطان ایوبی نے حسن بن عبداللہ سے پوچھا۔

"کوئی تازہ اطلاع نہیں" حسن بن عبداللہ نے جواب دیا۔ "وہ بڑی کامیابی سے اپنا کام کر رہے ہیں۔ گمشتگین نے کوئی بھی قدم اٹھایا یہ دونوں سالار اپنا پورا کام کریں گے۔ اُن کا پیغام بھی یہی تھا کہ حالات کے مطابق وہ کارروائی کریں گے۔"

حسن بن عبداللہ سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کا سربراہ تھا۔ وہ علی بن سفیان کا نائب تھا۔ علی بن سفیان مصر میں تھا کیونکہ دشمن کی جاسوسی اور تخریب کاری کا زیادہ خطرہ مصر میں تھا۔ سلطان ایوبی حسن بن عبداللہ کے ساتھ باہر ٹہل رہا تھا۔ اُس نے شمس الدین اور شاد بخت کا نام لیا تھا۔ یہ دونوں گمشتگین کے جرنیل تھے۔ گمشتگین کے

متعلق بتایا جاچکا ہے کہ شیطان فطرت مسلمان تھا۔ عہدے اور رُتبے کے لحاظ سے وہ گورنر تھا اور حران کے قلعے میں مقیم تھا۔ اُس قلعے میں اور باہر اُس نے خاصی فوج جمع کر رکھی تھی۔ وہ خلافت کے تحت تھا اور خلیفہ کے احکام کا پابند، لیکن اُس نے ذاتی سیاست بازی اور چالبازیوں سے فوجی اور سیاسی لحاظ سے ایسی پوزیشن حاصل کر لی تھی جہاں وہ کسی کو پتے نہیں باندھتا تھا۔ اس نے صلیبیوں کے ساتھ در پردہ گٹھ جوڑ کر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ اُس کے قلعے میں نورالدین زنگی کے پکڑے ہوئے صلیبی قیدی تھے جن میں کمانڈر بھی تھے۔ زنگی فوت ہو گیا تو گمشتگین نے کسی کے حکم کے بغیر تمام قیدی رہا کر دیئے۔ اُس نے یہ اقدام صلیبیوں کی خوشنودی کے لیے کیا تھا کیونکہ وہ اب صلیبیوں کے خلاف نہیں بلکہ اُن سے مدد حاصل کر کے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

اُس کے دو سالار تھے جو ذہانت اور جنگی اہلیت کی بدولت اُس کے معتمد تھے۔ یہ دونوں بھائی تھے۔ ایک کا نام شمس الدین علی اور دوسرے کا شاد بخت علی تھا۔ یہ دونو ہندوستانی مسلمان تھے۔ عراق کے اُس وقت کے ایک مورخ کمال الدین نے عربی میں "تاریخِ حلب" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔ اُس نے ان کا اتنا ہی ذکر کیا ہے کہ یہ دو سگے بھائی تھے اور نورالدین زنگی کی زندگی میں ہندوستان سے اُس کے پاس آئے تھے۔ زنگی نے انہیں فوج میں اچھا رُتبہ دے کر حران بھیج دیا تھا۔ قاضی بہاؤالدین ابن شداد نے بھی ان کا اپنی ڈائری میں ذکر کیا ہے۔ عرب میں چونکہ نام کے ساتھ باپ کا نام بھی لکھا اور بولا جاتا ہے اس لیے ان دو بھائیوں کے نام تحریروں میں اس طرح آتے ہیں: "شمس الدین علی ابن الضیا اور شاد بخت علی ابن الضیا۔" یہ اشارہ کہیں بھی نہیں ملتا کہ ضیا کون تھا۔

تاریخ میں ان دونوں کا نام آنے کا باعث ایک واقعہ ہے جسے اُس دور کے وقائع نگاروں نے قلمبند کیا ہے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ گمشتگین من مانی کا قائل تھا۔ حران میں عملاً اُسی کی حکومت تھی۔ اُس نے اپنے ایک خوشامدی اور بدطینت افسر ابن الخاشب ابوالفضل کو قاضی کا رُتبہ دے دیا تھا۔ اسلام کے قاضی انصاف اور دانش کی وجہ سے مشہور تھے لیکن ابوالفضل بے انصافی اور گمشتگین کی خوشنودی کی وجہ سے مشہور ہُوا۔ اُس کی بے انصافی کے قصے شمس اور شاد بخت تک بھی پہنچتے رہتے تھے لیکن وہ خاموشی اختیار کیے رکھتے تھے۔ وہ فوج کے جرنیل تھے قاضی کے فیصلوں اور شہری امور کے ساتھ اُن کا کوئی تعلق نہ تھا۔ طبعاً بھی وہ خاموش رہنے والے انسان تھے۔ یہ مشہور تھا کہ گمشتگین پر اُن کا بہت اثر ہے اور یہ بھی حقیقت کہ انہوں نے گمشتگین پر اپنا اثر پیدا کر رکھا تھا۔

اُن دنوں جب سلطان ایوبی نورالدین زنگی کی وفات کے بعد سات سو سواروں کے ساتھ آیا اور شام اور مصر کی وحدت کا اعلان کیا تھا، اُس نے اپنے بہت سے جاسوس اِن اسلامی علاقوں میں بھیج دیئے تھے جو خلافت کے تحت ہوتے ہوئے ذاتی ریاستوں کی صورت اختیار کر گئے تھے (ان جاسوسوں کے چند ایک کارنامے سنائے جا چکے ہیں) ان میں سلطان ایوبی کا بھیجا ہُوا انطالون نام کا ایک تُرک جاسوس حران چلا گیا۔ وہ خوبرو اور وجیہہ جوان تھا۔ ترکی کے علاوہ عربی زبان روانی سے بولتا تھا۔ اُس نے گمشتگین تک رسائی حاصل کر لی اور یہ کہانی سنائی کہ اس کا خاندان یروشلم میں آباد ہے جو اُس وقت صلیبیوں کے قبضے میں تھا۔ اُس نے بتایا کہ صلیبی وہاں مسلمانوں پر بے حد

سے ظلم و تشدد کرتے ہیں اور بلاوجہ جسے چاہتے ہیں بیگار پر لگا دیتے ہیں۔ انہوں نے اس کی دو جوان بہنوں کو اغوا کر لیا اور اس کے بھائیوں اور باپ کو بیگار کے لیے پکڑ لیا ہے۔ وہ فرار ہو کر یہاں تک پہنچا ہے اور صلیبیوں سے انتقام لینے کے لیے صلاح الدین ایوبی کی فوج میں شامل ہونا چاہتا ہے۔

اُس نے اپنا حال حلیہ بگاڑ رکھا تھا اور پتہ چلتا تھا کہ وہ یروشلم سے پیدل آیا ہے اور بھوک اور تھکن نے اُسے ادھ موا کر رکھا ہے۔ گمشتگین نے اُسے فوجی نظروں سے دیکھا تو اُس کا قد بُت اُسے پسند آیا۔ اُس سے پوچھا کہ وہ گھوڑ سواری اور تیر اندازی جانتا ہے یا نہیں۔ اُس نے کہا کہ اُسے غذا آرام اور کھانے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد دکھائے گا کہ وہ کیا کر سکتا ہے۔ گمشتگین نے اُسے کھلا پلا کر سُلا دیا۔ وہ بہت دیر بعد اُٹھا تو اُسے گمشتگین کے دربار میں پیش کیا گیا۔ ایک گھوڑا منگوایا گیا۔ باہر لے جا کر ایک باڈی گارڈ کی کمان اور ایک تیر اُسے دے کر کہا گیا کہ خود ہی کہیں نشانے پر تیر چلا کر دکھاؤ پھر گھوڑا دوڑاؤ۔

قریب ایک درخت تھا جس پر پرندے بیٹھے تھے۔ ان میں سب سے چھوٹا پرندہ ایک چڑیا تھی۔ اُس نے اُس کا نشانہ لیا اور تیر چلایا۔ تیر چڑیا کے جسم میں اُتر کر اُسے اپنے ساتھ ہی لے گیا۔ اُس نے ایک اور تیر مانگا جسے لے کر وہ گھوڑے پر سوار ہُوا اور کہا کہ وہ قریب آئے تو کوئی چیز اوپر پھینکی جائے۔ وہاں گمشتگین کے باڈی گارڈ کھڑے تھے۔ ایک دوڑ گیا اور اپنے کھانے کی پلیٹ اٹھا لایا جو مٹی کی تھی۔ انطالون گھوڑے کو دوڑا لے گیا۔ وہاں سے موڑ کر ایڑ لگائی تو گھوڑا سرپٹ دوڑا۔ انطالون نے کمان میں تیر ڈالا۔ ایک باڈی گارڈ نے پلیٹ ہوا میں اُچھالی۔ انطالون نے دوڑتے گھوڑے سے تیر چلایا اور پلیٹ کے ٹکڑے ہوا میں بکھیر دیئے۔ اُس نے گھوڑ سواری کے کچھ اور کرتب دکھائے۔ یہ تو کسی کو بھی نہ معلوم تھا کہ وہ تجربہ کار جاسوس اور چھاپہ مار (کمانڈو) ہے اور اُسے ہر ایک ہتھیار کے استعمال اور گھوڑ سواری کا ماہر بنایا گیا ہے۔

اُس کے قد بُت، گٹھے ہوئے جسم، گورے چٹے رنگ اور کرتب دیکھ کر گمشتگین بہت متاثر ہُوا اور اُسے اپنے باڈی گارڈز میں رکھ لیا۔ دو باڈی گارڈز گمشتگین کے گھر بھی ڈیوٹی دیا کرتے تھے۔ کچھ دنوں بعد انطالون گھر کی ڈیوٹی پر گیا جہاں اُسے آٹھ دن اور آٹھ راتیں رہنا تھا۔ مسلمان حکمرانوں کی طرح گمشتگین کا حرم بھی بارونق تھا۔ اس میں بارہ چودہ لڑکیاں تھیں۔ انطالون نے پہلے دن جا کر گھر کے تمام دروازوں اور کونوں کھدروں کو دیکھا۔ اس نے وہاں کے تمام ملازم مردوں اور عورتوں سے کہا کہ وہ چونکہ گھر کی حفاظت کے لیے آیا ہے اس لیے سارے گھر سے واقفیت حاصل کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ اُس نے کمرے تک دیکھ ڈالے۔ وہ بہت چالاک تھا۔ باتوں کا جادو چلانا جانتا تھا۔ حرم میں جانے کی اُسے جرأت نہ ہوئی۔ ایک جوان لڑکی اُسے برآمدے میں مل گئی۔ یہ بھی حرم کی ملکیت تھی۔ اس نے انطالون سے شہزادیوں والے رعب سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور یہاں کیا کر رہا ہے؟

"محافظ ہوں۔" اُس نے گردن تان کر جواب دیا۔ "دیکھ رہا ہوں کہ اس محل جیسے مکان میں آنے اور جانے کے راستے کتنے ہیں اور کہاں کہاں ہیں، اور یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ آپ کے علاوہ یہاں کون رہتا ہے۔"

"محافظ تو پہلے بھی یہاں رہتے ہیں۔ کبھی کوئی اندر نہیں آیا۔" لڑکی نے کہا۔ "یہ طریقہ ہمیں پسند نہیں۔"

"یہ میرا فرض ہے۔" اُس نے جواب دیا۔" اگر حرم سے کوئی ایک بھی حسینہ غائب ہوگئی تو محترم قلعہ دار اُس کی جگہ میری بہن کو اٹھا لائیں گے۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہُوا کہ تم اپنی بہن کی حفاظت کے لیے آئے ہو۔" لڑکی نے مسکرا کر کہا۔

"اگر میں اُس کی حفاظت کر سکتا تو آج ایک لڑکی سے یہ نہ کہلواتا کہ تم کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو۔" اُس نے چہرے پر اُداسی کا تاثر پیدا کر کے کہا۔" میں اپنی بہن کی حفاظت نہیں کر سکا تھا اس لیے آپ کی حفاظت میں پوری پوری احتیاط کر رہا ہوں۔" اُس نے آہ بھر کر کہا۔" وہ بھی آپ جیسی تھی۔ بالکل آپ جیسی.... مجھے رو کنے کی کوشش نہ کریں کہ میں کیا کر رہا ہوں۔"

اُس نے اندھیرے میں جو تیر چلایا تھا وہ نشانے پر لگا۔ اُس نے عورت کی جذباتیت پر تیر چلایا تھا۔ وہ بھی جوان لڑکی تھی۔ پوچھے بغیر نہ رہ سکی کہ وہ اپنی بہن کی حفاظت نہیں کر سکا تھا تو کیا ہُوا تھا؟ کیا اُس کی بہن اغوا ہو گئی تھی؟

"اگر اغوا کرنے والے مسلمان ہوتے یا وہ خود کسی مسلمان کے ساتھ گھر سے بھاگ جاتی تو مجھے اتنا افسوس نہ ہوتا۔" اُس نے کہا۔" دل کو یہ کہہ کر تسلی دے لیتا کہ کوئی اُس سے شادی کرے گا یا اُسے کسی مسلمان امیر کے حرم میں دے دیا جائے گا۔ اُسے صلیبیوں نے اغوا کیا ہے۔ ایک نہیں دو بہنوں کو۔ میں اُن کی حفاظت نہیں کر سکا۔"

لڑکی نے اُس سے پوچھا کہ وہ کہاں سے اور کس طرح اغوا ہوئی ہیں۔ اُس نے وہی یروشلم والی کہانی سنا دی اور اپنے فرار کی کہانی ایسی سنسنی خیز بنا کر سنائی کہ لڑکی کا چہرہ بتاتا تھا جیسے یہ تیر اُس کے دل میں اُتر گیا ہے۔ اُس نے کہا۔" میں وہاں سے پیدل یہ ارادہ لے کر آیا ہوں کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج میں شامل ہو کر صرف اپنی بہنوں کا ہی نہیں اُن تمام بہنوں کا انتقام لوں گا جنہیں صلیبیوں نے اغوا کیا ہے۔ قلعہ دار نے مجھے اپنے محافظ دستے میں رکھ لیا ہے۔" اُس نے اور بھی بہت سی جذباتی باتیں کیں جو لڑکی کے دل میں اُترتی گئیں۔

انطانون اچھی طرح جانتا تھا کہ حرم کی لڑکیوں کے جذبات نازک ہوتے ہیں لیکن اخلاقی لحاظ سے وہ کمزور ہوتی ہیں۔ وجہ صاف ہے۔ ایک آدمی کی ایک درجن یا اس سے بھی زیادہ بیویاں ہوں تو کوئی بھی دعویٰ نہیں کر سکتی کہ یہ آدمی اُسی کو چاہتا ہے اور جب بیویاں بغیر نکاح کے حرم میں قید رکھی ہوئی ہوں تو انہیں محبت کا اشارہ بھی نہیں ملتا۔ جوان لڑکی کے کچھ جذبات بھی ہوتے ہیں۔ حرم کی جوان لڑکی یہ بھی جانتی ہے کہ چند سال بعد اُس کی قدر و قیمت ختم ہو جائے گی۔ انطانون کو معلوم تھا کہ حرم کی لڑکیوں نے اپنے خوابوں اور رومانوں کو دبا کے رکھا ہوتا ہے اور وہ چوری چھپے اپنے خاوند یا آقا کے کسی جوان دوست یا کسی جوان اور خوبرو ملازم کے ساتھ عشق و محبت کا نشہ پورا کر لیتی ہیں۔

انطانون کے سامنے چونکہ یہی لڑکی اتفاق سے آگئی تھی اس لیے اُس نے اسی کے جذبات سے کھیلنے کی کوشش کی۔ اپنے جاسوسی کے مقاصد کے لیے اُسے حرم کی ایک لڑکی کے دوستانے کی ضرورت تھی۔ اُسے ٹریننگ میں بتایا گیا تھا کہ گنتگیں جیسے عیاش گورنر اور امراء رقص اور شراب کی محفلیں جماتے ہیں جن میں حرم

کی لڑکیاں بھی شریک ہوتی ہیں۔ شراب اور عورت کے نشے میں ان لوگوں کی زبانیں بے قابو ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا راز انہی محفلوں اور ضیافتوں میں بے نقاب ہوتے ہیں۔ انطانون اور اُس کے ساتھی جاسوس علی بن سفیان کے تربیت یافتہ تھے اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے انہیں بے دریغ مالی اور دیگر مراعات دے رکھی تھیں۔ کوئی جاسوس دشمن کے علاقے میں پکڑا یا مارا جاتا تو سلطان ایوبی اُس کے خاندان کو اتنا زیادہ مستقل وظیفہ دیا کرتا تھا کہ مالی لحاظ سے اس خاندان کو کسی کی محتاجی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

انطانون نے اس لڑکی پر ایسا اثر پیدا کر دیا جو اُس کے چہرے سے عیاں تھا۔ اُسے اُمید نظر آنے لگی کہ یہ لڑکی اُس کے جال میں آجائے گی۔ وہ وہاں سے ہٹنے لگا تو لڑکی نے اُسے دبی زبان میں کہا:

"پچھلی طرف ایک باغیچہ ہے۔ رات کے دوسرے پہر وہاں بھی آ کر دیکھ لینا۔ مکان میں کوئی اُدھر سے بھی داخل ہو سکتا ہے۔" لڑکی کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ تھی اس نے دل کی بات کہہ دی۔

☆

باڈی گارڈز کے فرائض میں رات کو پہرہ دینا نہیں ہوتا تھا۔ وہ بڑے دروازے کے سامنے نہایت اچھے لباس میں چمکتی ہوئی برچھیاں تھامے نمائش کے لیے موجود رہتے تھے اور جب باڈی گارڈز اپنے آقا کے ساتھ ہوتے تو وہ اُس کی حفاظت کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ اُن کا اصل کام میدانِ جنگ میں سامنے آتا تھا جب وہ اپنے آقا کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ انطانون رات کے دوسرے پہر باغیچے میں چلا گیا اور ٹہلتا رہا۔ یہ مکان محل جیسا تھا۔ اندر سے گانے بجانے اور ناچنے کی آوازیں آرہی تھیں۔ انطانون نے اُن مہمانوں کو بڑی غور سے دیکھا تھا جو آئے تھے۔ اِن میں دو تین صلیبی بھی تھے۔ وہ باغیچے میں کچھ دیر ٹہلا تو پچھلے دروازے سے لڑکی نکلی اور اُس کے پاس آگئی۔

"آپ کیوں آئی ہیں؟" انطانون نے انجان بن کر پوچھا۔

"اور تم کیوں آئے ہو؟" لڑکی نے پوچھا۔

"آپ کا حکم بجا لانے۔" انطانون نے جواب دیا۔" آپ نے حکم دیا تھا کہ رات کے دوسرے پہر باغیچے میں آ کر دیکھ لینا۔ کوئی اِدھر سے بھی داخل ہو سکتا ہے۔" اُس نے پوچھا۔" آپ اتنی گرما گرم محفل چھوڑ کر باہر کیوں آگئی ہیں؟"

"وہاں دم گھٹتا ہے۔" لڑکی نے جواب دیا۔" شراب کی بُو سے متلی آنے لگتی ہے۔"

"آپ شراب کی عادی نہیں؟"

"نہیں۔" لڑکی نے جواب دیا۔" میں یہاں کی کسی بھی چیز کی عادی نہیں ہو سکی.... بیٹھ جاؤ۔" اُس نے پتھر کے ایک بنچ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میں ملکہ کی برابری کی جرأت نہیں کر سکتا۔" انطانون نے کہا۔" کسی نے دیکھ لیا تو...."

"دیکھنے والے شراب میں بدمست ہیں۔" لڑکی نے کہا۔" بیٹھو اور اپنی بہنوں کی باتیں سناؤ۔"

انطانون نے اپنے فن کے کمالات دکھانے شروع کر دیئے اور لڑکی اُس کے قریب ہوتی گئی۔ وہ بات کو بہنوں سے پھیر کر اپنے آپ پر لے آئی۔ اس میں جو جھجک تھی وہ انطانون نے ختم کر دی۔ یہ انطانون تھا جس نے

کہا کہ اُسے اب چلے جانا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ قلعہ دار لڑکی کی تلاش کے لیے نوکروں کو دوڑا دے اور وہ پکڑی جائے۔ لڑکی نے کہا کہ اُس کی غیر حاضری کو کوئی بھی محسوس نہیں کرے گا۔ وہاں لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ انطالون نے اگلی رات پھر ملنے کا وعدہ کیا اور چلا گیا۔ لڑکی نے اُسے اپنے متعلق جو کچھ بتایا تھا وہ یہ تھا کہ اُسے شراب سے نفرت ہے۔ اُسے جس طرح عیاشی کا ذریعہ بنایا گیا ہے اس سے بھی اُسے نفرت ہے۔ وہ حلب کی رہنے والی تھی۔ اُس کے باپ کے ایک دوست نے اُسے گمشتگین کے لیے منتخب کیا اور برائے نام نکاح پڑھا کر باپ نے اُسے رخصت کر دیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ لڑکی پیار کی پیاسی تھی۔

دوسری رات اُن کی وہیں ملاقات ہوئی۔ لڑکی انطالون کے انتظار میں بے حال ہو گئی تھی۔ وہ آیا تو لڑکی نے اُسے پہلی بات یہ کہی: "اگر تم مجھے ایک خوبصورت لڑکی سمجھ کر کسی اور نیت سے آئے ہو تو واپس چلے جاؤ۔ مجھے تم سے ایسی کوئی غرض نہیں۔"

"جس روز میں نے بدنیتی کا اظہار کیا اُس روز میرے منہ پر تھوک کر اندر چلی جانا۔" انطالون نے کہا۔ "میں تمہیں اپنی بہنوں جیسی پاکیزہ لڑکی سمجھتا ہوں۔"

"لیکن مجھے ابھی بہن نہ کہنا۔" لڑکی نے سنجیدگی کو مسکراہٹ میں بدل کر کہا۔ "معلوم نہیں میں کسی وقت کیا فیصلہ کر بیٹھوں۔"

"یعنی تم میرے ساتھ کہیں بھاگ چلنے کا فیصلہ کرو گی؟"

"یہ تم پر منحصر ہے۔" لڑکی نے کہا۔ "ساری عمر چوری چھپے ملتے تو نہیں گزرے گی۔ تم یہاں آٹھ یا دس دنوں کے لیے آئے ہو۔ چلے جاؤ گے تو میں تمہاری صورت کو بھی ترستی رہوں گی۔"

اُس رات وہ ایک دوسرے کے دل میں اُتر گئے۔ اگلے دن لڑکی اتنی بے قابو ہوئی کہ اُس نے انطالون کو دن کے وقت اپنے کمرے بلا لیا۔ اُس دن گمشتگین حران سے کہیں باہر چلا گیا تھا۔ یہ ملاقات دونوں کے لیے خطرناک تھی۔ لڑکی جذبات کے جادو میں بھول گئی تھی کہ ان محلات میں سازشیں بھی ہوتی ہیں اور حرم کی لڑکیاں ایک دوسری کو خاوند کی نظروں میں گرانے کے موقعے ڈھونڈتی رہتی ہیں۔ انطالون کی شخصیت اور اُس کی باتوں کے طلسم نے اُسے اندھا کر دیا تھا۔ یہ محبت کی تشنگی کا نتیجہ تھا۔ انطالون نے اُسے شک تک نہ ہونے دیا کہ اُسے اُس کے جسم کے ساتھ کوئی دلچسپی ہے۔ وہ لڑکی کے لیے سراپا خلوص اور پیار بن گیا تھا۔ وہ جب اُس کے کمرے سے نکلا تو لڑکی کی یہ کیفیت تھی جیسے اس کے ساتھ ہی نکل جائے گی۔ رات کے دوسرے پہر انہیں پھر ملنا تھا۔

وہ جب وہاں سے نکلا تو حرم کی ایک اور لڑکی اُسے دیکھ رہی تھی۔ اُس لڑکی نے اُسے کمرے میں جاتے بھی دیکھا تھا۔

☆

گمشتگین رات کو بھی غیر حاضر تھا۔ لڑکی باغیچے میں چلی گئی۔ انطالون بھی آ گیا۔ اب اُن کے درمیان نہ کوئی حجاب رہا تھا اور نہ کوئی پردہ۔ لڑکی نے اُسے کہا: "تم نے کہا تھا کہ تم اپنی بہنوں کا انتقام لینے کے لیے سلطان

صلاح الدین ایوبی کی فوج میں شامل ہونے آئے تھے۔ پھر تم اِس فوج میں کیوں بھرتی ہو گئے ہو؟"

"کیا یہ سلطان کی فوج نہیں؟" انطالون نے ایسے پوچھا جیسے اُسے کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ اُس نے کہا: "یہ اسلامی فوج ہے اور یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے سوا اور کس کی ہو سکتی ہے؟"

"یہ فوج اسلامی ہے لیکن اسے سلطان کے خلاف لڑنے کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔" لڑکی نے کہا۔

"یہ تو بہت بُری بات ہے۔" انطالون نے کہا۔ "تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا مجھے ایسی فوج میں رہنا چاہیے جو سلطان ایوبی کے خلاف لڑنے کے لیے تیار ہو رہی ہے؟ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ یروشلم میں اور اُن تمام علاقوں میں جہاں صلیبیوں کا قبضہ ہے، مسلمان سلطان صلاح الدین ایوبی کو امام مہدی بھی کہتے ہیں۔ وہ صلیبیوں کے مظالم سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ مسجدوں میں امام بھی کہتے ہیں کہ یہ قوم کو گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔ دمشق سے امام مہدی صلاح الدین ایوبی کے روپ میں نجات دلانے آ رہا ہے...... مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟"

"اگر تم میں ہمت ہے تو مجھے ساتھ لو۔ یہاں سے نکلو۔" لڑکی نے کہا۔ "میں تمہیں سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج تک پہنچا دوں گی۔ تمہیں اس فوج میں نہیں رہنا چاہیے لیکن میں یہ نہیں چاہوں گی کہ تم مجھے یہاں چھوڑ کر بھاگ جاؤ۔"

"کیا تم اپنے خاوند سے اس لیے بھاگنا چاہتی ہو کہ اُس نے تمہیں زرخرید لونڈی بنا رکھا ہے یا وہ بوڑھا ہے یا اس لیے کہ وہ سلطان ایوبی کے خلاف ہے؟"

"مجھے اس شخص سے نفرت ہے۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "وجوہات تم نے خود ہی بتا دی ہیں۔ اُس نے مجھے لونڈیوں کی طرح حرم میں قید کر رکھا ہے۔ وہ بوڑھا بھی ہے اور نفرت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ سلطان ایوبی کا دشمن اور صلیبیوں کا دوست ہے۔ اس کے حرم میں آنے سے پہلے جوانی کی امنگوں کے ساتھ میرے دل میں ایک اور جذبہ بھی تھا جو مجھے مجبور کرتا تھا کہ میں شادی نہ کروں اور نور الدین زنگی کے پاس جا کر کہوں کہ مجھے کوئی سا جنگی فرض سونپ دیں۔ میں صلیب کے خلاف لڑنا چاہتی تھی۔ میں نے صلاح الدین ایوبی کا نام سن رکھا تھا۔ میں نے تیر اندازی سیکھی اور نشانے پر برچھی پھینکنے کی بھی مشق کی مگر میرے جذبے کو اس بدبخت کے حرم میں قید کر کے اسے شراب سے مار دیا گیا۔ سچ پوچھو تو میں اس قلعے میں آئی تو خوش ہوئی تھی کہ ایک جنگجو کی بیوی بن کے آئی ہوں اور یہ جنگجو صلیبیوں کے خلاف لڑے گا لیکن سلطان نور الدین زنگی کی وفات کے فوراً بعد اُس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔"

"یہ ابھی تک سلطان ایوبی کے مقابلے میں آیا ہے یا نہیں؟" انطالون نے پوچھا۔

"مقابلے میں آنے کے لیے تیار ہے۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "لیکن یہ بہت گہرا آدمی ہے۔ خلیفہ الملک الصالح اور اُس کے درباری امراء کا دوست ہے۔ وہ سب سلطان ایوبی کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ گمشتگین نے انہیں وعدہ دے رکھا ہے کہ وہ انہیں اپنی فوج دے گا مگر یہ صلیبیوں کے ساتھ یارانہ گانٹھ کر آزادانہ طور پر سلطان ایوبی کے خلاف لڑنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اسے اُمید ہے کہ وہ بہت سے علاقے پر قبضہ کر لے گا۔ اگر ایسا ہوا تو وہ حران اور

مفتوحہ علاقوں کا بادشاہ بن جائے گا"۔

"تم نے اس کے ساتھ کبھی اس مسئلے پر بات کی ہے؟"

"کی تھی" لڑکی نے جواب دیا۔ "اس نے میرے دل میں سلطان ایوبی کے خلاف باتیں ڈالنے کی کوشش کی۔ میں سلطان ایوبی کو اپنا پیر اور پیغمبر مانتی ہوں۔ گمشتگین کی کسی بات نے بھی مجھ پر اثر نہ کیا تو اس نے میرے ساتھ تعلق توڑ لیا۔ مجھے مارتا پیٹتا بھی رہا۔ اس کے بعد اس نے مجھے کہا کہ تم سلطان ایوبی کے علاقے میں چلی جاؤ۔ تم بہت خوبصورت ہو اور نوجوان بھی ہو۔ سلطان ایوبی کے تین چار سالاروں کو اپنے جال میں پھانس کر سلطان کے خلاف کر دو۔ اس نے یہ بھی کہا کہ تمہارے ساتھ دو بہت ہوشیار اور بہت خوبصورت صلیبی لڑکیاں ہوں گی۔ تم تینوں مل کر چاروں کو بھی اپنا مرید بنا سکتی ہو۔ اس نے مجھے طریقے بتائے اور کہا کہ میں جا کر جاسوسی بھی کروں، اور اگر میں اس کے یہ سارے کام کر دوں تو وہ میرے خاندان کو بے اندازہ زر و جواہرات دے گا اور مجھے آزاد کر کے میری پسند کے آدمی کے ساتھ میری شادی کر دے گا۔ میں نے کوئی بھی شرط نہ مانی"۔

"تم مان لیتی" انطانون نے کہا۔ "یہاں سے نکل کر سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس چلی جاتی"۔

"اس مردود نے اور اس کے صلیبی دوستوں نے ایسا انتظام کر رکھا ہے کہ ان کے دشمنوں کے علاقے میں جا کر کوئی لڑکی یا جاسوس غداری کرے تو اسے اغوا کر کے لے آتے ہیں یا وہیں قتل کر دیتے ہیں۔ ان کا تعلق حسن بن صباح کے فدائیوں کے ساتھ بھی ہے۔ میری روح مر گئی تھی۔ یہ جسم رہ گیا تھا۔ میں نے یہ سوچا تھا کہ ایسے ہی کروں جیسے تم نے کہا ہے لیکن ہمت نہیں پڑتی تھی۔ تمہیں دیکھا اور تم میرے قریب آئے تو میری روح جاگ اٹھی۔ میں تمہارا احسان ساری عمر نہیں بھولوں گی کہ تم نے مجھے اپنے دل میں بٹھایا لیکن اتنا ہی کافی نہیں۔ آؤ یہاں سے نکل چلیں"۔

"تم یہیں، اسی قلعے میں صلیب کے خلاف اور سلطان ایوبی کے دشمنوں کے خلاف لڑ سکتی ہو"۔

"وہ کیسے؟"

"جس طرح تمہارا آقا گمشتگین تمہیں سلطان صلاح الدین کے علاقے میں جاسوسی کے لیے بھیجنا چاہتا ہے اسی طرح سلطان کو بھی جاسوسوں کی ضرورت ہے جو یہاں رہ کر اسے ان لوگوں کے ارادوں اور دوسرے رازوں سے آگاہ کرتے رہیں"۔

"تمہیں کیسے پتہ ہے کہ سلطان ایوبی کو جاسوسوں کی ضرورت ہے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"میں خود سلطان ایوبی کا بھیجا ہوا جاسوس ہوں" انطانون نے کہا۔ لڑکی اس طرح چونکی جیسے اسے کسی نے خنجر گھونپ دیا ہو۔ "کیوں؟ تم حیران کیوں ہو گئی ہو؟ یہ سچ ہے۔ میں یروشلم سے نہیں، قاہرہ سے آیا ہوں۔ میری کوئی بہن اغوا نہیں ہوئی"۔

"تم نے جہاں اتنے جھوٹ بولے ہیں وہاں یہ بھی جھوٹ ہو گا کہ تم نے مجھے دلی محبت دی ہے" لڑکی نے کہا۔ "تمہارا پیار اور تمہارے دعوے بھی جھوٹے ہوں گے"۔

"میری محبت کا ثبوت یہ ہے کہ میں نے تمہیں اپنا راز دے دیا ہے" انطانون نے کہا۔ "یوں سمجھو کہ میں نے اپنی زندگی تمہارے قدموں میں رکھ دی ہے۔ تم گمشتگین کو میری اصلیت بتا کر مجھے مروا سکتی ہو۔ کوئی جاسوس اپنا آپ ظاہر نہیں کیا کرتا۔ مجھے تمہارے جذبے نے اور تمہاری محبت نے اتنا مجبور کیا کہ میں نے اپنا آپ تم پر ظاہر کر دیا ہے۔ محبت کا دوسرا ثبوت اس وقت دوں گا جب یہاں سے اپنا کام کر کے واپس جاؤں گا۔ میں اکیلا نہیں جاؤں گا، تم میرے ساتھ ہو گی، لیکن ایک بات صاف صاف سن لو۔ اگر تمہاری محبت اور میرا فرض اکٹھے میرے سامنے آ گئے اور خدا نے میرا امتحان لینا چاہا کہ میں کسے پسند کرتا ہوں تو میں فرض کا انتخاب کروں گا۔ تمہاری محبت کو قربان کر دوں گا۔ دھوکہ نہیں دوں گا۔ تم نہیں جانتی کہ جاسوس سے اس کا فرض کیسی کیسی قربانیاں مانگتا ہے۔ سپاہی میدان جنگ میں لڑتا اور مرتا ہے۔ اس کے دوست اس کی لاش گھر لے جاتے اور بڑی عزت سے دفن کرتے ہیں۔ جاسوس مارا نہیں پکڑا جاتا ہے۔ دشمن اسے قید خانے میں لے جا کر ایسی ایسی اذیتیں دیتا ہے جو تم سن کر ہی بے ہوش ہو جاؤ۔ جاسوس مرتا بھی نہیں زندہ بھی نہیں رہتا۔ جاسوس کے لیے فولاد جیسے مضبوط ایمان کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں ایسا ہی ایمان لے کر آیا ہوں۔ تم سے محبت کی ہے تو فولاد کی طرح مضبوط رہوں گا مگر ایمان کا حکم نہیں ٹال سکوں گا"۔

لڑکی نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور چوم کر اپنے منہ پر پھیرا۔ اس نے کہا "تم مجھے بھی اتنا ہی مضبوط پاؤ گے۔ بتاؤ میں کیا کروں"۔

انطانون نے اسے بتانا شروع کر دیا کہ وہ کیا کرے۔ اس کے لیے ضروری ہدایت یہ تھی کہ وہ گانے بجانے اور پینے پلانے کی ان محفلوں سے غیر حاضر نہ ہوا کرے جس میں صلیبی بھی شریک ہوتے ہیں۔ اگر اسے شراب کے دو گھونٹ پینے پڑیں تو پی لیا کرے اور ان لوگوں میں گھل مل کر ان کی باتیں سنے۔ سلطان ایوبی کو برا بھلا کہے اور ان سالاروں کے سینوں سے یہ راز نکلوائے کہ ان کے جنگی ارادے کیا ہیں۔ صلیبیوں کی باتیں غور سے سنے۔ انطانون نے اس سے ان دو سالاروں کے متعلق پوچھا جن کے متعلق بتایا گیا تھا کہ ہندوستان کے رہنے والے ہیں۔

"شمس الدین علی اور شاد بخت کو میں اچھی طرح جانتی ہوں" لڑکی نے کہا۔ "گمشتگین ان کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتا۔ وہ اکثر یہاں آتے ہیں۔ راگ رنگ میں بھی شریک ہوتے ہیں لیکن شراب نہیں پیتے"۔

"تم ان کے قریب ہو جاؤ" انطانون نے کہا۔ "باتوں باتوں میں ان سے پوچھنا: 'کیا ترکستان میں برف پگھل رہی ہے؟' وہ تم سے پوچھیں گے: 'کیا تم ترکستان جا رہی ہو؟' تم مسکرا کر کہنا: 'ارادہ تو یہی ہے'۔ اس کے بعد وہ تمہارے ساتھ کچھ باتیں کریں گے اور شاید یہ بھی پوچھیں کہ ادھر سے کون آیا ہے۔ تم بتا دینا کہ وہ تمہیں مل جائے گا"۔

"میں کچھ سمجھی نہیں" لڑکی نے کہا۔

"سب سمجھ جاؤ گی" انطانون نے کہا۔ "فاطمہ! میں تمہیں کبھی ان جھمیلوں میں نہ ڈالتا لیکن فرض کا تقاضا

ہے کہ ہم اپنی عزیز ترین شے کو بھی اپنے فرض پر قربان کر دیں۔ تم مجھے قربان کردو۔ میں تمہیں قربان کردوں گی۔ گھبرا نہ جانا فاطمہ! آنے والا وقت معلوم نہیں ہمارے لیے کیسے کیسے مصائب اور کیسی کیسی آزمائشیں لارہا ہے۔ اگر ہم دونوں قید خانے کے جہنم میں چلے گئے یا مارے بھی گئے تو ہمارا خون ضائع نہیں ہوگا۔ خدائے ذوالجلال ہمیں فراموش نہیں کرے گا۔ اسلام کی عظمت کی پاسبانی خون دیے بغیر نہیں ہو سکتی۔"

"تم مجھے ثابت قدم پاؤ گے۔" فاطمہ نے کہا۔ "تم نے میرے اُس جذبے کو بھی زندہ کر دیا ہے جو میں سمجھتی تھی کہ مر گیا ہے۔"

"میں جارہا ہوں۔" انطانون نے کہا۔ "اپنا کام آج ہی سے شروع کردو۔"

☆

انطانون چلا گیا۔ فاطمہ اُسے دیکھتی رہی۔ وہ اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو فاطمہ نے محسوس کیا کہ وہ اکیلی نہیں۔ اُس کے پاس کوئی کھڑا تھا۔ اُس نے بدک کر دیکھا۔ حرم کی ہی ایک لڑکی کھڑی تھی۔ وہ بھی فاطمہ کی ہی طرح جوان اور خوبصورت تھی۔ اُس نے کہا۔ "فاطمہ! اس محبت کا انجام سوچ لو۔ تم آزاد نہیں ہو۔ میرے جذبات بھی تم جیسے ہیں۔ میں بھی پنجرہ توڑ کر اُڑ جانا چاہتی ہوں لیکن یہ ممکن نہیں۔ ہماری قسمت میں جو لکھا تھا وہ ہمیں مل گیا ہے۔ دل کو کچل ڈالو۔ اگر دل کی تسکین کا سامان کرنا ہی ہے تو اور بہت ہیں۔ اپنے محافظ کو اتنا بڑا درجہ نہ دو۔"

"کون محافظ؟" فاطمہ نے حیران سا ہو کے پوچھا۔ "تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"میں نے ابھی وہ نہیں کہا جو میں نے سنا ہے۔" دوسری لڑکی نے کہا۔ "مجھ سے اب کچھ چھپانے کی کوشش نہ کرو۔ تم نے اُس کے ساتھ جو سودا کیا ہے وہ تمہیں بہت مہنگا پڑے گا۔" یہ کہہ کر وہ چلی گئی اور فاطمہ وہیں کھڑی اندھیرے خلاؤں میں گھورتی رہی۔

اُسے یاد آگیا کہ انطانون اُسے کہہ گیا تھا کہ اپنا کام آج ہی سے شروع کردو۔ اُسے یہ بھی یاد آگیا کہ اُس نے انطانون سے کہا تھا کہ تم مجھے ثابت قدم پاؤ گے۔ اُس نے دل ہی دل میں اس لڑکی پر لعنت بھیجی اور اپنے آپ سے کہا کہ حرم میں ایسی باتیں تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔ کوئی لڑکی کسی لڑکی کو ہمدردی سے کچھ سمجھاتی ہے اور بعض آقا کی نظر میں ایک دوسری کو گرانے کی کوشش کرتی ہیں۔ اُسے اب ایک سہارا اور قومی جذبے کی تسکین کا ذریعہ مل گیا تھا، مگر وہ ناتجربہ کار تھی۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ حرم میں کچھ بھی کسی سے چھپایا نہیں جاسکتا اور یہ بھی کہ اس ماحول میں اخلاق اور کردار ناپید ہے اور یہاں کسی بھی وقت کوئی بھی انہونی ہو سکتی ہے۔ گناہوں کی اس پُراسرار دنیا میں وہ بہت بڑا خطرہ مول لے رہی تھی۔

دو تین روز بعد اُس کی ملاقات شمس الدین اور شاد بخت سے ہو گئی۔ اُس رات بھی گمشتگین نے بزمِ عیش و طرب منعقد کی تھی۔ اپنے سالاروں، صلیبی مشیروں اور اعلیٰ افسروں کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لیے وہ انہیں خوب عیش کراتا تھا۔ ان دو تین دنوں کی ملاقاتوں میں انطانون نے فاطمہ کو ٹریننگ دے دی تھی۔ فاطمہ اس ضیافت میں خوب دلچسپی لے رہی تھی۔ گمشتگین حیران ہوتا ہوگا اور خوش بھی کہ اس لڑکی میں تبدیلی آگئی ہے۔ وہ ہر کسی کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی۔ وہ شمس الدین کے پاس جا رکی اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے کرتے اُس نے کہا۔ "کیا الرستان میں برف پگھل رہی ہے؟"

سالار شمس الدین چونک اُٹھا۔ گمشتگین جیسے چالاک اور سخت مزاج قلعہ دار کے حرم کی کسی لڑکی کی زبان سے ایسے الفاظ نکلنے کی اُسے توقع نہیں تھی کیونکہ یہ سلطان ایوبی کے جاسوسوں کے خفیہ الفاظ تھے جو بول کر جاسوس ایک دوسرے کو پہچانتے تھے۔ ان الفاظ سے جاسوسوں کے سوا اور کوئی واقف نہیں ہو سکتا تھا۔ شمس الدین کو یہ بھی معلوم تھا کہ اس قلعے میں کوئی جاسوس قید نہیں تھا جس نے یہ الفاظ بتا دیئے ہوں۔ اُس نے کوڈ کا اگلا مکالمہ بولا۔ "کیا تم الرستان جا رہی ہو؟"

"فاطمہ نے مسکرا کر کہا۔ "ارادہ تو یہی ہے۔"

شمس الدین باتیں کرتے کرتے فاطمہ کو الگ لے گیا۔ دوسرے لوگ شراب اور رقص میں محو تھے۔ شمس الدین نے اُس سے پوچھا۔ "تم جانتی ہو میں سالار ہوں۔"

"میں کچھ اور بھی جانتی ہوں۔" فاطمہ کی مسکراہٹ میں طنز نہیں اپنائیت اور ایک مطلب تھا۔

"کون آیا ہے؟" شمس الدین نے رازداری سے پوچھا۔

"وہ آپ کو مل جائے گا۔" فاطمہ نے جواب دیا۔

"تم جانتی ہو کہ مجھے دھوکہ دے کر تمہارا انجام کیا ہوگا؟"

"دھوکہ نہیں۔" فاطمہ نے جواب دیا۔ "آپ ٹہلتے ٹہلتے بڑے دروازے تک چلے جائیں۔ وہاں دو محافظ کھڑے ہیں۔ پوچھنا کہ یروشلم سے کون آیا ہے۔"

شمس الدین دروازے پر چلا گیا۔ وہاں دو محافظ کھڑے تھے جنہیں وہ جانتا تھا۔ اُس نے پوچھا۔ "تم میں سے یروشلم سے کون آیا ہے؟" انطانون نے آگے بڑھ کر بتایا کہ وہ یروشلم سے آیا ہے۔ شمس الدین نے پوچھا۔ "تم اگر الرستان کی طرف سے آئے ہو تو وہاں برف پگھل رہی ہوگی۔"

"کیا آپ الرستان جا رہے ہیں؟" انطانون نے پوچھا۔

"ارادہ تو یہی ہے۔" شمس الدین نے مسکرا کر کہا۔

جب اُسے یقین ہو گیا کہ انطانون واقعی جاسوس ہے تو اُس نے پوچھا۔ "وہ لڑکی دھوکہ تو نہیں دے رہی؟"

"نہیں۔" انطانون نے جواب دیا۔ "ملاقات کا موقعہ دیں۔ ساری بات بتاؤں گا۔"

☆

ملاقات کا موقع پیدا کر لیا گیا۔ شمس الدین آخر سالار تھا۔ وہ موقع پیدا کر سکتا تھا۔ اُس نے انطانون سے پوچھا کہ اُس نے فاطمہ کو کس طرح اپنے جال میں پھانسا ہے اور اسے وہ کس طرح اتنا قابلِ اعتماد سمجھتا ہے کہ اُسے خفیہ (کوڈ) الفاظ تک بتا دیئے ہیں۔ انطانون نے اُسے شروع سے آخر تک سُنا دیا کہ یہ لڑکی کس طرح اُسے ملی اور اُن کے درمیان کیا کیا باتیں ہوئی تھیں۔

"میں ایک خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔" شمس الدین نے کہا: "تم جوان ہو، خوبرو اور تنومند ہو۔ لڑکی جوان ہے اور اُس کی خوبصورتی غیر معمولی ہے۔ جذبات فرض پر غالب آنے کے امکانات مجھے صاف نظر آ رہے ہیں۔ تمہارا دن کے دوران اُس کے کمرے میں جانا جذبات کے تحت تھا۔ تم نے احتیاط نہیں کی۔ لڑکی میں محبت اور خلوص کی تشنگی ہے۔ تم نے اسے محبت بھی دی خلوص بھی دیا ہے۔ ایسی لڑکیوں کے جذبات نازک اور خطرناک ہوتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ تم اپنے فرض کو روحانی جذبات کے شعلے سے تباہ کر دو گے۔ جوانی اور تشنگی مل کر بارود بن جاتی ہیں... کیا تم مجھے یقین دلا سکتے ہو کہ تمہارے دل میں اس لڑکی کی محبت پیدا نہیں ہو گئی؟ میں تمہارے ایمان کا امتحان لینا چاہتا ہوں۔"

"میں نے اسے اپنے کام کے لیے گرویدہ بنایا ہے۔" انطانون نے کہا۔ "لیکن میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ یہ لڑکی میرے دل میں اُتر گئی ہے۔ میں آپ کو خدا اور رسولؐ کی قسم کھا کر یقین دلاتا ہوں کہ یہ محبت میرے فرض پر غالب نہیں آئے گی۔"

پھر اُن کے درمیان اپنے کام کی کچھ باتیں ہوئیں اور شمس الدین نے اُسے کچھ ہدایات دے کر رخصت کر دیا۔ اُسی روز شمس الدین نے اپنے بھائی شاد بخت کو بتایا کہ سلطان ایوبی نے یہاں ایک اور آدمی بھیج دیا ہے جس کا نام انطانون ہے اور وہ محافظ دستے میں شامل ہونے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ ان دونوں بھائیوں کے دو ذاتی محافظ، اُن کے اردلی اور دو ملازم بھی سلطان ایوبی کے لڑاکا جاسوس تھے۔ شمس الدین اور اُس کے بھائی نے انہیں بھی بتایا کہ اُن کا ایک اور ساتھی آگیا ہے جس نے یہاں آ کر اپنے آپ کو ایک خطرے میں ڈال دیا ہے۔ اُس کا کارنامہ ہے کہ اُس نے قلعہ دار کی ذاتی رہائش گاہ میں سے ایک مچھلی پکڑلی ہے مگر اس میں خطرہ بھی ہے۔ شمس الدین نے اپنے آدمیوں کو یہ خطرہ تفصیل سے بتایا اور کہا۔ "ابھی تک حران میں ہمارا کوئی جاسوس نہیں پکڑا گیا۔ مجھے ڈر ہے کہ انطانون پکڑا جائے گا۔ ہم اُس پر نظر رکھیں گے، تاہم تم سب کو تیار رہنا ہوگا۔ اگر وہ پکڑا گیا تو ہماری بے عزتی ہوگی۔ یہ ڈر بھی ہے کہ اذیتوں سے گھبرا کر وہ ہم سب کی نشاندہی کر دے۔ لیکن مجھے سلطان صلاح الدین ایوبی کا خیال آتا ہے۔ وہ کہیں گے کہ دو سالار اور چھ لڑاکا جاسوس ایک آدمی کی حفاظت نہ کر سکے۔"

"آپ اور ہم موجود تھے تو ایک اور آدمی کے بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟" ایک نے پوچھا۔

"یہی ضرورت تھی جو اُس نے پوری کر لی ہے۔" شمس الدین نے جواب دیا۔ "گمشتگین کے حرم تک رسائی ضروری تھی۔ تم ان بحثوں میں نہ پڑو۔ میں جانتا ہوں یہ حسن بن عبداللہ کا فیصلہ ہے جو صحیح ہے۔ میں تمہیں اس کے خطروں سے آگاہ کر رہا ہوں۔ تیار رہنا، ہو سکتا ہے اس لڑکی کو اغوا کر کے غائب کرنا پڑے۔ اس کے لیے بھی تیار رہو۔"

"ہم تیار ہیں۔" سب نے کہا۔ "لیکن ہمیں بروقت اطلاع ملنی چاہیے۔"

"یہ ممکن نہیں کہ اطلاع بروقت ملے۔" شمس الدین نے کہا۔ "ہو سکتا ہے مجھے بھی اُس وقت پتہ چلے جب انطانون شکنجے میں جکڑا ہوا ہو اور اُس کی ہڈیاں توڑی جا رہی ہوں۔"

☆

"کیا تم دونوں بھائی پسند کرو گے کہ ہم کسی سے مدد لیے بغیر اپنی جنگ آزادی سے لڑیں؟" گمشتگین سالار شمس الدین اور شاد بخت سے پوچھ رہا تھا۔ "آپ دونوں جانتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف ہم کئی ایک لوگ ہیں۔ ہم سب نے بظاہر متحدہ محاذ بنا رکھا ہے لیکن ہم دل سے ایک دوسرے کے ساتھ نہیں۔ الملک الصالح بچہ ہے۔ وہ جن امراء کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے، وہ صلاح الدین کو شکست دے کر الصالح کو باہر پھینک دیں گے اور خود مختار حاکم بن جائیں گے۔ موصل کا حاکم سیف الدین بھی ہمارا دوست ہے اور صلاح الدین کا دشمن لیکن وہ بھی اپنی ریاست الگ بنانا چاہتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے حران کے گرد و نواح سے کافی فوج تیار کر لی ہے۔ میں نے صلیبی حکمران ریجنالڈ کو اور اُس کے تمام جنگی قیدیوں کو اس معاہدے کے تحت آزاد کر دیا تھا کہ جب صلاح الدین ایوبی کے مقابلے میں آئیں تو صلیبی اگر میری مدد براہِ راست نہ کریں تو عقب سے یا پہلے سے صلاح الدین ایوبی پر حملہ کریں یا اسے حملے کا دھوکہ دے کر اُس کی توجہ مجھ سے ہٹا دیں۔ اگر ہم کامیاب ہو گئے تو ایک وسیع و عریض علاقہ آپ کی عملداری میں ہوگا۔ مجھے اُمید ہے کہ ہم سلطان صلاح الدین کو شکست دے سکیں گے۔ وہ صلیبیوں کو تو پسپا کر سکتا ہے، صلیبی اُس کی جنگی چالوں سے واقف نہیں۔ ہم واقف ہیں اور ہم بھی مسلمان ہیں۔ اگر اس کی فوج بے جگری سے لڑ سکتی ہے تو ہم اس سے زیادہ بہادری کا ثبوت دے سکتے ہیں۔ صلاح الدین پہلی بار حلب میں مسلمانوں پر حملہ آور ہوا تھا۔ حلب والوں نے اس کے چھکے چھڑا دیئے۔ اس سے میری حوصلہ افزائی ہوئی ہے۔"

شمس الدین اور شاد بخت نے اُسے بالکل نہ کہا کہ مسلمان کو مسلمان کے خلاف نہیں لڑنا چاہیے اور صلیبی جو ہم سب کے دشمن ہیں ہمیں مدد کا دھوکا دیں گے مدد نہیں دیں گے۔ ان دونوں بھائیوں نے اُسے یہ بھی یاد نہ دلایا کہ الملک الصالح نے صلیبی حکمران ریمانڈ کو سونے کی شکل میں معاوضہ دیا اور یہ معاہدہ کیا تھا کہ سلطان ایوبی کے خلاف جنگ کی صورت میں ریمانڈ اُس پر عقب سے حملہ کرے گا۔ سلطان ایوبی نے حلب کا محاصرہ کیا تو ریمانڈ فوج لے کر آ گیا مگر سلطان ایوبی کے صرف چھاپہ مار دستوں نے اُسے روک دیا اور ریمانڈ لڑے بغیر واپس چلا گیا تھا۔ شمس الدین اور شاد بخت نے گمشتگین کے ساتھ کسی بھی نکتے پر بحث نہ کی۔ اُس کی تائید کی اور اُسے مشورہ دیا کہ اس وقت سلطان ایوبی الرستان کی پہاڑیوں میں بیٹھا ہے۔ اس سلسلۂ کوہ میں "حماۃ کے سینگ" نام کی جو وادی ہے اسے میدانِ جنگ بنایا جائے تو سلطان ایوبی کو شکست دی جا سکتی ہے۔ انہوں نے یہ مشورہ بھی دیا کہ اپنی جنگ آزادی سے لڑی جائے اور صلیبیوں سے مدد لی جائے۔

"مجھے کچھ ایسی اطلاعیں مل رہی ہیں کہ صلاح الدین ایوبی کے جاسوس ہمارے درمیان موجود ہیں، اور وہ ہر ایک خبر اُسے پہنچا رہے ہیں۔" گمشتگین نے کہا۔ "آپ دونوں محتاط اور چوکنے رہیں اور چھان بین کریں۔"

"کہنے کی ضرورت نہیں۔" سالار شاد بخت نے کہا۔ "ہم جانتے ہیں کہ سلطان ایوبی کا نظام جاسوسی بہت مضبوط اور تیز ہے۔ ہم نے یہاں اپنے جاسوس چھوڑ رکھے ہیں جو ہمیں مشتبہ اور مشکوک افراد سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔"

"میں اس معاملے میں بہت سخت ہوں۔" گمشتگین نے کہا۔ "اگر مجھے اپنے بیٹے کے متعلق بھی شک ہوا کہ جاسوس ہے تو میں اُسے بھی شکنجے میں ڈال دوں گا۔ ذرہ بھر رحم نہیں کروں گا۔"

گمشتگین کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ جن دو سالاروں سے اتنے نازک مشورے لے رہا ہے وہ سلطان ایوبی کے جاسوس ہیں۔ یہ دونوں بھائی تو بہت ہی خطرناک جاسوس تھے کیونکہ وہ دونوں اُس کی فوج کے جرنیل تھے اور فوجوں کی کمان انہی کے پاس تھی۔ گمشتگین سے فارغ ہو کر وہ جب اکیلے بیٹھے تو انہوں نے آپس میں یہ سکیم بنائی کہ وہ جب فوج لے کر سلطان ایوبی کے خلاف جائیں گے تو اُسے اپنی پیشقدمی کے متعلق پہلے اطلاع دے دیں گے۔ وہ اُن کی فوج کو گھیرے میں لے لے گا اور ہتھیار ڈال دیئے جائیں گے۔ دونوں بھائی دیر تک سکیم بناتے اور ہر پہلو پر غور کرتے رہے۔ انہیں ابھی یہ معلوم نہیں تھا کہ گمشتگین کب حملہ کرنا چاہتا ہے۔ انہیں اُسے اس پر آمادہ کرنا تھا کہ وہ جلدی حملہ کرے۔

☆

انطانون اب گمشتگین کی رہائش گاہ کی ڈیوٹی سے ہٹ گیا تھا کیونکہ اُس کی ڈیوٹی کے آٹھ دن پورے ہو چکے تھے۔ فاطمہ نے اُسے کام کی کچھ باتیں بتائی تھیں۔ اب اُس کا فاطمہ سے ملنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ ہر لمحہ اُسے ملنے کے لیے بیتاب رہتا تھا جس کی ایک وجہ تو اپنے فرض کی ادائیگی تھی اور دوسری وجہ جذباتی اور رومانی تھی۔ فاطمہ نے ایک خادمہ کو ہاتھ میں لے لیا تھا۔ ایک شام اس خادمہ کے ذریعے فاطمہ نے انطانون کو اطلاع بھجوائی کہ رات اُسی وقت وہ باغیچے میں آجائے۔ بڑے دروازے سے اندر جانا ناممکن تھا۔ باغیچے کے پیچھے اونچی دیوار تھی۔ فاطمہ نے کہلا بھیجا تھا کہ دیوار کے باہر رسّہ لٹک رہا ہوگا۔ اس رات وہاں بہت بڑی ضیافت تھی۔ گمشتگین نے اپنے تمام بڑے بڑے لوگوں کو مدعو کیا تھا، جو جنگ میں اُس کے مددگار ہو سکتے تھے۔ ان میں صلیبی کمانڈر بھی تھے اور چند ایک مسلمان فوجی افسر بھی جو موصل سے چوری چھپے آئے تھے۔ گمشتگین نے ایسے غیر فوجی آدمیوں کو بھی مدعو کیا تھا جن کے پاس بے انداز دولت تھی۔ ان سب مہمانوں سے وہ جنگ کے لیے مدد لینا چاہتا تھا۔ ان میں شمس الدّین اور شاد بخت بھی تھے اور ان میں گمشتگین کا قاضی ابن الخاشب ابو الفضل بھی تھا۔

یہ اجتماع فاطمہ کے لیے بہت اچھا تھا۔ اُسے اس کی اہمیت کا علم ہو گیا تھا۔ اُس نے اپنے مزاج کے خلاف اپنا بناؤ سنگار ایسے طریقے سے کیا تھا جس میں مردوں کے لیے بے پناہ کشش تھی۔ اس کی جوانی اور خوبصورتی کی کشش الگ تھی۔ وہ پھدکتی پھر رہی تھی۔ ہر مہمان کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کرتی تھی۔ اُسے جہاں بھی کوئی صلیبی اور اپنی فوج کا کوئی اعلیٰ افسر باتیں کرتا نظر آتا وہاں اس طرح پیٹھ کر کے کھڑی ہو جاتی کہ انہیں شک نہ ہوتا۔ وہ اُن کی طرف کان لگا دیتی۔ وہ شمس الدّین اور شاد بخت کے پاس بھی گئی۔ دونوں نے اُسے کہا کہ وہ بہت محتاط رہے اور اُس کے کان میں کوئی راز کی بات پڑے تو انہیں بتا دے۔ انطانون سے زیادہ ملاقاتیں نہ کرے لیکن اُس نے یہ راز اُن سے چھپائے رکھا کہ اُس نے آج رات انطانون کو بلا رکھا ہے اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ اُس سے باغیچے میں ملنے جائے گی پھر واپس آکر اپنا کام کرے گی۔ اُس نے شام کا اندھیرا گہرا ہوتے ہی خادمہ سے رسّہ دیوار کے اوپر باندھ کر پچھلی طرف لٹکوا دیا تھا۔ دیوار کی اندر کی طرف ایک درخت تھا۔ انطانون کو باہر سے رسّے کے ذریعے اوپر آنا اور اسی رسّے کو اندر کی طرف لٹکا کر درخت کی اوٹ میں اترنا تھا۔

اس ضیافت میں باہر سے نہایت اعلیٰ درجے کی ناچنے والیاں بلائی گئی تھیں۔ ان کے علاوہ لڑکیوں جیسے خوبصورت نو عمر لڑکے بھی بلائے گئے تھے جو نیم عریاں ہو کر خاص قسم کا رقص کرتے تھے۔ حرم کی ساری لڑکیاں گمشتگین کی اس ہدایت یا حکم کے ساتھ موجود تھیں کہ مہمانوں کو پوری طرح اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کریں۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ اس اجتماع کا مقصد کیا ہے۔ شراب کے مٹکوں کے منہ کھول دیئے گئے تھے۔ فاطمہ بھی اس میں آزاد تھی کہ مہمانوں میں سے کسے ملتی ہے اور اس کے ساتھ کیسی باتیں اور حرکتیں کرتی ہے۔

محفل کی رونق اور سازوں کے ہنگامے میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور فاطمہ بے چین ہوتی جا رہی تھی کیوں کہ انطانون کے آنے کا وقت ہو گیا تھا۔ اُس وقت وہ ایک صلیبی کمانڈر کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔ یہ صلیبی روانی سے عربی زبان بولتا تھا۔ فاطمہ سلطان ایوبی کے خلاف باتیں کر رہی تھی تاکہ یہ صلیبی اپنے دل کی باتیں اُگل دے۔

ایسا ہی ہُوا۔ وہ فاطمہ کو بتانے لگا کہ وہ کس طرح سلطان ایوبی کو ختم کریں گے۔ اِن باتوں کے دوران اُس نے فاطمہ کے ساتھ بے تکلفی پیدا کر لی۔ فاطمہ نے مزاحمت نہ کی۔ اُسے کچھ قیمتی راز حاصل ہو رہے تھے۔ صلیبی اُسے باتوں میں لگائے محفل سے پرے لے گیا۔ چلتے چلتے وہ اندر والے باغیچے میں چلے گئے۔ وہاں روشنی نہیں تھی۔ وہاں جا کر فاطمہ نے محسوس کیا کہ انطانون آگیا ہوگا اور اُس کے انتظار میں پریشان ہو رہا ہوگا۔ اس نے صلیبی سے کہا کہ آؤ واپس چلیں لیکن صلیبی ابھی واپس نہیں جانا چاہتا تھا۔ فاطمہ کوئی جھوٹ مُوٹ وجہ بتائے بغیر بھاگ بھی نہیں سکتی تھی مگر بھاگنے کے سوا چارہ بھی کوئی نہ تھا۔ بھاگنے کی بظاہر وجہ بھی کوئی نہیں تھی۔

صلیبی نے اُسے بازو سے پکڑ کر اپنے ساتھ گھاس پر بٹھا لیا اور اُس کے حُسن کی تعریفیں شروع کر دیں۔ فاطمہ نے اُسے ٹالنے کی کوشش کی۔ صلیبی نشے میں بھی تھا۔ اُس نے دست درازی کی تو فاطمہ نے ہنس کر کہا۔ "یہ سوچ لو کہ میں کس کی بیوی ہوں۔"

"اُسی کی اجازت سے یہ جرأت کر رہا ہوں۔" اُس نے کہا اور فاطمہ کو اپنے قریب گھسیٹ لیا۔ کہنے لگا۔۔۔ "تم جسے اپنا خاوند کہہ رہی ہو وہ تمہارا خاوند نہیں ہے۔" صلیبی نے کہا۔ "اس حقیقت سے تم بھی واقف ہو۔ اگر وہ تمہارا خاوند ہی ہے تو اُس نے صلاح الدّین کو شکست دینے اور بادشاہ بننے کے لیے اپنی تمام بیویاں آج رات کے لیے ہم پر حلال کر دی ہیں۔"

"وہ بے غیرت ہے۔" فاطمہ نے غصّے کو ہنسی میں دبا کر کہا، حالانکہ وہ جانتی تھی کہ یہ صلیبی جو کچھ کہہ رہا ٹھیک کہہ رہا ہے۔

"جو آدمی اپنا ایمان بیچ ڈالتا ہے وہ اپنی بیوی، اپنی بہن اور اپنی بیٹی کی عزت سے بھی دستبردار ہو جاتا ہے۔ تم بیوقوف لڑکی ہو۔ عیش و عشرت سے کیوں بیزار ہو؟ کہتی ہو میں شراب بھی نہیں پیتی۔"

فاطمہ کو دو باتیں پریشان کر رہی تھیں۔ پہلی یہ کہ انطانون آگیا ہوگا اور دوسری یہ کہ گمشتگین اگر غیرت مند ہوتا تو وہ دوڑتی اُس کے پاس جاتی اور اُسے بتاتی کہ یہ آدمی مجھ سے دست درازی کرتا ہے، مگر وہاں صورت یہ پیدا کر دی گئی تھی کہ کسی مہمان کو خصوصاً کسی صلیبی کمانڈر کو ناراض کرنا گمشتگین کے حکم کی خلاف ورزی تھی۔ وہ اپنی

بیویوں کی عصمت کے عوض سلطان ایوبی کے خلاف جنگی مدد لے رہا تھا۔ فاطمہ جال میں اُلجھ کے رہ گئی۔ وہ اُس صلیبی کے منہ پر تھوک نہیں سکتی تھی اور اُسے دھتکار بھی نہیں سکتی تھی۔ ان مجبوریوں کے باوجود اپنی عزت سے بھی دستبردار نہیں ہو سکتی تھی۔ اُس کے لیے فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ کیا کرے۔

اُس نے اُسے ذرا سلیقے ہوئے طریقے سے ٹالنے کی کوشش کی جو محض بے کار ثابت ہوئی۔ اُسے بڑی شدت سے خیال آیا کہ اطالون آگیا ہوگا۔ وہ پیچ و تاب کھانے لگی۔ اسی ذہنی کیفیت میں صلیبی نے ایک بیہودہ حرکت کی۔ فاطمہ بھڑک اٹھی۔ وہ گھاس پر بیٹھے تھے۔ اُس نے صلیبی کو بڑے زور سے دھکا دیا۔ وہ پیٹھ کے بل گرا۔ عورت میں غیرت بیدار ہو جائے تو وہ چٹان کو بھی دھکا دے کر گرا سکتی ہے۔ یہ صلیبی تو نشے میں تھا۔ اُس نے اُسے فاطمہ کا مذاق سمجھا اور قہقہہ لگایا۔ قریب ہی مٹی کا ایک بڑا گملا رکھا تھا۔ فاطمہ کو غصے نے پاگل کر دیا۔ اُس نے گملا اٹھایا۔ یہ بہت وزنی تھا۔ گملا اوپر کو اٹھا کر اُس نے صلیبی کے منہ پر دے مارا۔ وہ پیٹھ کے بل لیٹا قہقہے لگا رہا تھا۔ گملا اُس کی پیشانی پر گرا اور اُس کے قہقہے خاموش ہو گئے۔ فاطمہ نے گملا پھر اٹھایا۔ صلیبی بے ہوش ہو کر پہلو کے بل ہو گیا تھا۔ فاطمہ نے گملا اپنے سر سے اوپر لے جا کر اُس کے سر پر پھینکا اور وہاں سے غلام گردش میں چلی گئی۔ کسی کمرے میں داخل ہوئی اور اندھیرے میں پچھلے باغیچے میں چلی گئی۔

محفل پر شراب کا نشہ طاری ہو چکا تھا۔ رقص عروج پر تھا۔ شرابیوں کی ہاؤ ہُو نے اس قلعہ نما محل کو سر پر اٹھا رکھا تھا۔ کسی کو ہوش نہ تھا کہ کون زندہ ہے اور کون قتل ہو گیا ہے۔ اِس ہنگامے سے لاتعلق ہو کر فاطمہ پچھلے باغیچے میں گئی۔ اطالون کی محبت کے جوش اور نشے میں اُسے ابھی یہ احساس نہیں تھا کہ وہ ایک انسان کو قتل کر آئی ہے اور مقتول صلیبی ہے۔ وہ اطالون کو فخر سے سنانا چاہتی تھی کہ اُس نے اپنی عزت کی حفاظت میں ایک صلیبی کو قتل کر دیا ہے، مگر اطالون وہاں نہیں تھا۔ فاطمہ کا دل اس خیال سے ڈوبنے لگا کہ وہ آ کر چلا گیا ہے۔ اُس نے درخت کے پیچھے جا کر دیکھا کہ رسّہ باہر ہے یا اندر۔ رسّہ اندر تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اطالون آیا ہے۔ اسی لیے رسّہ اندر ہے، مگر وہ ہے کہاں؟ اگر وہ واپس گیا ہوتا تو رسّہ باہر کو ہوتا۔

وہ وہاں کھڑی اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ اُسے اندھیرے میں ایک سایہ سا حرکت کرتا نظر آیا۔ اُس نے غور سے دیکھا۔ اُس کی خادمہ معلوم ہوتی تھی۔ فاطمہ نے اُسے آہستہ سے آواز دی۔ وہ خادمہ ہی تھی۔ فاطمہ کی طرف دوڑی گئی۔ اُس نے فاطمہ سے کہا — "اُسے یہاں نہ ڈھونڈو۔ وہ آیا تھا۔ میں اُس کے انتظار میں چھپ کر کھڑی تھی۔ میں نے اُسے دیوار پر دیکھا۔ اُس نے رسّہ اندر پھینکا اور اُترنے لگا۔ اُدھر سے دو آدمی آتے نظر آئے۔ اُس وقت وہ رسّے سے اُتر رہا تھا۔ دونوں آدمی قریب آ گئے۔ میں اُسے خبردار نہ کر سکی۔ وہ دونوں درخت کے تنے سے لگ گئے۔ وہ جونہی اُترا ان دونوں نے اُسے ایسا جکڑا کہ وہ ان سے آزاد نہ ہو سکا۔ میں آپ کو ڈھونڈتی رہی لیکن میں مہمانوں میں نہیں جا سکتی تھی۔"

فاطمہ کو چکر آ گیا اور جب اُسے یہ خیال آیا کہ وہ ایک صلیبی کو قتل کر آئی ہے تو اُس کے ہوش اُڑ گئے۔ یہ الف لیلےٰ کی پُراسرار اور طلسماتی دنیا تھی جسے فاطمہ جیسی لڑکی نہیں سمجھ سکتی تھی۔ اُسے حرم کی ایک لڑکی نے خبردار کیا

بھی تھا کہ وہ ایک محافظ سپاہی کے ساتھ محبت کا کھیل کھیل کر غلطی کر رہی ہے۔ اُسے اب یہ مسئلہ پریشان کرنے لگا کہ اطالون کو کس نے گرفتار کرایا ہے۔ ان دونوں آدمیوں کو پہلے سے معلوم ہوگا کہ وہ آ رہا ہے۔ اب فاطمہ کو یہ خدشہ نظر آنے لگا کہ اُسے بھی گرفتار کیا جائے گا۔ اُسے اپنی خادمہ پر بھی شک تھا۔ وہ بھی تو مخبری کر سکتی تھی۔

وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکی۔ خادمہ کو ساتھ لے کر اُس نے اوپر سے رسّہ کھلوایا اور اُسے کہا کہ اِسے کہیں چھپا دے۔ وہ خود انتہائی گھبراہٹ کے عالم میں سالار شمس الدین اور شادبخت کی طرف دوڑی گئی۔ رقص اور شراب کی محفل گرم تھی۔ فاطمہ کو شادبخت نظر آ گیا۔ اُسے محفل کے انداز سے معلوم ہوا کہ صلیبی کے قتل کا کسی کو پتہ نہیں چلا۔ وہ خراماں خراماں شادبخت تک گئی اور اُسے اشارے سے بلایا۔ الگ جا کر اُسے بتایا کہ وہ ایک صلیبی کو قتل کر آئی ہے۔ اُس نے قتل کی وجہ بھی بتائی۔

شادبخت نے یہ خطرہ محسوس کرتے ہوئے کہ فاطمہ کو کسی نہ کسی نے اس صلیبی کے ساتھ اُدھر جاتے دیکھا ہوگا جہاں اُس کی لاش پڑی ہے اور اس کے پکڑے جانے کا امکان بڑا واضح ہے، اُسے کہا — "تمہیں اب یہاں نہیں رہنا چاہیے۔ تم اگر گرفتار ہو گئیں تو میں ہی بہتر جانتا ہوں کہ گمشتگین تم جیسی خوبصورت لڑکی کا قید خانے میں کیا حال کرائے گا۔ اگر اس کا باپ مارا جاتا تو وہ پروا نہ کرتا۔ وہ ایک صلیبی کمانڈر کے قتل کا بڑا بھیانک انتقام لے گا۔"

"میں کہاں جاؤں؟" فاطمہ نے پوچھا۔

"تھوڑی دیر یہیں گھومو پھرو۔" شادبخت نے کہا — "میرا بھائی شمس الدین آ جائے تو اُس سے بات کروں گا۔"

"وہ کہاں چلے گئے ہیں؟" فاطمہ نے خوف سے کانپتی آواز میں پوچھا۔

"کچھ دیر گزری انہیں اطلاع ملی تھی کہ پچھواڑے کی دیوار رسّے سے پھلانگ کر ایک آدمی اندر آ گیا تھا۔ معلوم نہیں وہ کون ہے اور کس ارادے سے اندر آیا تھا۔ شمس الدین اُسے دیکھنے اور اُسے قید خانے میں ڈالنے یا جو بھی کارروائی مناسب سمجھے گا کرنے کے لیے گیا ہے۔ اگر تھوڑی دیر تک نہ آیا تو میں خود چلا جاؤں گا۔ دل مضبوط رکھنا۔ ہم تمہیں چھپا لیں گے۔"

فاطمہ کے ذہن میں خیال آیا کہ پکڑا جانے والا اطالون ہی ہوگا۔ اُسے اطمینان سا ہوا کہ اطالون کو سالار شمس الدین کے حوالے کیا گیا ہے اور وہ اُسے بچانے کی کوشش کرے گا۔

وہ اطالون ہی تھا۔ اُسے دو سپاہیوں نے پکڑا تھا۔ چونکہ یہ شمس الدین کے شعبے کی ذمہ داری تھی کہ اس قسم کے مجرموں سے پوچھ گچھ کر کے کارروائی کرے اس لیے اُسی کو اطلاع دی گئی کہ ایک آدمی دیوار پھلانگ کر اندر آتے پکڑا گیا ہے۔ شمس الدین محفل سے اُٹھ کر باہر گیا تو سپاہیوں نے اطالون کو پکڑ رکھا تھا۔ شمس الدین نے یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ اس مجرم کو نہیں جانتا اُس سے پوچھا: "تم تو شاید محافظ دستے کے جوان ہو۔ دیوار کیوں پھلانگی ہے؟ سچ سچ بتا دو ورنہ سزائے موت سے کم سزا نہیں دوں گا۔"

اطالون خاموش رہا۔ شمس الدین کو اس خیال سے غصہ آ رہا تھا کہ اُسے اُس نے کہا بھی تھا کہ محتاط رہے اور ذہن پر جذبات کو غالب نہ آنے دے۔ اُس نے اس ہدایت پر عمل نہ کیا۔ ایک طرف تو اُس نے فن کا یہ کمال دکھایا تھا

کہ ایک ہی کوشش میں محافظ دستے میں بھی شریک ہوگیا اور فوراً بعد اُس نے حرم تک رسائی حاصل کر لی مگر دوسری طرف اُس نے ایسی حماقت کی کہ ایک ہی ہَلّے میں پکڑا گیا۔ جاسوس کی حیثیت سے یہ اُس کا جرم تھا لیکن اس کی سزا اُسے یہاں نہیں دی جاسکتی تھی، یہاں سے اُسے بچانا اور نکالنا تھا۔ اس کے ساتھ ہی فاطمہ کو بھی وہاں سے نکالنا ضروری تھا کیونکہ اس انکشاف کا بھی خطرہ تھا کہ انطانون کو فاطمہ نے بلایا تھا اور رستہ دکھانے کا انتظام اُسی نے کیا تھا۔

شمس الدین نے دونوں سپاہیوں کو ایک جگہ بتا کر کہا کہ اسے وہاں لے جائیں اور وہ اُسے قید خانے میں لے جانے کا انتظام کرنے جارہا ہے۔ سپاہی اُسے لے گئے تو شمس الدین کسی اور طرف چلا گیا۔ اُس نے اپنے باڈی گارڈ کو بلایا جو وہیں کہیں موجود تھا۔ باڈی گارڈ چلا گیا۔ اس کے بعد شمس الدین اندر چلا گیا اور اپنے بھائی شاد بخت کو اپنے پاس بلایا۔ رقص ہو رہا تھا۔ مہمان عش عش کر رہے تھے۔ شراب بہہ رہی تھی۔ مشعلوں کے شعلوں اور فانوس کی رنگ برنگی روشنیوں نے ناچنے والیوں کے رنگا رنگ لباسوں سے مل کر ایسی رونق پیدا کر رکھی تھی جس میں الف لیلیٰ کا طلسم تھا۔ سب مدہوش اور مخمور ہوئے جارہے تھے۔ صلیبی کی لاش ابھی وہیں پڑی تھی۔ اس طلسماتی ماحول اور فضا میں شمس الدین اور شاد بخت کے درمیان انطانون اور فاطمہ کے متعلق باتیں ہوئیں۔ شاد بخت نے شمس الدین کو بتایا کہ فاطمہ ایک صلیبی کو قتل کر چکی ہے۔

انہوں نے فاطمہ کو اپنے پاس بلایا اور اُسے اپنے کمرے میں جا کر لباس اور حلیہ بدل کر وہاں سے نکلنے کی ترکیب اچھی طرح سمجھا دی۔ وہ خراماں خراماں وہاں سے غائب ہوگئی۔

کچھ دیر بعد دربان نے اندر آکر شمس الدین کو اطلاع دی کہ باہر فلاں کمانڈر کھڑا ہے۔ شمس الدین باہر گیا۔ ایک کمانڈر گھبرایا ہوا کھڑا تھا۔ اُس نے رپورٹ دی: ”انطانون نام کے جس محافظ کو دیوار پھلانگتے پکڑا گیا تھا، وہ فرار ہوگیا ہے۔“

”کیا وہ دو سپاہی مرگئے تھے جن کے حوالے میں انہیں کرکے آیا تھا؟“ شمس الدین نے گرج کر پوچھا۔

”معلوم ہوتا ہے یہ اکیلے انطانون کا نہیں ایک سے زیادہ آدمیوں کا کام ہے۔“ کمانڈر نے بتایا۔ ”دونوں سپاہی وہاں بے ہوش پڑے ہیں۔ ان کے سروں پر ضربوں کے نشان ہیں۔“

شمس الدین نے موقعہ واردات پر جا کر دیکھا۔ دونوں سپاہی ہوش میں آچکے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ وہ یہاں کھڑے تھے۔ اندھیرے میں پیچھے سے اُن کے سروں پر کسی نے ایک ایک ضرب لگائی اور وہ بے ہوش ہوگئے۔ شمس الدین نے بھاگ دوڑ شروع کر دی۔ اُس وقت ایک عورت جس نے سر سے پاؤں تک برقعے کی طرز کا سیاہ ریشمی لبادہ لے رکھا تھا اور اس میں سے اُس کی صرف آنکھیں نظر آرہی تھیں، گمشتگین کی رہائش گاہ کے بڑے دروازے سے نکلی اور جانے کہاں چلی گئی۔ اُس رات مہمانوں کا آنا جانا تو جاری ہی تھا۔ دربان اور محافظوں نے یہ دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی کہ یہ کون ہے جو مستور ہو کر جارہی ہے۔

آدھی رات کے بعد جب مہمان رخصت ہوئے تو قلعے کا دروازہ کھول دیا گیا۔ گھوڑے اور بگھیاں گزرنے لگیں۔ انہی میں ایک گھوڑ سوار گزرا جس کا چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ دوسرے گھوڑے پر وہی مستور عورت تھی جو

گمشتگین کے گھر سے اکیلی نکلی تھی۔ یہ انتظام شمس الدین اور شاد بخت نے کیا تھا۔ اُس نے اُن دو سپاہیوں کو ایک جگہ بتا کر کہا تھا کہ انطانون کو وہاں لے جاکر میرا انتظار کریں۔ اس نے اپنے باڈی گارڈ سے کہا تھا کہ وہ انطانون کو آزاد کرائیں اور اُس کے گھر میں چھپا دیں۔ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ شمس الدین اور شاد بخت کے باڈی گارڈ، دو اردلی اور دو ملازم سلطان ایوبی کے کمانڈو جاسوس تھے۔ انہوں نے بروقت حرکت کی اور انطانون کو چھڑا کر لے گئے۔ اُدھر سے فاطمہ بھی کہیں سے نکلی اور شمس الدین کے گھر پہنچ گئی۔ وہاں انتظامات مکمل تھے۔ جب مہمان نکلے تو انہیں گھوڑے دے کر وہاں سے نکال دیا گیا۔

یہ رات تو رقص اور شراب کی مدہوشی میں گزر گئی۔ اگلی صبح صلیبی کی لاش دیکھی گئی اور گمشتگین کو یہ اطلاع بھی ملی کہ اس کا ایک محافظ اور اس کے حرم کی ایک لڑکی لاپتہ ہیں۔ اُس نے یہ حکم دے دیا کہ جن دو سپاہیوں کی حراست سے انطانون بھاگا ہے اُن دونوں کو عمر بھر کے لیے قید خانے میں ڈال دیا جائے۔

☆

انطانون اور فاطمہ کا فرار سب کو بھول ہی گیا کیونکہ گمشتگین کے صلیبی دوستوں نے اپنے ایک کمانڈر کے قتل پر اودھم بپا کر دیا تھا۔ انہیں دراصل اپنے کمانڈر کے مارے جانے پر اتنا افسوس نہیں تھا جتنا انہوں نے غل غپاڑہ مچایا تھا۔ وہ دراصل گمشتگین کے ساتھ ناراضگی کا اظہار کرکے اُس سے کچھ اور مراعات لینا چاہتے تھے اور یہ شہ دینا چاہتے تھے کہ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر دے۔ صلیبی جانتے تھے کہ سلاطین کے حرموں میں ایسے ڈرامے کھیلے ہی جاتے رہتے ہیں جن میں لڑکیاں اغوا بھی ہوتی ہیں، از خود بھی غائب ہوتی ہیں، اور وہاں پُراسرار قتل بھی ہوتے ہیں، لیکن وہ گمشتگین کو مجبور کر دینا چاہتے تھے کہ سر اُن کے قدموں میں رکھ دے۔ جن سے منہ مانگی جاتی ہے وہ اپنی ہر شرط منواتے اور غلام بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ صلیبیوں کی تو نیت ہی کچھ اور تھی۔

یہ صورتِ حال چھپائی نہ جاسکی۔ حلب تک اس کی خبر پہنچ گئی۔ وہاں کے درباری امراء جو سلطان ایوبی کے خلاف لڑ رہے تھے گمشتگین کو بھی اپنا اتحادی بنانا چاہتے تھے۔ انہوں نے الملک الصالح کی طرف سے گمشتگین کی طرف ایک ایلچی بھیجا۔ اس کے ساتھ رواج کے مطابق بیش قیمت تحائف تھے۔ ان تحائف میں دو جوان لڑکیاں بھی تھیں۔ گمشتگین آرام کر رہا تھا۔ ایلچی اور لڑکیوں کو شمس الدین کے پاس لے گئے کیونکہ گمشتگین کے بعد وہی سالار تھا جو سرکاری امور کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ اپنے گھر میں لڑکیوں کو الگ بٹھا کر اُس نے ایلچی سے پوچھا کہ وہ کیا پیغام لایا ہے۔ اُس نے جو طویل پیغام دیا وہ مختصراً یوں تھا کہ سلطان ایوبی نے حلب کا محاصرہ کیا تو ریمانڈ صلیبی فوج لے کر آیا جس سے سلطان ایوبی نے محاصرہ اٹھا دیا مگر ریمانڈ بغیر لڑے فوج واپس لے گیا۔ صلیبی آئندہ بھی ہمیں دھوکہ دیں گے۔ ہم اگر الگ الگ ہو کر صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑیں گے تو ہم سب شکست کھائیں گے۔ ہمیں متحد ہو جانا چاہیے تاکہ ایوبی کو ہمیشہ کے لیے ختم کر سکیں۔

اس پیغام کے ساتھ متحدہ محاذ بنانے کا ایک منصوبہ تھا جو کچھ اس طرح تھا کہ ترکستان کی پہاڑیوں کی برف پگھل رہی ہے۔ جاسوسوں نے بتایا ہے کہ سلطان ایوبی کے سپاہی بلندیوں پر نہیں ہو سکے کیونکہ وہاں پگھلتی برف کا پانی اُن کے لیے رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ ہمارے لیے یہ موقع اچھا ہے۔ ہم سب اپنی فوجوں کو اکٹھا کر لیں تو ایوبی کی فوج کو گھیرے میں

کہ اُسے شکست دے سکتے ہیں۔ اس منصوبے میں یہ بھی تھا کہ صلیبی حکمران ریجنالڈ کو اپنے ساتھ ملایا جا سکتا ہے اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ آپ (گمشتگین) اُسے اپنا منصوبہ بتائیں اور اُسے اپنا معاہدہ یاد دلائیں جس کے تحت اُسے جنگی قید سے رہا کیا گیا تھا۔

شمس الدین نے یہ پیغام شاد بخت کو سنایا۔ دونوں بھائیوں نے آپس میں صلاح مشورہ کیا اور سوچنے لگے کہ یہ پیغام گمشتگین تک نہ پہنچنے پائے۔ وہ دونوں اس کوشش میں تھے کہ گمشتگین اکیلا سلطان ایوبی سے لڑے کیونکہ اس طرح اُس کی شکست کا امکان تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ سلطان ایوبی کے پاس فوج تھوڑی ہے۔ اس سے وہ اکیلے اکیلے غدار حکمران کو آسانی سے ختم کر سکتا تھا..... یہ دونوں بھائی اپنی اصلیت کو چھپانے کے لیے پوری پوری احتیاط کرتے تھے مگر اس موقع پر اُن پر جذبات کا غلبہ ہو گیا۔ جذبات کو مشتعل ان لڑکیوں نے کیا۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے لڑکیوں سے اُن کا مذہب پوچھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ مسلمان ہیں۔ عمر کے لحاظ سے وہ نوجوان تھیں۔ شمس الدین اور شاد بخت نے افسوس سا محسوس کیا کہ ایک تو مسلمانوں نے اپنے آپ میں یہ کمزوری پیدا کر لی ہے کہ خوبصورت لڑکی کے عوض اپنا ایمان تک الگ پھینک دیتے ہیں اور دوسرے یہ کہ جن مسلمان لڑکیوں کو شریف گھرانوں میں آباد ہونا ہوتا ہے انہیں لا بی والدین امراء کے حرموں میں دے دیتے ہیں۔

"تم کہاں کی رہنے والی ہو اور ان لوگوں کے ہاتھ کس طرح لگی ہو؟" شاد بخت نے پوچھا۔ "تمہارے باپ زندہ ہیں؟ بھائی نہیں ہیں؟"

لڑکیوں نے انہیں جو جواب دیا اس سے دونوں بھائیوں کے جذبات بھڑک اُٹھے۔ جن علاقوں پر صلیبی قابض تھے وہاں کے مسلمانوں کا جینا حرام ہو رہا تھا۔ کسی مسلمان کی عزت محفوظ نہیں تھی۔ پہلے بھی سنایا جا چکا ہے کہ وہاں کے مسلمان باشندے قافلوں کی صورت میں نقل مکانی کرتے تھے۔ ان کے ساتھ تاجر بھی چل پڑتے تھے۔ اس طرح ہر قافلے کے ساتھ لڑکیاں بھی ہوتی تھیں اور مال و دولت بھی۔ صلیبیوں نے قافلوں کو لوٹنے کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔ یہ تو یورپی مورخوں نے بھی لکھا ہے کہ بعض صلیبی حکمران جو مشرق وسطیٰ میں کسی نہ کسی علاقے پر قابض تھے، ان قافلوں کو اپنی فوج کے ہاتھوں لٹواتے تھے۔ لوٹنے والے کمسن لڑکیوں، جانوروں اور مال و دولت کو اڑا لے جاتے تھے۔ لڑکیوں کو وہ منڈی میں نیلام کرتے یا مسلمان امراء کے ہاتھ فروخت کرتے تھے۔ ان میں کچھ لڑکیاں صلیبی اپنے لیے رکھ لیتے اور انہیں جاسوسی اور اخلاقی تخریب کاری کے لیے تیار کرتے تھے۔ انہیں مسلمانوں کے علاقوں میں استعمال کیا جاتا تھا۔

ان دونوں لڑکیوں کو ایک قافلے سے چھینا گیا تھا۔ اُس وقت دونوں تیرہ چودہ سال کی تھیں۔ وہ فلسطین کے کسی مقبوضہ علاقے سے اپنے کنبوں کے ساتھ کسی محفوظ علاقے کو جا رہی تھیں۔ بہت بڑا قافلہ تھا جس پر صلیبی ڈاکوؤں نے رات کے وقت حملہ کیا اور بہت سی لڑکیوں کو اٹھا لے گئے۔ یہ دونوں چونکہ غیر معمولی طور پر خوبصورت تھیں اس لیے انہیں الگ کر کے ان کی خصوصی پرورش اور تربیت شروع کر دی گئی۔ ان پر غیر انسانی تشدد کیا گیا پھر اُن کے ساتھ ایسا اچھا سلوک ہونے لگا جیسے وہ شہزادیاں ہوں۔ انہیں فی الواقع شہزادیاں بنایا گیا، شراب پلائی

گئی اور نہایت خوبی سے اُن کے ذہنوں کو صلیبیوں نے اپنے رنگ میں ڈھال لیا۔ چار پانچ سال بعد جب سلطان نور الدین زنگی فوت ہو گیا تو صلیبیوں کی طرف سے ان دونوں لڑکیوں کو تحفے کے طور پر دمشق بھیجا گیا۔ انہیں صلیبیوں کا ایک مسلمان ایلچی ساتھ لایا تھا۔ یہ صلیبیوں کی خیر سگالی کا تحفہ تھا۔ وہ الملک الصالح اور اس کے امراء کو سلطان ایوبی کے خلاف اور اپنے حق میں کرنا چاہتے تھے۔

ان لڑکیوں نے بتایا۔ "ہمارے ذہنوں سے مذہب اور کردار نکال دیا گیا تھا۔ ہم خوبصورت کھلونے بن گئی تھیں لیکن ہمیں جب دمشق بھیجا گیا تو ہمارے ذہنوں میں اپنا مذہب اور کردار بیدار ہو گیا۔ ہمارے خون میں جو اسلامی اثرات تھے وہ اُمڈ کر ہماری روحوں پر چھا گئے۔ ہمیں اپنے ماں باپ اور بہن بھائی تو نہیں مل سکتے تھے ہم نے ان مسلمان حاکموں اور بادشاہوں کو اپنے باپ اور بھائی سمجھ لیا لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی ہمیں بیٹی اور بہن نہیں سمجھا۔ صلیبیوں کے ہاتھوں بے آبرو ہو کر ہمیں اتنا دکھ نہیں ہوا تھا جتنا مسلمان بھائیوں کے پاس آ کر ہوا کیونکہ صلیبیوں سے ہمیں ایسے ہی سلوک کی توقع تھی۔ ہم نے ہر اُس مسلمان حاکم کے پاؤں پکڑے جن کے حوالے ہمیں کیا گیا۔ ہاتھ جوڑے، اسلام کے، خدا اور رسول ؐ کے واسطے دیئے کہ ہم اُن کی بیٹیاں ہیں، مظلوم ہیں، اُن کی عزت ہیں مگر اُن کی آنکھوں میں شراب اور شیطان نے صلیب اور ستارے میں کوئی فرق نہیں رہنے دیا تھا.....

"ہمارے اندر انتقام کا جذبہ بیدار ہو گیا۔ جب سلطان صلاح الدین ایوبی دمشق میں آیا تو ہم بہت خوش ہوئیں۔ صلیبیوں کے علاقوں میں مسلمان سلطان ایوبی کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ اسے وہ امام مہدی بھی کہتے ہیں۔ وہ دمشق میں آیا تو ہم نے تہیہ کر لیا کہ اُس کے پاس چلی جائیں گی اور اُسے کہیں گی کہ ہمیں اپنی فوج میں رکھ لے اور کوئی سا کام ہمیں دے دے مگر ہمیں وہاں سے زبردستی بھگا کر حلب لے آئے۔ اب انہوں نے ہمیں آپ کے پاس بھیج دیا ہے۔ ہم آپ سے بھی توقع نہیں رکھتیں کہ آپ ہمیں بیٹیاں سمجھیں گے۔ ہم اتنا ضرور کہیں گی کہ ہماری عصمت تو ہمارے ہاتھ سے نکل گئی ہے اسلام ہاتھ سے نہ جائے۔ ہم صلیبیوں کے ہاں رہیں تو وہاں بھی سلطان ایوبی اور اسلام کے خلاف منصوبے بنتے دیکھے۔ مسلمانوں کے پاس رہیں تو یہاں بھی سلطان ایوبی کے خلاف ہی باتیں سنیں۔ آپ ہمیں آزمائیں۔ ہم نے سُنا ہے کہ صلیبی لڑکیاں یہاں جاسوسی کے لیے آتی ہیں، آپ ہمیں صلیبیوں کے علاقوں میں بھیجیں۔ ہمیں یہ ڈر تو رہا نہیں کہ ہماری عصمت لُٹ جائے گی۔ وہ تو لُٹ ہی چکی ہے۔ ہمیں اسلام کے دفاع اور فروغ کے لیے اور صلیبیوں کی شکست کے لیے کچھ کرنے کا موقع دیں۔"

ان لڑکیوں کی یہ روئیداد ایسی تھی جس نے شمس الدین اور شاد بخت کو شدید جذباتی جھٹکا دیا۔ انہوں نے لڑکیوں سے کہا کہ انہیں اب کسی عیش پرست حکمران کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔

☆

وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ باڈی گارڈ نے اندر آ کر انہیں اطلاع دی کہ قاضی صاحب آئے ہیں۔ دونوں بھائی ملاقات والے کمرے میں چلے گئے۔ وہاں حران کا قاضی ابن الخاشب ابو الفضل بیٹھا تھا۔ وہ ادھیڑ عمر آدمی تھا۔ اُس نے کہا۔ "سنا ہے حلب سے ایلچی آیا ہے اور پیغام کے ساتھ تحفے بھی لایا ہے۔"

"ہاں!" شاد بخت نے کہا۔ "قلعہ دار سوئے ہوئے ہیں۔ میں نے ایلچی کو اپنے پاس روک لیا ہے۔"

"میں وہ دو تحفے دیکھنے آیا ہوں۔" ابن الخاشب نے آنکھ مار کر کہا۔ "اُن کی ایک جھلک دکھا دو۔"

دونوں بھائی جانتے تھے کہ یہ قاضی کس قماش کا انسان ہے۔ وہ گمشتگین پر چھایا ہوا تھا۔ شمس الدین نے دونوں لڑکیوں کو اس کمرے میں بلایا۔ قاضی نے انہیں دیکھا تو اُس کی آنکھیں پھٹنے لگیں۔ اُس کے منہ سے حیرت زدہ سرگوشی نکلی۔ "آفریں..... ایسا حُسن؟"

شمس الدین نے لڑکیوں کو دوسرے کمرے میں بھیج دیا۔ قاضی نے کہا۔ "انہیں میرے حوالے کر دو۔ میں خود قلعہ دار کے سامنے لے جاؤں گا۔" اُس کی آنکھوں سے شیطان جھانک رہا تھا۔

"آپ قاضی ہیں۔" شمس الدین نے اُسے کہا۔ "قوم کی نظروں میں آپ کا مقام گمشتگین سے زیادہ بلند ہے۔ آپ کے ہاتھ میں عدل اور انصاف ہے۔"

قاضی نے قہقہہ لگایا اور کہا۔ "تم فوجی احمق ہوتے ہو۔ تم شہری امور کو نہیں سمجھ سکتے۔ وہ قاضی مر گئے ہیں جن کے ہاتھ میں اللہ کا قانون اور عدل و انصاف ہُوا کرتا تھا۔ وہ اپنے حکمران سے نہیں خدا سے ڈرا کرتے تھے بلکہ حکمران بھی اُن کے ڈر سے کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں کرتے تھے۔ اب حکمران اُسے قاضی بناتے ہیں جو اُن کی بے انصافیوں کو جائز قرار دے اور جو قانون کو نہیں حکمران کو خوش رکھے۔ میں اپنے خدا کا نہیں اپنے حکمران کا قاضی ہوں۔"

"اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ کفار تمہارے دلوں پر قابض ہو گئے ہیں۔" شاد بخت نے کہا۔ "ایمان فروش حکمران کا قاضی بھی ایمان فروش ہوتا ہے۔ تم جیسے قاضیوں اور مفتیوں نے اُمتِ رسول اللہ کو یہاں تک پہنچا دیا ہے جہاں ہمارے امراء اور حکمران اپنی ہی بیٹیوں کی عصمتوں سے کھیل رہے ہیں۔ یہ آپ کی مسلمان بچیاں ہیں جنہیں آپ اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔"

قاضی پر شیطان کا اتنا غلبہ تھا کہ اُس نے شمس الدین اور شاد بخت کی باتوں کو مذاق میں اڑانے کی کوشش کی اور ہنس کر کہا۔ "ہندی مسلمان مُردہ دل ہوتے ہیں۔ تم ہندوستان سے یہاں کیوں چلے آئے تھے؟"

"غور سے سنو میرے دوست!" شمس الدین نے کہا۔ "میں تمہاری عزت صرف اس لیے کرتا رہا کہ تم قاضی ہو، ورنہ تمہاری اصلیت اتنی سی ہے کہ تم میرے ماتحت کمانڈر تھے۔ تم نے خوشامد اور چاپلوسی سے یہ مقام حاصل کر لیا ہے۔ میں تمہاری غیرت کو بیدار کرنے کے لیے تمہیں بتاتا ہوں کہ ہم ہندوستان سے کیوں آئے تھے۔ چھ سو سال گزرے محمد بن قاسم نام کا ایک نوجوان جرنیل ایک لڑکی کی پکار اور فریاد پر اُس سرزمین سے جا کر ہندوستان پر حملہ آور ہُوا تھا۔ تم جانتے ہو ہندوستان کتنی دُور ہے۔ تم اندازہ کر سکتے ہو کہ اس لڑکے نے فوج کس طرح وہاں پہنچائی ہوگی۔ تم خود فوجی ہو۔ اچھی طرح سمجھ سکتے ہو کہ اُس نے مرکز سے اتنی دُور جا کر رسد اور کمک کے بغیر جنگ کس طرح لڑی ہوگی۔ جذبات سے نکل کر اس کے عملی پہلو پر غور کرو.....

"اُس نے ایسی مشکلات میں فتح حاصل کی جن میں شکست کے امکانات زیادہ تھے۔ اُس نے صرف فتح

ہی حاصل نہیں کی ہندوستانیوں کے دلوں پر قبضہ کیا اور کسی ظلم و تشدد کے بغیر اُس کفرستان میں اسلام پھیلایا۔ پھر وہ نہ رہا۔ جنھوں نے اتنی دُور جا کر ایک لڑکی کی عصمت کا انتقام لیا اور اسلام کا نُور پھیلایا تھا، دنیا سے اُٹھ گئے اور وہ ملک اُن بادشاہوں کے ہاتھ آیا جو مجاہدین کے قافلے میں تھے ہی نہیں۔ انہیں وہ ملک مفت مل گیا۔ انہوں نے وہاں وہی حرکتیں شروع کر دیں جو آج یہاں ہو رہی ہیں۔ ہندو اُسی طرح مسلمانوں پر غالب آتے گئے جس طرح یہاں صلیبی غالب آ رہے ہیں۔ سلطنتِ اسلامیہ سکڑنے لگی اور جب ہم جوان ہوئے تو اُس سلطنت کی جڑیں بھی خشک ہو چکی تھیں جسے محمد بن قاسم اور اُس کے غازیوں نے خون سے سینچا تھا۔ مسلمان حکمرانوں نے عرب سے رشتہ توڑ لیا۔ ہم دونوں بھائی جن کے خاندان کو عسکری روایات سے پہچانا جاتا تھا وہاں سے مایوس ہو کر یہاں آ گئے۔ ہم ہندی مسلمانوں کے ایلچی بن کر آئے تھے۔ ٹوٹے ہوئے رشتے جوڑنے آئے تھے.....

"سلطان نور الدین زنگی سے ملے تو اس نے بتایا کہ وہ ہندوستان کا رُخ کس طرح کر سکتا ہے۔ عرب کی سرزمین غداروں سے بھری پڑی ہے۔ زنگی مرحوم دُور کے کسی محاذ پر اس لیے نہیں جاتا تھا کہ اُس کی غیر حاضری میں اِدھر بغاوت ہو جائے گی جس سے صلیبی فائدہ اٹھائیں گے۔ ہمیں یہ دیکھ کر افسوس ہُوا کہ ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کے کردار پر غالب آ گیا اور یہاں صلیبی غالب آ گیا ہے۔ زنگی نے ہمیں اپنی فوج میں رکھ لیا اور جب گمشتگین، سیف الدین اور عزالدین وغیرہ نے صلیبیوں کے ساتھ درپردہ گٹھ جوڑ شروع کر دیا تو سلطان زنگی مرحوم نے ہم دونوں کو گمشتگین کی فوج میں اس مقصد کے لیے بھیج دیا کہ ہم اس پر نظر رکھیں کہ اُس کی خفیہ سرگرمیاں کیا ہیں۔"

"یعنی تم دونوں جاسوس ہو۔" قاضی ابن الخاشب نے طنزیہ کہا۔

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" شمس الدین نے کہا۔ "تم دیکھ رہے ہو کہ ہمارے مسلمان اُمراء اُس مردِ مجاہد کے خلاف لڑ رہے ہیں جو اسلام کو صلیب کے عزائم سے محفوظ کرنا چاہتا ہے۔ آج کا ایلچی بہت خطرناک پیغام لایا ہے۔" اُس نے پیغام سُنا کر کہا۔ "گمشتگین پر تمہارا اثر ہے۔ تم اُسے روک سکتے ہو۔ تم اگر ہمارا ساتھ دو تو آؤ گمشتگین کو اس پر قائل کریں کہ وہ غداروں کے ساتھ اتحاد کرنے کی بجائے سلطان ایوبی کے ساتھ مل جائے ورنہ اسے ایسی شکست ہوگی جو اسے ساری عمر قید خانے میں بند رکھے گی۔"

"اس سے پہلے میں تم دونوں کو قید خانے میں بند کرواتا ہوں۔" ابن الخاشب نے کہا۔ "دونوں لڑکیاں میرے حوالے کر دو۔"

وہ اُٹھ کر اُس کمرے کی طرف جانے لگا جس میں لڑکیاں تھیں۔ شاد بخت نے اُسے بازو سے پکڑ کر پیچھے کیا۔ اُس نے شاد بخت کو دھکا دیا۔ شاد بخت نے اُسے منہ پر اتنی زور سے گھونسہ مارا کہ وہ پیچھے کو گرا۔ شمس الدین وہاں کھڑا تھا۔ اُس نے اپنا ایک پاؤں اُس کی شہ رگ پر رکھ دیا اور ایسا دبایا کہ تڑپ کر بے حس ہو گیا۔ دیکھا، وہ مر چکا تھا۔ ان بھائیوں کا ارادہ قتل کا تھا یا نہیں، وہ مر گیا۔ انہوں نے سوچا کہ اب پکڑے تو جانا ہی ہے، انہوں نے اپنے دونوں اردلیوں کو بلایا۔ انہیں چار گھوڑے تیار کرنے کو کہا۔ گھوڑے تیار ہو گئے تو انہوں نے دو گھوڑوں پر دونوں لڑکیوں کو بٹھایا۔ اردلیوں کو تلواریں اور تیر و کمان دے کر دوسرے گھوڑوں پر سوار ہونے کو کہا۔ وہ اور شاد بخت

اُن کے ساتھ گئے اور قلعے کا دروازہ کھلا کر ان چاروں کو بھاگ جانے کو کہا۔ انہیں انھوں نے یہ ہدایت دی تھی کہ سلطان ایوبی کی فوج تک پہنچ جائیں۔ انھوں نے اِن اردلیوں کو تفصیل سے بتادیا تھا کہ گمشتگین کا منصوبہ کیا ہے۔ چاروں گھوڑے باہر نکلتے ہی سرپٹ دوڑ پڑے۔ دونوں بھائیوں کو بھی نکل جانا چاہئے تھا۔ معلوم نہیں کیا سوچ کر وہ واپس آئے۔ گمشتگین جاگ کر آچکا تھا۔ اُس نے ایلچی کو دیکھا تو اُس سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔ اُس نے بتادیا مگر وہاں لڑکیاں نہیں تھیں جو وہ تحفے کے طور پر لایا تھا۔ شمس الدین اور شاد بخت نے کہا کہ لڑکیاں جا چکی ہیں کیونکہ مسلمان تھیں۔ ہم نے انہیں وہاں بھیج دیا ہے جہاں اُن کی عزت محفوظ رہے گی۔ انھوں نے یہ بھی بتادیا کہ قاضی کی لاش اندر پڑی ہے۔

گمشتگین نے لاش دیکھی۔ ایلچی دوسرے کمرے میں ان دونوں بھائیوں کی وہ باتیں سن رہا تھا جو وہ قاضی ابن الخاشب سے کر رہے تھے۔ گمشتگین جل اُٹھا۔ اُس نے سالار شمس الدین علی اور سالار شاد بخت علی کو قید خانے میں ڈال دیا۔

حران کے قلعے سے دُور چار گھوڑ سوار سرپٹ گھوڑے دوڑاتے نہایت قیمتی راز سلطان صلاح الدین ایوبی کے لیے لے جا رہے تھے، اور اُس وقت الترستان کی پہاڑیوں میں سلطان صلاح الدین ایوبی حسن بن عبداللہ سے پوچھ رہا تھا کہ اُن دونوں بھائیوں کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آئی؟ ☆ ☆

جب سُلطان ایوّبی پریشان ہوگیا

سالار شمس الدین اور سالار شاد بخت کو جب قاضی ابن الخاشب کے قتل اور تحفے کے طور پر آئی ہوئی دو لڑکیوں کو قلعے سے بھگا دینے کے جرم میں قید خانے میں ڈالا جا رہا تھا، اُس وقت ایسا ہی ایک ایلچی جو اس قلعے میں آیا تھا مُوصل میں غازی سیف الدین کے پاس پہنچا۔ غازی سیف الدین خلافت کے تحت مُوصل اور اُس کے گرد و نواح کے علاقے کا گورنر مقرر کیا گیا لیکن نورالدین زنگی کی وفات کے بعد اُس نے اپنے آپ کو والیٔ موصل کہلانا شروع کر دیا تھا۔ وہ سلطان صلاح الدین ایوّبی کے خاندان کا ہی فرد تھا مگر کردار اور ذہنیت کے لحاظ سے سلطان ایوّبی کے اُلٹ تھا۔ مُوصل اسلامی سلطنت کا حصہ تھا مگر سیف الدین وہاں کا آزاد حکمران بن گیا تھا، اور سلطان ایوّبی کے مخالفانہ محاذ میں شامل ہو گیا تھا۔ اُس کا بھائی عزّالدین تجربہ کار جرنیل تھا۔ فوج کی اعلیٰ کمان اسی کے پاس تھی۔ سیف الدین چونکہ اپنے آپ کو بادشاہ سمجھتا تھا اس لیے اُس کی عادات بادشاہوں جیسی تھیں۔ اُس نے حرم میں ملک ملک کی لڑکیاں اور ناچنے والیاں بھر رکھی تھیں۔ اُس کا دوسرا شوق پرندے رکھنے کا تھا جس طرح اُس نے حرم میں ایک سے ایک خوبصورت لڑکی رکھی ہوئی تھی اسی طرح اُس نے رنگ برنگے پرندے بھی پنجروں میں بند کر رکھے تھے۔ اُس کی ذاتی دلچسپیاں حرم اور پرندوں کے ساتھ تھیں۔

اُسے اپنے بھائی عزّالدین کی عسکری اہلیت پر اعتماد تھا اور اُسے توقع تھی کہ وہ سلطان ایوّبی کو شکست دے کر اپنی ریاست الگ بنائے رکھے گا۔ اس مقصد کے لیے اس نے حران کے قلعہ دار گمشتگین کی طرح اور نام نہاد سلطان الملک الصالح کی طرح اپنے پاس صلیبی مشیر رکھے ہوئے تھے جنہوں نے اُسے اُمید دلا رکھی تھی کہ سلطان ایوّبی کے خلاف جنگ کی صورت میں صلیبی اُسے جنگی مدد دیں گے۔ اس طرح سلطان ایوّبی کے لیے صورت یہ پیدا ہو گئی تھی کہ مسلمانوں کی تین فوجیں اُس کے خلاف لڑنے کو تیار اور پا بہ رکاب تھیں۔ ایک حلب میں، دوسری حران میں اور تیسری مُوصل میں۔ یہ تو بڑے بڑے مسلمان حکمران اور اُمرا تھے۔ چھوٹے چھوٹے شیخ اور چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں کے نواب جن کی تعداد کا علم نہیں ان تین بڑے حکمرانوں کے حامی، امداد اور معاون تھے۔ انہوں نے ان تینوں کو فوجی اور مالی مدد دینے کا وعدہ کر رکھا تھا اور مدد دے بھی رہے تھے۔ انہیں کہا گیا تھا کہ اگر سلطان چھا گیا تو جس طرح اُس نے شام اور مصر کا الحاق کر کے ایک سلطنت بنالی ہے اسی طرح وہ ہر ایک مسلمان ریاست کو اپنی سلطنت میں

مدغم کرکے سب کو غلام بنالے گا۔

وہ بظاہر متحد تھے لیکن اندر سے پھٹے ہوئے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ایک دوسرے سے کمزور رہیں۔ ان کی حالت چھوٹی بڑی مچھلیوں کی مانند تھی۔ ہر چھوٹی مچھلی بڑی مچھلی سے خائف تھی اور خواہشمند کہ وہ بھی بڑی مچھلی بن جائے۔ سلطان ایوبی اپنے انٹیلی جنس کے نظام کے ذریعے اچھی طرح جانتا تھا کہ اُس کے مخالفین میں نفاق ہے، تاہم وہ کوئی خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ وہ ہر لمحہ اس حقیقت کو سامنے رکھتا تھا کہ تین بڑی فوجیں اُس کے خلاف محاذ آرا ہیں۔ فوج آخر فوج ہوتی ہے، بھیڑ بکریوں کا ریوڑ نہیں ہوتی۔ اُسے یہ احساس بھی تھا کہ تینوں افواج کے کمانڈر اور جوان مسلمان ہیں اور فنِ سپاہ گری اور شجاعت جو مسلمان کے حصے میں آئی ہے وہ خدا نے کسی اور قوم کو عطا نہیں کی۔ صلیبی چار پانچ گنا طاقتور لشکر لے کے آئے تو مسلمان سپاہ نے قلیل تعداد میں انہیں شکست دی، اور ان احوال و کوائف میں بھی شکست دی کہ صلیبیوں کا اسلحہ برتر تھا اور فوجیں زرہ پوش تھیں۔ گھوڑوں کی پیشانیاں اور پچھلے حصے بھی زرہ پوش تھے۔

سلطان ایوبی نے حلب کا محاصرہ کرکے دیکھ لیا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان فوج مسلمان فوج کے مقابلے میں آئی تھی۔ حلب کی مسلمان فوج اور وہاں کے شہریوں نے جس بے جگری سے حلب کا دفاع کیا تھا اس سے سلطان ایوبی کے پاؤں اکھڑنے لگے تھے۔ وہ اس معرکے کو ذہن سے اتار نہیں سکتا تھا۔ سلطان ایوبی پر یہ الزام عائد کیا گیا تھا کہ وہ مسلمانوں پر فوج کشی کر رہا ہے۔ یہ الزام عائد کرنے والے انہی عباسی خلافت کے حامی تھے جسے اُس نے مصر میں معزول کیا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ یہ مسلمان حکمران اور اُمراء سلطان ایوبی کے اِس عزم کے راستے میں آگئے تھے کہ وہ فلسطین کو آزاد کرائے گا۔ اُسے یہ خیال چین نہیں لینے دیتا تھا کہ قبلۂ اول پر کفار کا قبضہ رہے اور وہ یہودیوں کے عزائم سے بھی بے خبر نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہودی یہ دعویٰ لیے پھرتے ہیں کہ فلسطین اُن کا وطن ہے اور قبلۂ اول مسلمانوں کی نہیں یہودیوں کی عبادت گاہ ہے۔ یہودی فوج لے کر سامنے نہیں آ رہے تھے، وہ صلیبیوں کو مالی امداد دے رہے تھے اور انہوں نے جو سب سے زیادہ خطرناک مدد صلیبیوں کو دے رکھی تھی وہ غیر معمولی طور پر خوبصورت، جوان اور نہایت ہوشیار اور چالاک لڑکیوں کی صورت میں تھی۔ ان لڑکیوں کو جاسوسی کے لیے استعمال کیا جاتا تھا اور مسلمانوں کی کردار کشی کے لیے بھی۔ سلطان ایوبی کو یہ حقیقت اور زیادہ پریشان کرتی تھی کہ صلیبی فوجیں بھی موجود ہیں جن کے اعلیٰ کمانڈر اور حکمران اُس کے مسلمان مخالفین کو شہ دے رہے ہیں۔ ان حالات میں سلطان ایوبی چوکنا تھا۔ وہ اپنی فوج کو نہایت اچھے طریقے سے ڈیپلائے کیے ہوئے تھا اور اُس نے انٹیلی جنس کے نظام کو دشمنوں کے علاقے میں بھیج رکھا تھا۔ اُس کا جو جنگی پلان تھا اس میں اُس نے زیادہ تر بھروسہ چھاپہ مار (کمانڈو) ٹولیوں اور جاسوسوں پر کیا تھا۔

☆

مُوصل میں بھی حلب کا ایلچی بھیجا۔ الملک الصالح اور اُس کے درباری اُمراء نے والیٔ مُوصل کے لیے پیغام کے ساتھ جو تحفے بھیجے تھے اُن میں اُسی طرح کی دو لڑکیاں تھیں جس طرح حران کے قلعہ دار گمشتگین کو بھیجی گئی تھیں۔

حران میں تو دو ہندوستانی جرنیلوں شمس الدین اور شاد بخت نے ان لڑکیوں کو فرار کرادیا، قاضی کو قتل کیا اور قید خانے میں بند ہو گئے تھے لیکن مُوصل میں جو لڑکیاں گئیں انہیں وہاں کے والی سیف الدین نے بسر و چشم قبول کیا۔ اُس کے حرم میں یہ نہایت دلنشیں اضافہ تھا۔ حلب کے ایلچی نے وہی پیغام دیا جو گمشتگین کو دیا گیا تھا۔ وہ یہ تھا کہ صلیبی حلب والوں کو مدد کے معاملے میں دھوکہ دے چکے ہیں اس لیے اُن پر زیادہ بھروسہ نہیں کرنا چاہیے اور اُن کی دوستی سے بھی دستبردار بھی نہیں ہونا چاہیے۔ اُن سے مدد حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم آپس میں متحد ہو کر سلطان ایوبی پر حملہ کردیں۔ وہ الرستان کے سلسلۂ کوہ میں قرونِ حماۃ (حماۃ کے سینگ) کے مقام پر خیمہ زن ہے۔ ہم حملہ کریں گے تو صلیبی اُس پر عقب سے حملہ کردیں گے۔

اس پیغام میں ایک پلان بھی تھا جس میں کچھ اس قسم کی وضاحت کی گئی تھی کہ وہاں برف پگھل رہی ہے۔ جاسوسوں کی اطلاعات کے مطابق سلطان ایوبی کی مورچہ بندیاں برف کے بہتے پانی کی وجہ سے تہس نہس ہو گئی ہیں۔ ہم تین فوجوں سے اُسے انہی وادیوں میں محاصرے میں لیکر آسانی سے شکست دے سکتے ہیں۔ پیغام میں کہا گیا تھا کہ گمشتگین کو بھی پیغام بھیجا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ وہ متحدہ محاذ میں اپنی فوج کو شامل کر دے گا۔ آپ (سیف الدین) بھی مزید وقت ضائع کیے بغیر اپنی فوج کو مشترکہ کمان میں لے آئیں تاکہ صلاح الدین ایوبی کو فیصلہ کُن شکست دی جائے۔

سیف الدین نے پیغام سنتے ہی اپنے بھائی عزّالدین کو، دو سینئر جرنیلوں کو اور مُوصل کے ایک نامی گرامی خطیب ابن المخدوم گکبوری کو بلایا۔ سب آگئے تو اُس نے ایلچی کا یہ پیغام سب کو سنا کر کہا۔ "آپ سب میرے اس فیصلے اور ارادے سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ میں صلاح الدین ایوبی کی اطاعت قبول نہیں کروں گا۔ میری رگوں میں بھی وہی خون ہے جو اُس کی رگوں میں ہے۔ آپ لوگ مجھے یہ مشورہ دیں کہ میں فوری طور پر اپنی فوج مشترکہ کمان میں دے دوں یا نہیں۔ میرا ارادہ یہ ہے کہ ہماری فوج ظاہری طور پر مشترکہ کمان میں رہے لیکن آپ لوگ اُسے الگ تھلگ لڑائیں تاکہ جو علاقہ ہماری فوج فتح کرے اُس کا مالک میرے سوا اور کوئی نہ بن سکے۔"

ایک سالار نے کہا۔ "آپ نے جو فیصلہ کیا ہے اس سے بہتر اور کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ آپ کے ارادے اتنے بلند ہیں جو کسی اور کے نہیں ہو سکتے۔"

"صلاح الدین ایوبی صلیبیوں اور سوڈانیوں کو شکست دے سکتا ہے ہمیں نہیں۔" دوسرے سالار نے کہا۔ "آپ اپنی فوج متحدہ محاذ میں شامل کردیں لیکن کمان اپنے ہاتھ میں رکھیں۔ ہم اپنی فوج کو اس طرح لڑائیں گے کہ ہماری کامیابیاں حلب اور حران کی فوج سے الگ تھلگ نظر آئیں گی۔"

"ہم آپ کے حکم پر جانیں قربان کردیں گے شہنشاہِ مُوصل!" پہلے سالار نے کہا۔ "ہم آپ کو اُس سلطنتِ اسلامیہ کا شہنشاہ بنائیں گے جس کے خواب صلاح الدین ایوبی دیکھ رہا ہے۔"

"صلاح الدین ایوبی کا سر کاٹ کر آپ کے قدموں میں رکھوں گا۔" دوسرے نے کہا۔ "اُس کی فوج الرستان کی وادیوں سے زندہ نہیں نکل سکے گی۔ آپ فوری طور پر کوچ کا حکم دیں۔ فوج تیار ہے۔"

دونوں سالار ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اپنی وفاداری اور ایثار کا اظہار کر رہے تھے۔ عزالدین خاموش بیٹھا اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا اور خطیب ابن المخدوم کبھی اِن سالاروں کو اور کبھی سیف الدین کو دیکھتا اور سر جھکا لیتا تھا۔

"عزالدین! تمہارا کیا خیال ہے؟" سیف الدین نے اپنے بھائی سے پوچھا۔

"مجھے آپ کے اس فیصلے سے اتفاق ہے کہ ہمیں سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنا ہے۔" عزالدین نے کہا۔ "لیکن ہمارے سالاروں کو اس قسم کی جذباتی باتیں زیب نہیں دیتیں جیسی ان دونوں نے کی ہیں۔ صرف یہ کہہ دینے سے کہ ایوبی صلیبیوں اور سوڈانیوں کو شکست دے سکتا ہے ہمیں نہیں، ایوبی کو شکست نہیں دی جا سکتی۔ میں یہ کہوں گا کہ جس نے کم تعداد میں صلیبیوں کی کئی گنا زیادہ فوج کو شکست دی ہے وہ آپ کو بھی شکست دے سکتا ہے۔ جس نے صحرائی فوج برفانی وادیوں میں لڑا کر چار قلعے فتح کر لیے اور ریمانڈ کی فوج کو پسپا ہونے پر مجبور کیا ہے وہ برف پگھل جانے کے بعد کیا اچھی طرح لڑے گا۔ ہمیں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ دشمن کو کمتر نہیں سمجھنا چاہیے۔ آپ یہ سوچیں کہ وہ حالات کیسے ہیں جن میں آپ کو لڑنا ہے۔ اُس میدان کی بات کریں جہاں آپ لڑیں گے اور اُس دشمن کی فوج کی بات کریں جو آپ کے مقابل ہے۔"

عزالدین نے سلطان ایوبی کی فوج کی خوبیاں بیان کیں، پھر سلطان ایوبی کے لڑنے کے طریقے بیان کیے اور جس میدان میں لڑائی متوقع تھی اُس کے کوائف پر روشنی ڈال کر کہا۔ "برف پگھل رہی ہے اور بہار کی بارشیں اس سال تاخیر سے برس رہی ہیں۔ صلاح الدین ایوبی کی فوج خیموں میں ہے لیکن گھوڑوں کو خیموں میں نہیں رکھا جا سکتا۔ اس وقت اس کی فوج کے جانور درختوں کے نیچے یا کھوہوں اور غاروں میں رہتے ہیں۔ گھوڑے اور اونٹ اس حالت میں زیادہ دیر تندرست نہیں رہ سکتے۔ یہ توقع بھی رکھنی چاہیے کہ ایوبی کے سپاہی پہاڑی علاقے سے اُکتا چکے ہوں گے۔ یہ بھی پیشِ نظر رکھ لیں کہ ہم نے اپنی فوج حلب اور حران کی فوج سے ملا دی تو ایوبی محاصرے میں لیا جا سکے گا لیکن یہ بھی نہ بھولیں کہ مسلمان سپاہی جب مسلمان سپاہی کے آمنے سامنے آئے گا تو اسلام کا ابدی رشتہ انہیں گتھم گتھا کرنے کی بجائے انہیں بغل گیر بھی کر سکتا ہے۔ تلواریں جو وہ ایک دوسرے کے خلاف نکالیں گے جھک بھی سکتی ہیں اور خون بہائے بغیر نیاموں میں واپس جا سکتی ہیں۔"

"عزالدین!" سیف الدین نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "تم صرف فوجی ہو۔ تم صرف خون، تلوار اور نیام کی باتیں سوچ سکتے ہو۔ یہ چالیں مجھ سے سیکھو کہ مسلمان سپاہی کو مسلمان سپاہی کے خلاف کس طرح لڑایا جا سکتا ہے۔ پرسوں ماہِ رمضان شروع ہو رہا ہے۔ صلاح الدین ایوبی نماز روزے کا جس قدر خود پابند ہے اتنی ہی پابندی اپنی فوج سے کراتا ہے۔ اُس کی تمام فوج روزے سے ہوگی۔ ہم اپنی فوج سے کہہ دیں گے کہ جنگ میں روزے کی کوئی پابندی نہیں۔ محترم خطیب تمہارے پاس بیٹھے ہیں۔ میں اِن کی جانب سے اعلان کرا دوں گا کہ جنگ میں روزے معاف ہیں۔ ہم حملہ دوپہر کے بعد کریں گے۔ علی الصبح حملہ کیا تو ایوبی کے سپاہی تر و تازہ ہوں گے۔ دوپہر کے بعد ہمارے سپاہیوں کے پیٹ میں کھانا ہوگا اور صلاح الدین ایوبی کے سپاہی بھوکے اور پیاسے ہوں گے۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ میرا یہ فیصلہ غلط تو نہیں کہ ہمیں صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنا ہے۔"

"آپ کا یہ فیصلہ برحق ہے۔" ایک سالار نے کہا۔

"آپ کے فیصلے کو ہم عملی شکل دے کر ثابت کریں گے کہ یہ فیصلہ ہر لحاظ سے صحیح ہے۔" دوسرے سالار نے کہا۔

"آپ کے فیصلے کے خلاف میں نے کوئی بات نہیں کی۔" عزالدین نے کہا۔ "ایک مشورہ اور دوں گا۔ مجھے آپ محفوظہ میں رکھیں۔ اگر ضرورت پڑی تو میں بعد میں حملہ کروں گا۔ پہلے تصادم کی کمان آپ اپنے ہاتھ میں رکھیں۔"

"ایسا ہی ہوگا۔" سیف الدین نے کہا۔ "فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر لو اور فوری تیاری کا حکم دے دو۔ محفوظہ میں جو حصہ رکھنا چاہتے ہو اُسے اپنے پاس رکھو۔"

☆

وہاں خطیب ابن المخدوم بھی موجود تھا۔ سیف الدین نے اُس کی طرف دیکھا اور مسکرا کر کہا۔ "قابلِ صد احترام خطیب! آپ نے کئی بار قرآن سے فال نکال کر مجھے خطروں سے آگاہ کیا ہے۔ آپ نے میری کامیابی اور سلامتی کے وظیفے کیے اور خدا کے حضور میرے لیے دعا بھی کی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ سے بڑھ کر میں کسی کو برگزیدہ نہیں سمجھتا۔ اگر کسی انسان کے آگے سجدے کی اجازت ہوتی تو میں آپ کے آگے سجدہ کرتا۔ اب میں ایسی مہم پر جا رہا ہوں جس کی کامیابی مندوش ہے۔ میں ایک طاقتور دشمن کے مقابلے میں جا رہا ہوں۔ جنگ میں فتح ہوتی ہے یا شکست۔ مجھے قرآن سے فال نکال کر بتایئے کہ میری قسمت میں فتح لکھی ہے یا شکست۔"

"امیرِ محترم!" خطیب اُٹھ کھڑا ہوا۔ کہنے لگا۔ "یہ صحیح ہے کہ آپ نے کئی بار مجھ سے قرآن میں سے فال نکلوائی ہے۔ سلطان نورالدین زنگی مرحوم و مغفور کی زندگی میں آپ ڈاکوؤں کے بہت بڑے گروہ کے تعاقب میں گئے تھے تو میں نے قرآن میں سے فال نکال کر آپ کو کامیابی کا مژدہ سنایا اور آپ کامیاب لوٹے تھے۔ صلیبیوں کے خلاف آپ جب بھی گئے میں نے فال نکالی اور آپ کو خطروں سے خبردار کیا اور کامیابی کی خبر دی۔ اللہ کا شکر کہ میری نکالی ہوئی ہر فال صحیح نکلی، مگر....." خطیب نے پہلے عزالدین کی طرف پھر دونوں سالاروں کو دیکھا اور کہا۔ "مگر موصل کے امیر! اب بغیر فال نکالے میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ جس مہم پر آپ فوج لے جا رہے ہیں اس میں آپ کامیاب لوٹیں گے یا ناکام۔"

"جلدی بتایئے میرے محترم اُستاد!" سیف الدین نے بے تاب ہو کر کہا۔

"آپ کو ایسی بُری شکست ہوگی جس میں آپ وقت پر نہ بھاگے تو آپ ہلاک ہو جائیں گے۔" خطیب نے کہا۔ "اس مہم پر نہ خود جائیں نہ اپنے بھائی کو بھیجیں نہ اپنی فوج کو بھیجیں۔"

سیف الدین کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ یہ بتانا مشکل تھا کہ وہ گھبرایا ہے یا ڈرا ہوا ہے۔ عزالدین اور سالاروں پر بھی خاموشی طاری ہو گئی۔ خطیب سیف الدین پر نظریں گاڑے ہوئے تھا۔

"آپ نے قرآن تو کھولا نہیں،" سیف الدین نے کہا۔ "قرآن کے بغیر آپ نے فال کیسے نکالی؟ میں کیسے مان لوں کہ آپ نے مجھے جو بُری خبر سنائی ہے وہ صحیح ہے؟"

"سلطانِ موصل کے امیر!" خطیب ابن المخدوم نے کہا۔ "میں آج آپ کو بتاتا ہوں کہ قرآن سے جو فالیں نکال کر میں آپ کو کامیابی کے مژدے سناتا رہا اُن کا قرآن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا۔ قرآن کسی جادوگر کی لکھی ہوئی کتاب نہیں۔ قرآن صرف یہ فال بتاتا ہے کہ جو اس مقدس کتاب میں احکاماتِ خداوندی تحریر ہیں ان پر جو عمل نہیں کرے گا وہ ناکام اور نامراد رہے گا۔ اس سے پہلے آپ صلیب کے پرستاروں کے خلاف لڑنے گئے تو آپ کے کہنے پر میں نے قرآن کی فال آپ کو بتائی کہ آپ کامیاب لوٹیں گے۔ اس کے بعد آپ جس مہم پر بھی گئے میں نے آپ کو کامیابی کا مژدہ سنایا اور کہا کہ یہ قرآن کی فال ہے۔ ہر فال نیک تھی جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ کی ہر مہم اور ہر کام خدا کے حکم کے عین مطابق تھا، مگر یہ مہم جس پر آپ جا رہے ہیں خدائی احکام کی صریح خلاف ورزی ہے۔ آپ کفار کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں۔ اُن سے مدد مانگ کر رسولِ مقبولؐ کی ناموس پر فدا ہونے والوں کے خلاف لڑنے جا رہے ہیں۔"

"آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی رسولِ مقبولؐ کی ناموس پر فدا ہونے آیا ہے؟" سیف الدین نے بھڑک کر کہا۔ "میں کہتا ہوں وہ ایک وسیع سلطنت کی سلطانی کا خواب دیکھ کر آیا ہے۔ ہم اُس کا یہ خواب پورا نہیں ہونے دیں گے۔ اُسے موت یہاں لے آئی ہے۔ اُسے موت کے حوالے کر کے ہم صلیب کے پرستاروں کو ختم کریں گے۔"

"آپ مجھے کھوکھلے لفظوں کا فریب دے سکتے ہیں، خدا کو نہیں،" خطیب نے کہا۔ "خدا وہ سب کچھ جانتا ہے جو ہم سب نے اپنے اپنے دلوں میں چھپا رکھا ہے۔ فتح اُس کی ہے جس نے اپنے نفس پر فتح پالی۔ میں آج آخری پیشین گوئی کر رہا ہوں، شکست آپ کا مقدر ہو چکی ہے۔ اگر آپ اسلام کے پرچم تلے چلے جائیں اور اللہ کی راہ میں قتال اور جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں تو آپ کے مقدر کا لکھا ٹل سکتا ہے۔"

"محترم خطیب!" عزالدین بول پڑا۔ "آپ اپنے مذہب اور اپنی مسجد سے سروکار رکھیں۔ جنگی امور اور سلطنتوں کے معاملات کو آپ نہیں سمجھ سکتے۔ آپ ہمارا دل اور ہمارا جذبہ توڑنے کی کوشش نہ کریں۔ ہم اُن عناصر سے مالا مال ہیں جن سے جنگ جیتی جا سکتی ہے۔"

"اگر آپ جنگ کو مذہب اور مسجد سے الگ کر کے لڑیں گے تو نہ دل آپ کا ساتھ دے گا نہ جذبہ،" خطیب نے کہا۔ "آپ نے صحیح فرمایا کہ میں جنگی امور سمجھنے سے قاصر ہوں لیکن میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ جنگ صرف ہتھیاروں اور گھوڑوں سے نہیں جیتی جا سکتی، اور جنگ اُس عسکری قابلیت سے بھی نہیں جیتی جا سکتی جس پر آپ کو ناز ہے اور جس کے بھروسے پر آپ قرآن کے احکام کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ایک عنصر اور بھی ہے جو فتح کو شکست میں بدل دیا کرتا ہے۔"

سب نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔ اُس نے کہا۔ "جس قوم کا حکمران خوشامد پسند ہو جائے وہ اپنے

ساتھ قوم اور ملک کو بھی لے ڈوبتا ہے۔ وہ حکومت کے امور خوشامدیوں اور غلامانہ ذہنیت رکھنے والوں کے حوالے کر دے تو وہ ایک آزاد اور خوددار قوم کو بھوکی ننگی اور غلام رعایا میں بدل دیتے ہیں اور جب یہ حکمران فوج کی کمان خوشامدی سالاروں کو دے دیتے ہیں تو ملک کو دشمن کھا جاتا ہے۔ خوشامدی سالار اپنے ماتحتوں سے خوشامد کرواتے ہیں، پھر اُن کا مقصد قوم اور ملک کے لیے لڑنا نہیں بلکہ حکمران کی خوشنودی حاصل کرنا بن جاتا ہے۔ میں نے آپ کے اِس دربار میں دیکھا ہے کہ دونوں سالاروں نے آپ کی ہاں میں ہاں ملائی ہے اور ایسی جذباتی باتیں کی ہیں جو جنگجو نہیں کیا کرتے۔ دونوں نے آپ کے فیصلے اور ارادے کی تعریف کی ہے لیکن آپ کو خطروں سے خبردار نہیں کیا۔ انہوں نے آپ کو یہ مشورہ نہیں دیا کہ صلیبی تم سب کو گھیرے میں لیے ہوئے ہیں، مسجدِ اقصیٰ پر کفار کا قبضہ ہے۔ لہٰذا اِن حالات میں بہتر یہ ہو گا کہ آپ، گمشتگین اور حلب کے امراء وغیرہ صلاح الدین ایوبی کے پاس جائیں اور اگر آپ ہی سچے ہیں تو اُسے جھوٹا اور سلطانی کا لالچی ثابت کریں....

"مگر آپ کے سالاروں نے آپ کو ایسا کوئی مشورہ نہیں دیا۔ آپ کے سالاروں نے آپ کو یہ بھی نہیں بتایا کہ صلاح الدین ایوبی نے ترکستان کے پہاڑی علاقے کو اڈہ بنا کر اپنے دستے دُور دُور تک اس طرح پھیلا دیے ہیں کہ آپ اُسے محاصرے میں لینے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔ آپ اُس کے چھاپہ ماروں سے اچھی طرح واقف ہیں لیکن آپ کے سالاروں نے آپ کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر یہ پہلو آپ کی نظروں سے اوجھل کر دیا ہے کہ ایوبی کے جاسوس اور چھاپہ مار آپ کے سینے سے راز نکال کر لے جا سکتے ہیں اور آپ کے حرم کی لڑکیوں کو اٹھا لے جا سکتے ہیں۔ آپ کی فوج یہاں سے کوچ کرے گی تو صلاح الدین ایوبی کو آپ کی فوج کی رفتار، تعداد اور کوچ کی سمت کا علم ہو جائے گا۔"

"سلطانِ موصل!" ایک سالار نے غصے میں آ کر کہا۔ "کیا ہم اپنی توہین برداشت کرتے رہیں؟ مسجد میں دن رات بیٹھ کر اللہ ہو، اللہ ہو کا ورد کرنے والا ہمارا اُستاد بننے کی جسارت کر رہا ہے۔ یہ آپ کے فیصلے کی مخالفت کر کے ہمارے سامنے آپ کی توہین کر رہا ہے۔"

"مجھے سن لینے دو،" سیف الدین نے کہا۔ "میں محترم خطیب کو ابھی تک احترام کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

"بولیے محترم خطیب!" عزالدین نے طنزیہ کہا۔ "اس کے بعد آپ کو یہ بھی بتانا ہو گا کہ آپ کی وفاداریاں کس کے ساتھ ہیں۔ ہمارے ساتھ یا صلاح الدین ایوبی کے ساتھ۔"

"میری وفاداریاں اللہ اور اُس کے رسولؐ کے ساتھ ہیں،" خطیب نے عزالدین سے کہا۔ "میں آپ کی تعریف اتنی سی کروں گا کہ آپ نے اپنے بھائی کو دو چار باتیں تو حقیقت کے رنگ میں بتائی ہیں۔ باقی آپ نے بھی دماغ اور آنکھیں بند کر کے بات کی ہے۔ عمادالدین بھی تو آپ کا بھائی ہے۔ کبھی سوچا آپ نے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کا دوست کیوں ہے اور آپ کی حمایت کے لیے کیوں نہیں آتا؟"

"آپ ہمارے خاندانی معاملات میں دخل نہ دیں،" عزالدین نے کہا۔ "آپ دراصل ہم پر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سلطان صلاح الدین ایوبی خدا کا بھیجا ہُوا پیغمبر ہے اور ہم سب کو اُس کے آگے سجدے کرنے چاہئیں۔ آپ کو صرف یہ کہا گیا تھا کہ قرآن سے فال نکال کر بتائیں کہ ہماری یہ مہم کامیاب رہے گی یا ناکام۔"

"قرآن اپنا حکم صادر کر چکا ہے"۔ خطیب نے آواز میں جوش پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "اب میں آپ کے سامنے حقیقت پوری طرح بے نقاب کرتا ہوں۔ صلاح الدین ایوبی خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر نہیں، وہ ایک طوفان ہے، ایک سیلاب ہے جو کفر کو گھاس کی سوکھی ہوئی پتیوں کی طرح بہا لے جانے کے لیے دمشق سے اٹھا ہے۔ آپ سب درخت سے ٹوٹ کر گری ہوئی ٹہنیاں ہیں۔ آپ کے پتے مرجھا رہے ہیں جو جھڑ کر اس طوفان کے ساتھ غائب ہو جائیں گے۔ ایوبی نے آپ پر چڑھائی نہیں کی۔ آپ اس کے راستے میں آ گئے ہیں۔ آپ کا حشر وہی ہو گا جو سیلاب کے راستے میں آنے والوں کا ہوتا ہے"۔

"خطیب!" سیف الدین نے گرج کر کہا۔ "میرے دل سے اپنا احترام نہ نکالو"۔

"تم!.... سیف الدین!...." خطیب نے بارعب آواز میں کہا۔ "تم زمین کے اس ذرا سے خطے کے بادشاہ ہو۔ ڈرو اس کی ذات سے جو دونوں جہان کا بادشاہ ہے۔ میرا احترام نہ کرو، میرے منہ پر تھوک دو مگر اپنے رسولؐ کے راستے سے نہ ہٹو۔ تم پر بادشاہی کا نشہ طاری ہے۔ ان بے وقار سالاروں نے اور تمہاری حکومت کے عہدیداروں نے تمہیں خوش رکھنے کے لیے تمہیں بادشاہ بنا ڈالا ہے۔ تم نہیں سمجھتے کہ یہ محض خوشامد ہے اور تم بادشاہ نہیں ہو۔ تم نہیں جانتے کہ یہ بے وقار خوشامدی تمہارے دشمن ہیں، اپنی قوم کے اور اپنے ملک کے دشمن ہیں۔ تم پر زوال آئے گا تو تمہیں پہچاننے سے بھی انکار کر دیں گے اور اُس کے پاپوش چاٹیں گے جو تمہاری گدی پر بیٹھے گا۔ مجھے غصے سے نہ دیکھ سیف الدین! اپنا گھر دوزخ میں نہ بنا۔ تاریخ سے عبرت حاصل کر۔ ان غلاموں کی ذہنیت والوں نے ایک سے ایک جابر بادشاہ کو گدا کیا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا۔ افسوس اس پر ہے کہ رسولِ مقبولؐ کی اُمت بھی اس تباہی کے راستے پر چل پڑی ہے۔ تیرے جیسے بادشاہ اُمتِ رسول اللہؐ کو تاریخ کی نظروں سے اوجھل کر کے ہی دم لیں گے"۔

"لے جاؤ اسے یہاں سے"۔ سیف الدین غصے سے کانپتی آواز میں گرجا۔ "اسے وہاں بند کر دو جہاں سے اس کی آواز میرے کانوں تک نہ پہنچ سکے"۔

ایک سالار کے پکارنے پر دو باڈی گارڈ اندر آئے۔ انہیں حکم دیا گیا کہ خطیب کو قید خانے میں لے جائیں۔ اُسے جب دونوں بازوؤں سے پکڑ کر لے جا رہے تھے تو سیف الدین کو اُس کی آوازیں سنائی دیتی رہیں ——"بادشاہی کا لالچ مذہب سے بیگانہ کرتا ہے۔ خوشامد پسند حکمران ملک اور قوم کو بیچ کھاتا ہے۔ کافر کی دوستی دشمنی سے زیادہ خطرناک ہے۔ فلسطین ہمارا ہے۔ فلسطین میرے رسولؐ کا ہے۔ تمہیں کافر اس لیے آپس میں لڑا رہا ہے کہ فلسطین پر اُس کا قبضہ رہے۔ آپس میں لڑتے رہو گے تو قبلۂ اوّل تم پر لعنت بھیجتا رہے گا"۔

خطیب المخدوم کو گھسیٹ کر لے جا رہے تھے اور وہ بلند آواز سے بولتا جا رہا تھا۔ بہت سے فوجی باہر نکل آئے اور آن کی آن میں یہ خبر تمام تر موصل میں پھیل گئی —— "خطیب المخدوم پاگل ہو گیا ہے.... خطیب کو قید خانے میں بند کر دیا گیا ہے"۔ یہ آوازیں شہر میں گھومتے پھرتے خطیب کے گھر کے دروازے میں داخل ہو گئیں۔ اس گھر میں خطیب کی نوجوان بیٹی تھی۔ اس گھر میں یہی دو افراد تھے۔ یہ لڑکی اور اُس کا باپ خطیب۔ خطیب

کی یہ واحد اولاد تھی۔ اُس کی بیوی عرصہ گزرا مر گئی تھی۔ خطیب نے دوسری شادی نہیں کی تھی۔ وہ اس بیٹی کے سہارے جی رہا تھا اور بیٹی اُس کی خاطر زندہ تھی۔

بہت سی عورتیں اُس کے گھر میں چلی گئیں۔ یہ گھر سب کے لیے بڑا ہی قابلِ احترام تھا کیونکہ یہ خطیب کا گھر تھا۔ عورتوں نے لڑکی سے پوچھا کہ اُس کے باپ کو اچانک کیا ہو گیا ہے؟ کیا واقعی وہ پاگل ہو گیا ہے؟

"ایسا ہونا ہی تھا"۔ لڑکی نے کہا۔ "ایسا ہونا ہی تھا"۔ اُس کے انداز میں ٹھہراؤ سا تھا، افسوس اور گھبراہٹ نہیں تھی۔ اس کے بعد اُس کے پاس جو بھی عورت آئی لڑکی نے یہی کہا۔ "ایسا ہونا ہی تھا"۔

موصل میں خطیب کو قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ حران میں دو سالاروں شمس الدین اور شاد بخت کو گمشتگین نے قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ گمشتگین کو پہلی بار پتہ چلا کہ اُس کے یہ دونوں سالار دراصل صلاح الدین ایوبی کے آدمی ہیں اور جاسوس۔ اِن دونوں کو قید خانے میں ڈال کر گمشتگین رات کے وقت قید خانے میں گیا۔ شمس الدین اور شاد بخت کو اُن کی کال کوٹھڑیوں سے نکلوا کر انہیں اُس جگہ لے گیا جہاں قیدیوں سے راز اُگلوانے کے لیے کئی ایک وحشیانہ طریقے اختیار کیے جاتے تھے۔ وہاں دو آدمی اس طرح لٹکے ہوئے تھے کہ چھت کے ساتھ بندھی ہوئی رسیوں سے اُن کی کلائیاں بندھی ہوئی تھیں۔ اُن کے پاؤں زمین سے کوئی دو فٹ اوپر تھے اور ٹخنوں کے ساتھ کم و بیش دس دس سیر وزن کے لوہے کے ٹھوس گولے بندھے ہوئے تھے۔ موسم سرد ہونے کے باوجود ان کے جسموں سے پسینہ اس طرح پھوٹ رہا تھا جیسے اُن پر پانی انڈیلا گیا ہو۔ اُن کے بازو کندھوں سے الگ ہوتے جا رہے تھے۔ وہاں خون کی بدبو تھی اور گلی سڑی لاشوں کا تعفن بھی۔

"انہیں دیکھ لو"۔ گمشتگین نے دونوں بھائیوں سے کہا۔ "اس قید خانے میں آنے تک تم میری فوجوں کے مالک تھے۔ شہزادے تھے۔ اب تم بیکار جذبات میں اُلجھ کر اس دوزخ میں آ گئے ہو۔ تم غدار ہو۔ تم میری آستین میں سانپوں کی طرح پلتے رہے ہو۔ میں تمہیں اب بھی بخش دینے کے لیے تیار ہوں۔ مجھے صرف یہ بتا دو کہ جن لڑکیوں کو تم نے یہاں سے بھگایا اور جو دو آدمی اُن کے ساتھ گئے ہیں وہ کہاں گئے ہیں اور یہاں سے کیا کیا راز لے کر گئے ہیں"۔ شمس الدین اور شاد بخت مسکرا دیئے اور خاموش رہے۔ گمشتگین نے کہا۔ "وہ صلاح الدین ایوبی کے پاس گئے ہیں۔ کیا یہ جھوٹ ہے؟" دونوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ گمشتگین نے کہا۔ "اِن دونوں کو دیکھ لو۔ یہ نوجوان ہیں اس لیے ابھی برداشت کر رہے ہیں۔ تم دونوں کو میں نے ان کی طرح لٹکا کر پاؤں کے ساتھ وزن باندھ دیا تو تم تھوڑی سی دیر میں اپنا سینہ کھول کر میرے آگے رکھ دو گے۔ اس کے بغیر ہی مجھے سب کچھ بتا دو"۔

"وہ کوئی راز نہیں لے گئے"۔ شمس الدین نے کہا۔ "یہاں کوئی راز نہیں۔ تمہارے متعلق سلطان ایوبی اچھی طرح جانتا ہے کہ تم صلیبیوں کی مدد سے اُس کے خلاف لڑنے کی تیاری میں ہو۔ ایوبی پوری تیاری کر کے تمہاری سرکوبی کے لیے آیا ہے۔ یہاں سے کوئی کیا راز لے کے جائے گا۔ راز صرف یہ فاش ہوا ہے کہ ہم دو نو بھائی تمہاری فوج کے سالار تھے۔ تم ہمیں اپنا معتمد سمجھتے رہے لیکن ہم دراصل سلطان ایوبی کے آدمی ہیں"۔

"میں دوسرا راز بھی تمہیں بتا دیتا ہوں"۔ شمس الدین کے بھائی شاد بخت نے کہا — "یہ اتفاق ایسا ہوگیا ہے کہ دو مسلمان لڑکیاں تمہارے پاس تحفے کے طور پر آگئیں۔ ہمیں پتہ چل گیا کہ وہ مظلوم ہیں اور مسلمان ہیں۔ تمہارا بنایا ہوا قاضی ابوالخاشب تم سے پہلے ان لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ ہم نے لڑکیوں کو اپنی بیٹیاں سمجھ کر بھگا دیا اور ابوالخاشب نے ہمارے لیے ایسے حالات پیدا کردیے کہ ہم نے اُسے قتل کر دیا اور تمہیں پتہ چل گیا۔ تم نے ہمیں قید کر دیا۔ اگر ہم قید نہ ہوتے تو ہمارا ارادہ یہ تھا کہ جب تم سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف ہمیں بھیجو گے تو ہم پوری فوج کو سلطان ایوبی کے گھیرے میں لے جا کر ہتھیار ڈال دیں گے۔ ہماری یہ آرزو پوری نہ ہوسکی"۔

"ہم پھر بھی کامیاب ہیں"۔ شمس الدین نے کہا — "تم ہمیں سزائے موت دے دو۔ ہمیں چھت سے لٹکا کر ہمارے پاؤں کے ساتھ بیس بیس سیر وزن باندھ دو، ہمارے بازو ہمارے کندھوں سے الگ کردو، ہمیں اذیت کا کچھ احساس نہیں ہوگا۔ اللہ کی راہ پر چلنے والوں کے لیے تیر پھول بن جاتے ہیں۔ جسم فنا ہوجاتے ہیں روحیں نہیں مرا کرتیں۔ اللہ کی راہ میں قربان ہونے والوں کی روحیں اللہ کو عزیز ہوتی ہیں"۔

"مجھے وعظ نہ سناؤ"۔ گمشتگین نے کہا — "مجھے وہ راز بتاؤ غدارو، وہ راز بتاؤ جو تم نے صلاح الدین ایوبی کو بھیجا ہے"۔

"تم ہمیں غدار کہتے ہو؟"— شمس الدین نے کہا — "یہی راز ہے جسے تم چھپانا چاہتے ہو کہ غدار کون ہے۔ تم یہ راز آنے والی نسلوں سے اور تاریخ سے بھی نہیں چھپا سکو گے کہ تم غدار ہو۔ تاریخ پکار پکار کر کہے گی کہ صلاح الدین ایوبی فلسطین کو صلیبیوں سے آزاد کرانے کے لیے نکلا تھا مگر گمشتگین نام کا ایک مسلمان قلعہ دار اُس کے راستے میں حائل ہوگیا تھا"۔

"تم اگر اتنے پکے مسلمان ہوتے تو ہندوستان ہندوؤں کے حوالے کرکے نورالدین زنگی کے پاس نہ بھاگے آتے"۔ گمشتگین نے طنزیہ کہا — "تم غلام ملک سے آئے ہو"۔

"ہندوستان کو ہم نے ہندوؤں کے حوالے نہیں کیا تھا"۔ شاد بخت نے جواب دیا — "وہاں بھی تم جیسے مسلمان موجود تھے جنہوں نے ہندوؤں سے دوستی کی اور تمہاری ہی طرح اپنی ذاتی بادشاہی کے خواب دیکھے۔ بادشاہی کا نشہ انہیں لے بیٹھا اور ہندو سارے ملک پر ہاتھ صاف کر گیا۔ اگر ملک کی قسمت سالاروں کے ہاتھ میں ہوتی تو آج ہندوستان عرب کی سرزمین کے ساتھ ملا ہوا ہوتا مگر وہاں کی فوج کو بادشاہوں نے اپنا غلام بنا لیا تھا"۔

"میں تمہیں دو دن اور سوچنے کا موقع دیتا ہوں"۔ گمشتگین نے کہا — "اگر میرے سوالوں کے جواب مجھے دے دو گے تو ہوسکتا ہے تمہیں اس جہنم سے نکال کر تمہارے گھروں میں تمہیں نظر بند کردوں۔ اگر مجھے مایوس کرو گے تو میں تمہیں سزائے موت نہیں دوں گا۔ انہی کال کوٹھڑیوں میں پڑے گلتے سڑتے رہو گے، سوچ لو"۔

اور وہ حکم دے کر کہ انہیں کوٹھڑیوں میں بند کردیا جائے، چلا گیا۔

☆

گمشتگین نے اپنے قلعے میں صلیبی مشیر رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ان پر واضح کردیا کہ ان کا ایک ساتھی جو قتل ہوگیا ہے وہ کسی سازش کا شکار نہیں ہوا بلکہ وہ حرم کی ایک لڑکی کے ہاتھوں قتل ہوا ہے۔ گمشتگین نے انہیں یہ بھی بتایا کہ اس نے اپنے دو سالاروں کو قاضی کے قتل اور غداری کے جرم میں قید خانے میں ڈال دیا ہے۔ اس نے ان سے مشورہ لیا کہ وہ فوری طور پر سلطان ایوبی کے خلاف فوج بھیجنا چاہتا ہے۔

"مجھے معلوم نہیں کہ ان دونوں سالاروں نے کیسے کیسے راز صلاح الدین ایوبی کو بھیج دیے ہیں"۔ گمشتگین نے کہا — "پیشتر اس کے کہ وہ ان رازوں سے فائدہ اٹھائے میں حملہ کر دینا چاہتا ہوں۔ اس صورت میں مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہوگی"۔

صلیبی مشیروں نے مدد کا وعدہ کیا اور کہا کہ وہ اپنے ایک آدمی کو آج ہی رات صلیبیوں کے کیمپ کو روانہ کر دیتے ہیں۔ اُسی رات ایک صلیبی روانہ ہوگیا۔

موصل میں خطیب المخدوم قید خانے کی ایک کوٹھڑی میں بند تھا اور اُس کی نوجوان بیٹی جس کا نام صاعقہ تھا، گھر میں اکیلی بیٹھی تھی۔ دن بھر عورتیں اس کے پاس جاتی رہی تھیں اور صاعقہ سب سے یہی کہتی رہی تھی — "ایسا ہونا ہی تھا"۔ عورتوں نے غور نہیں کیا تھا کہ اس سے اُس کا مطلب کیا ہے۔ دو جوان لڑکیوں نے اُس کے ان الفاظ اور انداز کو نظر انداز نہ کیا۔ انہیں کچھ شک ہوا۔ رات جب صاعقہ گھر میں اکیلی تھی یہ دونوں لڑکیاں اس کے گھر میں داخل ہوئیں۔ صاعقہ انہیں اچھی طرح نہیں جانتی تھی۔

"تم سارا دن یہ کیوں کہتی رہی ہو کہ ایسا ہونا ہی تھا؟"— ایک لڑکی نے پوچھا۔

"خدا کو ایسے ہی منظور تھا"۔ صاعقہ نے جواب دیا — "اس کے سوا میں اور کیا کہہ سکتی ہوں"۔

کچھ دیر خاموشی طاری رہی۔ آخر دوسری لڑکی نے کہا — "اگر اس سے تمہارا مطلب کچھ اور ہے تو صاف بتا دو۔ ہوسکتا ہے ہم کچھ مدد کرسکیں"۔

"خدا کے سوا میری کوئی مدد نہیں کرسکتا"۔ صاعقہ نے کہا — "میرے والد محترم نے کوئی اخلاقی جرم نہیں کیا۔ انہوں نے امیر موصل کو کوئی کھری بات کہہ دی ہوگی۔ وہ ہمیشہ حق بات کہا کرتے ہیں۔ اسی لیے میں کہتی ہوں کہ ایسا ہونا ہی تھا کیونکہ وہ خوشامد کرنے والے انسان نہیں"۔

"یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ انہوں نے کیا کہا اور کیا کیا ہے"۔ دوسری لڑکی نے کہا — "ہم یہ کہنا چاہتی ہیں کہ انہوں نے صلاح الدین ایوبی کی حمایت میں کوئی بات کہہ دی ہوگی۔ یہ تو تم ہی بتا سکتی ہو کہ وہ موصل کے والی کے حامی تھے یا صلاح الدین ایوبی کے؟"

"تم جسے سچا سمجھتی ہو وہ اُسی کے حامی تھے"۔ صاعقہ نے مسکرا کر پوچھا — "تم کس کی حامی ہو؟"

"صلاح الدین ایوبی کی"۔ دونوں لڑکیوں نے جواب دیا۔

"وہ بھی ایوبی کے حامی تھے"۔ صاعقہ نے جواب دیا — "سیف الدین کو پتہ چل گیا ہوگا"۔

"وہ زبانی حمایت کرتے تھے یا عملاً بھی؟"— ایک لڑکی نے پوچھا۔

"کیا تم جاسوسی کرنے آئی ہو؟" — صاعقہ بھڑک کر بولی — "کیا موصل کا نوجوان خون بھی کفار کا حامی ہو گیا ہے؟"

"ہاں!" — ایک لڑکی نے جواب دیا — "ہم دونوں جاسوسی کرنے آئی ہیں اور تمہیں یہ یقین دلانے آئی ہیں کہ موصل کا نوجوان خون کفار کا حامی نہیں بلکہ کفار کے پاؤں تلے سے عرب کی زمین نکالنے کے لیے بیتاب ہے اور اس عزم پر عمل کر کے دکھانے کو اُبل رہا ہے۔ تم ہماری ذہانت کا اندازہ اس سے کرو کہ تمہارے ان الفاظ کو کہ ایسا ہونا ہی تھا، ہمارے سوا کوئی بھی نہیں سمجھ سکا۔ ہم سمجھ گئی تھیں کہ تمہارے والدِ محترم سلطان ایوبی کے حامی ہوں گے اور اُن کی سرگرمیوں کا علم والیٔ موصل کو ہو گیا ہوگا۔"

کچھ دیر کے تبادلۂ خیالات اور بحث کے بعد صاعقہ کو یقین ہو گیا کہ یہ دونوں لڑکیاں اُسے دھوکہ نہیں دے رہیں۔ اُس نے اُن سے پوچھا کہ وہ کیا کرنا چاہتی ہیں اور وہ کر کیا سکتی ہیں۔

"سب سے پہلے یہ معلوم کرنا ہے کہ محترم خطیب کو قید خانے میں پریشان تو نہیں کیا جا رہا؟" — ایک لڑکی نے کہا — "اگر پریشان کیا جا رہا ہے تو انہیں قید خانے سے غائب کرنے کا انتظام کیا جائے گا۔"

"یہ کیسے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ قید خانے میں اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے؟" صاعقہ نے پوچھا۔

"ہم اپنے طور پر معلوم کرنے کی کوشش کریں گی" — دوسری لڑکی نے کہا — "تم والیٔ موصل کے پاس جاؤ اور اپنے والد سے ملنے کی عرض کرو۔ اگر اُس نے اجازت نہ دی تو ہم کچھ کریں گی۔"

"میں کل صبح جاؤں گی" — صاعقہ نے کہا — "اور یہ بھی پوچھوں گی کہ میرے باپ کا جرم کیا ہے؟"

لڑکیاں جانے کے لیے اُٹھیں تو انہیں خیال آ گیا کہ صاعقہ گھر میں اکیلی ہے۔ انہوں نے اُسے کہا کہ وہ رات اُس کے ساتھ گزاریں گی لیکن صاعقہ تنہائی میں کوئی ڈر یا خطرہ محسوس نہیں کر رہی تھی۔ لڑکیوں نے اپنے گھر والوں کو جا کر بتایا کہ وہ صاعقہ کے پاس رہیں گی کیونکہ وہ اکیلی ہے۔ وہ اُس کے پاس چلی گئیں۔ ... سردیوں کا موسم تھا، وہ کمرے میں سوئیں۔ آدھی رات کے وقت ایک لڑکی بیت الخلاء میں جانے کے لیے باہر نکلی تو صحن سے آگے جو برآمدہ تھا، وہاں اُسے ایک سیاہ سایہ حرکت کرتا نظر آیا اور وہیں کہیں غائب ہو گیا۔ لڑکی ڈری نہیں۔ وہ کمرے میں چلی گئی۔ اپنی سہیلی کو جگایا اور اُسے بتایا۔ دونوں کے پاس خنجر تھے۔ خنجر ہاتھ میں لے کر وہ برآمدے میں گئیں۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ انہیں کچھ بھی نظر نہ آیا۔

وہ صحن میں آئیں۔ انہوں نے صاعقہ کو نہیں جگایا تھا لیکن صاعقہ کی آنکھ کھل گئی۔ دونوں سہیلیوں کو کمرے سے غیر حاضر دیکھ کر وہ باہر چلی گئی۔ سہیلیوں کو پکارا۔ وہ آئیں تو انہوں نے اُسے بتایا کہ برآمدے میں ایک سایہ حرکت کر رہا تھا۔ کسی انسان کا معلوم ہوتا تھا۔

"چلو چل کر سو جاؤ" — صاعقہ نے اُن سے کہا — "تم جب بھی باہر نکلو گی تمہیں ایک سایہ ہلتا جلتا نظر آئے گا۔ آگے جا کر کسی سائے کو خنجر نہ مار دینا۔"

"یہ سائے کیسے ہیں؟" — ایک لڑکی نے پوچھا — "انسان نہیں یہ؟"

"یہ جو کچھ بھی ہیں مجھے ان سے کوئی خطرہ نہیں" — صاعقہ نے کہا — "تم بھی ان سے نہ ڈرو۔"

مگر اب دونوں لڑکیاں ڈرنے لگی تھیں۔ وہ صرف انسانوں سے نہیں ڈرتی تھیں۔ یہ سائے صاعقہ کے کہنے کے مطابق انسانوں کے نہیں تو پھر یہ جن ہی ہو سکتے تھے۔ صاعقہ نے کہا — "یہ میرے والدِ محترم کے عقیدت مندوں کے سائے ہیں۔ انہیں جن ہی سمجھ لو۔ میں ان کے قریب کبھی نہیں گئی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ میری حفاظت کے لیے یہاں گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔"

"محترم خطیب برگزیدہ شخصیت ہیں" — ایک لڑکی نے کہا — "اُن کے عقیدت مند جن بھی ہوں گے۔"

"کچھ ایسی ہی بات ہے" — صاعقہ نے کہا — "اِن سے ڈرنا نہیں، اور ان کے قریب بھی نہ جانا۔"

☆

اُس رات خطیب کوٹھری میں بند تھا۔ اُسے ابھی کچھ علم نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے گا۔ ایک سنتری اس کی کوٹھری کے سامنے سے گزرا۔ خطیب نے اُسے روک کر کہا — "مجھے قرآن کی ضرورت ہے۔ قید خانے میں قرآن تو ضرور ہوگا۔"

"یہاں؟ .... قرآن؟" — سنتری نے طنزیہ لہجے میں کہا — "یہاں قرآن پڑھنے والے نہیں آیا کرتے۔ یہ جہنم ہے۔ یہاں گناہگار آتے ہیں۔ سو جاؤ" — سنتری آگے چلا گیا۔

خطیب حافظِ قرآن نہیں تھا۔ اُسے بہت سی سورتیں اور آیتیں یاد تھیں۔ اُس نے سورۃ الرحمٰن کی تلاوت بلند آواز سے شروع کر دی۔ ایک تو سورۃ الرحمٰن کا اپنا تاثر ہے جو پہاڑوں کا بھی جگر چاک کر ڈالتا ہے، اس کے ساتھ خطیب ابن المخدوم کی سریلی آواز کا سحر انگیز سوز۔ قید خانے کے متعفن ماحول پر جیسے وجد طاری ہو گیا ہو۔ اُس نے یہ سورۃ مبارکہ ختم کی تو اسے محسوس ہوا کہ وہ اکیلا نہیں۔ دروازے کی طرف دیکھا۔ وردی میں جیل کا کوئی عہدیدار کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔

"تم کون ہو؟" — عہدیدار نے خطیب سے پوچھا — "میں چھ سال سے اس قید خانے میں نوکری کر رہا ہوں۔ قرآن کی آواز پہلی بار سنی ہے اور ایسی آواز بھی پہلی بار سنی ہے جو میرے دل میں اُتر گئی ہے۔ میں نے قرآن نہیں پڑھا، حالانکہ یہ میری مادری زبان میں لکھا گیا ہے۔"

"میں موصل کا خطیب ہوں" — خطیب نے جواب دیا۔

"اور آپ کا جرم؟" — عہدیدار نے حیرت سے چونک کر پوچھا۔

"صرف یہ کہ میں قرآن کی زبان میں بات کیا کرتا ہوں" — خطیب نے جواب دیا — "میرا جرم یہ ہے کہ میں نے اپنے بادشاہ کا حکم نہ مانا اور قرآن کے حکم کو مقدم جانا۔"

"پھر پڑھو" — عہدیدار نے التجا کے لہجے میں کہا — "میرے اندر ایک زہر ہے جو قرآن کے الفاظ نے اور آپ کی آواز نے نکالنا شروع کر دیا ہے۔ میں آپ کو حکم نہیں دے رہا۔ التجا ہے۔"

خطیب نے پہلے سے زیادہ وجد آفریں آواز میں سورۃ الرحمٰن پڑھی۔ عہدیدار کوٹھری کی موٹی موٹی سلاخوں کو پکڑے کھڑا رہا اور اُس کے آنسو بہتے رہے۔ خطیب خاموش ہوا تو عہدیدار نے آنکھیں بند کر کے

دھیمی آواز میں سورۃ الرحمٰن کی بعض آیات دہرانی شروع کر دیں۔

"اگر آپ کی آواز میں یہ جادُو ہے تو آپ کے معتقدوں میں جنّات بھی ہوں گے" — عہدیدار نے کہا۔ "میں ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ میں نے سُنا ہے کہ قرآن سے فال نکالی جاتی ہے۔ کوئی سوال پُوچھو تو جنّات قرآن کے لفظوں میں جواب دیتے ہیں"

"لیکن سوال یہ ہے کہ تمہارا سوال کیا ہے؟" — خطیب نے کہا — "قرآن صرف ایمان والوں کو مژدہ سُنایا کرتا ہے"

"اور جس کا ایمان پختہ نہ ہو؟"

"اُس کے سینے میں ایمان کی قندیل روشن کرتا ہے" — خطیب نے کہا — "تمہارا سوال کیا ہے؟"

"میری ایک آرزو ہے" — عہدیدار نے کہا — "میرے سینے میں آگ جل رہی ہے۔ معلوم نہیں یہ ایمان کی قندیل کا شعلہ ہے یا یہ آگ انتقام کی ہے۔ میں اُس فوج میں شامل ہونا چاہتا ہوں جو یروشلم کو فتح کرے گی۔ مجھے انتقام لینا ہے"

"اگر یروشلم کی فتح کو تم ایمان کہو تو وہاں جلدی پہنچو گے" — خطیب نے کہا — "انتقام ذاتی فعل ہے، ایمان اللہ کا حکم ہے..... تم انتقام کیوں کہہ رہے ہو؟ اور یروشلم کیوں کہہ رہے ہو؟ بیت المقدس کہو"

"میں نے کسی قیدی کے ساتھ ایسی باتیں کبھی نہیں کی تھیں" — عہدیدار نے کہا — "آپ خطیب ہیں۔ آپ کے سامنے میں اپنا دل کھول کر رکھنا چاہتا ہُوں۔ میری رُوح کو تسکین کی ضرورت ہے۔ میں بیت المقدس کا رہنے والا ہُوں۔ وہاں صلیبیوں کی حکمرانی ہے۔ مسلمانوں کو وہاں بھیڑ بکریاں اور جانور سمجھا جاتا ہے۔ صلیبی جس مسلمان کو چاہیں قتل کر دیں، جسے چاہیں قید خانے میں ڈال دیں۔ بیگار کا رواج تو عام ہے۔ جس گھر میں لڑکی جوان ہو اُن کا دم تو خشک رہتا ہے۔ وہاں کے مسلمان سلطان ایّوبی کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ سات سال گزرے، ایک روز ایک صلیبی نے مجھے پکڑ لیا اور ساتھ لے گیا۔ اس کا کوئی سامان اُٹھا کر اُس کے گھر تک لے جانا تھا۔ اُس نے مجھے سامان اُٹھانے کو کہا تو میں نے انکار کر دیا۔ اُس نے میرے مُنہ پر تھپڑ مار کر کہا کہ مسلمان ہو کر تم میرا حکم نہ ماننے کی جرأت کر رہے ہو؟ میں نے اُس کے منہ پر گھونسہ مارا۔ وہ گرا تو میں نے اس کے سر کے بال مٹھی میں لے کر اُسے اُٹھایا اور دوسرا گھونسہ مار کر اُسے پھر گرا دیا.....

"اتنے میں مجھے پیچھے سے کسی نے جکڑ لیا۔ پھر صلیبیوں کا ہجوم جمع ہو گیا۔ سپاہی بھی آ گئے اور مجھے بیگار کیمپ میں لے گئے۔ میں نے وہاں تین دن گزارے اور تیسری رات میں نے ایک سنتری کو پیچھے سے دبوچا اور اُسی کے خنجر سے اس کا پیٹ چاک کر کے بھاگ نکلا۔ میں گھر پہنچا تاکہ رات ہی رات سارے کُنبے کو بیت المقدس سے بھگا لے جاؤں ورنہ سب کے پکڑے جانے کا خطرہ تھا، مگر میرا گھر کھنڈر بن چکا تھا۔ اندر گیا تو گھر جلا ہُوا تھا۔ میں نے ایک مسلمان پڑوسی کے دروازے پر دستک دی۔ وہ ڈرتا ڈرتا باہر آیا۔ میں نے پوچھا کہ میرے گھر والے کہاں بھاگ گئے ہیں؟ اُس نے یہ خبر سنا کر میرے پاؤں تلے سے زمین نکال دی کہ گھر کے مردوں کو صلیبی پکڑ کر لے گئے

ہیں اور میری دونوں کنواری بہنوں کو صلیبی فوجی لے گئے تھے۔ پھر انہوں نے گھر کو آگ لگا دی.....

"میرے دل پر جو گزری اُس کا تصوّر آپ کر سکتے ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ مجھے بہنیں واپس نہیں مل سکتیں اور میں یہاں رُکا رہا تو پکڑا جاؤں گا اور صلیبی مجھے قتل کر دیں گے یا قید خانے میں بند کر کے ساری عمر اذیتیں دیتے رہیں گے۔ میں کسی مسلمان کے گھر چُھپنے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ پورا گھرانہ مارا جاتا۔ میں رات کو ہی بیت المقدس سے نکل آیا۔ خون کھول رہا تھا مگر میں بے بس تھا۔ میں نے اس طرف کا رُخ کر لیا۔ صبح طلوع ہوئی تو میں نے ایک صلیبی کو دیکھا جو گھوڑے پر سوار میرے راستے پر سامنے سے آ رہا تھا۔ وہ سپاہی نہیں تھا۔ میں نے اُسے روک لیا اور اُسے باتوں میں اُلجھا کر گھوڑے سے اُتار لیا۔ اُس کا ایک پاؤں رکاب میں دوسرا زمین پر تھا کہ میں نے پیچھے سے اُس کی گردن اپنے بازو کے گھیرے میں لے لی۔ اس کے کمربند کے ساتھ چھوٹی تلوار تھی۔ وہ کھینچ لی اور اُسے قتل کر دیا۔ اُس کے گھوڑے پر سوار ہو کر میں نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی.....

"یہ دوسرا صلیبی تھا جسے میں نے قتل کیا۔ اس سے پہلے میں ایک سنتری کو قتل کر آیا تھا لیکن میرے دل کو اطمینان نہ ہُوا۔ میں تمام صلیبیوں کو قتل کرنے کے لیے پاگل ہُوا جا رہا تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے کتنے دن اور کتنی راتیں سفر کیا اور کہاں کہاں مارا مارا پھرتا رہا۔ مجھے بھوک محسوس نہ ہوئی، پیاس کا احساس تک نہ رہا۔ بہنیں یاد آتی تھیں اور میں گھوڑا روک کر صلیبی سے چھینی ہوئی تلوار ہاتھ میں لے کر بیت المقدس کی طرف دیکھنے لگتا تھا۔ جسم کانپنے لگ جاتا تھا۔ میں نے کئی بار خدا کو پکارا اور خدا سے پوچھا کہ اُس نے مجھے کون سے گناہ کی سزا دی ہے۔ اگر میں گناہ گار تھا تو سزا مجھے ملنی چاہیے تھی، میری بہنیں اور میرا کمسن چھوٹا بھائی بے گناہ تھے۔ مجھے خدا نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے سجدے میں گر کر خدا کو پکارا اور مایوس ہُوا۔ میں نے خدا سے یہ التجا بھی کی کہ مجھے سکون مل جائے یا میرے اندر انتقام کی آگ بُجھ جائے۔ میرا احساس مُردہ ہو جائے.....

"میں مُوصل کے ایک گاؤں میں پہنچ گیا جہاں یہ خطرہ نہیں تھا کہ صلیبی مجھے پکڑ لیں گے لیکن میرے دل کو کسی بے رحم کے ہاتھوں نے ایسا جکڑ رکھا تھا کہ میں ہر لمحہ بے قرار اور بے چین رہتا تھا۔ میں مسجد میں چلا گیا۔ امام سے کہا کہ وہ مجھے دکھا دے کہ خدا کہاں ملے گا، میری روح کو سکون کہاں ملے گا۔ اُس نے میری کوئی مدد نہ کی۔ میں وہاں سے ایک اور گاؤں چلا گیا۔ پھر وہاں سے بھی چلا گیا۔ اس کے بعد یہی یاد آتا ہے کہ میں مسجدوں میں خدا کو ڈھونڈتا پھرتا رہا۔ اماموں سے روحانی سکون مانگتا رہا مگر کسی نے میری دستگیری نہ کی۔ مجھے کسی نے خدا کا اتا پتہ نہ بتایا۔ کسی نے کوئی طریقہ نہ بتایا جس سے میں خدا سے ہمکلام ہو سکوں اور اُس سے روحانی سکون مانگ سکوں۔ راتوں کو اکثر بہنوں کو خواب میں دیکھتا تھا۔ وہ روتی نظر آتی تھیں۔ مجھے اُن کی سسکیاں اور ہچکیاں اُس وقت بھی سنائی دیتی تھیں جب جاگ اُٹھتا تھا۔ روز بروز میرے اندر یہ احساس پیدا ہوتا گیا کہ میری بہنیں مجھ پر لعنت بھیج رہی ہیں.....

"کسی نے بتایا کہ صلیبیوں سے انتقام لینا ہے تو فوج میں بھرتی ہو جاؤ۔ سلطان نورالدین زنگی فلسطین کو آزاد کرانے کے لیے لڑ رہا ہے۔ یہ تو مجھے معلوم تھا کہ مسلمانوں اور صلیبیوں کی لڑائیاں ہو رہی ہیں۔ ہمیں بیت المقدس

میں معلوم ہو جاتا تھا کہ کون سی جنگ میں کسے شکست ہوئی ہے۔ بیت المقدس میں صلیبی جب وہاں کے مسلمان باشندوں پر ظلم و ستم اچانک زیادہ کر دیتے تھے تو ہم سمجھ جاتے تھے کہ کسی میدان میں انہیں شکست ہوئی ہے جس کا انتقام وہ یہاں کے نہتے اور بے بس مسلمانوں سے لے رہے ہیں۔ پھر ہمیں وہاں صلاح الدین ایوبی کا نام سنائی دینے لگا۔ یہ نام اتنا مشہور ہوا کہ وہاں کے صلیبی باشندے اس نام سے ڈرتے تھے اور اُس سے نفرت کرتے تھے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ صلاح الدین ایوبی طوفان کی طرح آ رہا ہے مگر وہ نہ آیا۔ اس کی بجائے میں یہاں سینے میں ایک گہرا زخم لے کر آ گیا۔ میں فوج میں بھرتی ہو گیا لیکن محاذ پر بھیجنے کی بجائے مجھے اس قید خانے میں بھیج دیا گیا، یہاں مجھے ترقی بھی مل گئی.....

"یہاں میں نے انسانوں پر ظلم ہوتے دیکھا اس سے میں کانپ اٹھتا تھا۔ یہاں انسانوں کی ہڈیاں توڑی جاتی ہیں۔ بیت المقدس میں صلیبی مسلمانوں کا یہی حشر کرتے تھے، یہاں مسلمانوں کو مسلمانوں پر وہی ظلم کرتے دیکھا۔ مجھے بتایا گیا کہ یہاں بے گناہوں کو بھی لایا اور اذیت میں ڈالا جاتا ہے۔ اُن کا گناہ وہی ہے جو آپ نے کیا ہے۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ آپ کو یہاں لا کر کیوں بند کیا گیا ہے۔ یہ کام مجھے بھی کرنا پڑا۔ میں نے بھی انسانوں کو ایسی اذیتیں دیں جو آپ کو سناؤں تو آپ بے ہوش ہو جائیں۔ میرے ساتھی پوری طرح وحشی درندے بن گئے ہیں۔ ان میں انسانیت صرف اتنی سی رہ گئی ہے کہ وہ انسانوں کی طرح چلتے پھرتے اور باتیں کرتے ہیں۔ میں ان سے اس لحاظ سے مختلف ہوں کہ میں چوری چھپے قیدیوں کے ساتھ ہمدردی کی دو چار باتیں کر لیتا ہوں۔ ان سے پوچھتا ہوں کہ اُن کا جرم کیا ہے، مگر ہمدردی کے اس جذبے نے میری روح سے بوجھ اُتارنے کی بجائے نہ جانے کیسا بوجھ ڈال دیا ہے۔ مجھے سکون نہیں ملتا۔ مجھے خدا نظر نہیں آتا، میری آنکھوں کے سامنے سے میری بہنیں ہٹتی نہیں۔ میں پھر بھی محسوس کرتا ہوں کہ جب تک صلیبیوں سے انتقام نہیں لوں گا میں اسی طرح بے چین رہوں گا.....

"آج آپ کی آواز میں قرآن کے یہ الفاظ سنے، گناہگار اپنے چہروں ہی سے پہچان لیے جائیں گے، پھر وہ بالوں اور پاؤں سے پکڑ لیے جائیں گے..... تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔ یہی وہ جہنم ہے جسے گناہگار لوگ جھٹلاتے تھے۔ وہ دوزخ اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان گھومتے پھریں گے۔ تو معلوم نہیں میرے دل میں کیا ہلچل بپا ہو گئی ہے۔ مجھے ایسے محسوس ہونے لگا ہے جیسے وہ راز انہی لفظوں میں ہے جو ڈھونڈتا پھر رہا ہوں۔" اُس نے سلاخوں میں سے ہاتھ اندر کر کے خطیب ابن المخدوم کا چغہ پکڑ لیا، اور بے تاب ہو کر بولا۔ "مجھے بتاؤ یہ راز کیا ہے۔ کیا میرے دماغ پر خون سوار ہے؟ اگر ایسا ہے تو میں انتقام کس طرح لوں گا؟ میں پاگل تو نہیں ہو جاؤں گا؟ اگر خدا ہے تو اُس سے پوچھ کر مجھے بتاؤ کہ میرے سوالوں کا جواب کیا ہے؟"

"تمہارے دماغ پر خون سوار ہے۔" خطیب نے کہا۔ "تم نے خدا کی آواز سُن لی ہے۔ میری آواز میں خدا بول رہا تھا۔ تم انتقام لینے کو بے تاب ہو لیکن یہاں تم اسی طرح بے حال اور بے چین رہو گے۔ تم جس فوج کے ملازم

ہو وہ کبھی بیت المقدس نہیں جائے گی۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ یہ فوج پہلے سلطان ایوبی کو شکست دے گی۔" خطیب نے جواب دیا۔ "پھر سلطان ایوبی کو قتل کیا جائے گا اور پھر صلیبیوں کے ساتھ دوستی کی جائے گی۔"

عہدیدار کی آنکھیں کھلتی گئیں۔ خطیب اُسے بتاتا رہا کہ مسلمان حکمران کیا کر رہے ہیں۔ عہدیدار نے کہا۔ "میں کچھ عرصے سے اس قسم کی باتیں سُن رہا تھا لیکن یقین نہیں آتا تھا۔ میں تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھا کہ ہمارے حکمران قوم کی اُن بیٹیوں کو بھول جائیں گے جو صلیبیوں کی بربریت کا نشانہ بنی ہیں اور جنہیں انہوں نے اغوا کر کے نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔"

"وہ بھول چکے ہیں۔" خطیب نے کہا۔ "وہ اس حد تک بھول چکے ہیں کہ اغوا کی ہوئی مسلمان لڑکیاں انہیں تحفوں کے طور پر پیش کی جاتی ہیں اور یہ انہیں اپنے حرموں کی زینت بناتے ہیں۔ اس لیے سلطان صلاح الدین ایوبی کے دشمن بن گئے ہیں کیونکہ وہ قرآن کے احکام کا پابند ہے اور قوم کی عصمت کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ اُسے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ اُس کا کوئی گھر ہے یا نہیں۔ اُس کی عمر صحراؤں اور پہاڑوں میں گزر رہی ہے۔ میرا بھی جرم یہی ہے کہ میں نے والیٔ موصل کو قرآن کے احکام یاد دلا دیئے تھے اور اُسے کہا تھا کہ ایک مردِ مجاہد کے خلاف لڑو گے تو شکست کھاؤ گے۔ قرآن کے جن مقدس الفاظ نے ابھی ابھی تم پر جادو کیا ہے، میں نے یہی الفاظ موصل کے بادشاہ سیف الدین کو یاد دلائے تھے۔ میں نے اُسے کہا تھا کہ تم جیسے گناہگار چہروں سے پہچانے جائیں گے اور بالوں اور پاؤں سے پکڑ لیے جائیں گے۔ میں نے اُسے قرآن کا یہ حکم بھی سنایا تھا کہ تم دماغ سے بادشاہی کا نشہ نہیں اتارو گے تو دوزخ اور کھولتے ہوئے گرم پانی میں گھومو پھرو گے۔ مگر اُس نے خدا کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور اپنے نفس کا حکم مانا۔ اُس نے مجھے قید خانے میں بند کرا دیا۔"

"آپ کو یہاں بہت تکلیف ہو گی۔" عہدیدار نے کہا۔ "میں جو خدمت کر سکا کروں گا۔"

"یہ دنیاوی اور جسمانی اذیتیں مجھے کوئی تکلیف نہیں دے سکتیں۔" خطیب نے کہا۔ "تم نے میری آواز میں جو سوز اور تاثر محسوس کیا ہے وہ میری روح کی آواز تھی۔ دنیا کے اس جہنم میں میں مطمئن ہوں۔ میری آواز اللہ کی آواز ہے۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں۔ ہاں، ایک غم ہے جو مجھے پریشان کرتا ہے۔ میری بیٹی جوان ہے اور یہ میری واحد اولاد ہے۔ میری بیوی مدت ہوئی مر گئی تھی۔ میں نے اس بچی کی خاطر دوسری شادی نہیں کی۔ ہم ایک دوسرے کی خاطر زندہ ہیں۔ وہ گھر میں اکیلی ہے۔"

"میں اُس کی حفاظت کروں گا۔" عہدیدار نے کہا۔

"سب کی حفاظت کرنے والا خدا ہے۔" خطیب نے کہا۔ "میں تمہیں اپنے گھر کا پتہ بتا دیتا ہوں۔ میری بیٹی عائشہ سے کہہ دینا کہ ثابت قدم رہے اور میرے متعلق کوئی فکر نہ کرے۔ اگر یہاں قرآن پڑھنے کی اجازت ہو تو میری بیٹی سے میرا قرآن لے آنا۔"

عہدیدار علی الصبح خطیب کے گھر چلا گیا اور اُس کی بیٹی کو تسلی دی کہ اپنے باپ کے متعلق وہ پریشان نہ ہو۔ اُس نے صاعقہ کو بتایا کہ وہ اُس کے باپ سے بہت متاثر ہُوا ہے۔ اُس کی جو مدد وہ کر سکتا ہے کرے گا لیکن اُوپر کے حکم کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کر سکتا کیونکہ قید خانے کا ادنیٰ ملازم ہے۔ اُس نے لڑکی سے کہا کہ محترم خطیب کا قرآن دے دے۔ لڑکی نے قرآن دینے سے پہلے عہدیدار کے ساتھ بہت سی باتیں کر کے یقین کر لیا کہ وہ تہہ دل سے اور جذبے کے تحت اُس کے باپ کی مدد کرنا چاہتا ہے۔ وہ جذباتی لگتا تھا۔ اُس نے جب یہ کہا کہ وہ اُس کی خاطر اور اُس کے باپ کی خاطر جان پر بھی کھیل جائے گا تو صاعقہ نے اُسے کہا۔ "آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا ہے کہ میرے والد کس جُرم میں قید کیا گیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ سیف الدین انہیں اذیت خانے میں ڈال دے گا تاکہ اُن کے دل سے صلاح الدین ایوبی کی حمایت نکل جائے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہو سکتا کہ آپ انہیں قید خانے سے فرار ہونے میں مدد دیں؟ ہم دونوں مُوصل سے غائب ہو جائیں گے۔"

عہدیدار مسکرایا اور بولا۔ "جو اللہ کو منظور ہو گا۔ میں نے تمہارے والد کی آواز میں اللہ کی آواز سنی ہے اور اُن کی آنکھوں میں ایمان کا نُور دیکھا ہے۔ اللہ کی آواز اور ایمان کے نُور کو کوئی انسان قید خانے میں محبوس نہیں کر سکتا۔ ہو سکتا ہے اس آواز اور اس نُور کو آزاد کرانے کا نیک کام خدا نے میری قسمت میں لکھ دیا ہو اور اُس کے عوض میرے سینے کی آگ سرد ہو جائے۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتا کہ میں کیا کروں گا کیونکہ تم عورت ذات ہو اور نوجوان ہو۔ شاید راز کو راز نہ رکھ سکو۔"

"میں والدِ محترم کے لیے قرآن لے آتی ہوں۔" وہ اندر چلی گئی اور بہت دیر بعد باہر آئی۔ اُس کے ہاتھ میں قرآن تھا جو عہدیدار کو دے کر اُس نے کہا۔ "میں والیٔ موصل کے پاس جا رہی ہوں کہ وہ مجھے باپ سے ملنے کی اجازت دے دے۔"

"ہاں!" عہدیدار نے کہا۔ "ملاقات کا یہی طریقہ ہے۔"۔۔۔ اور وہ قرآن لے کر چلا گیا۔

☆

صاعقہ تیار ہو کر سیف الدین کے دربار میں چلی گئی۔ اُسے باہر روک دیا گیا۔ سیف الدین، صلاح الدین ایوبی نہیں تھا کہ ہر کسی کو ملنے کی کھُلی اجازت تھی۔ سیف الدین تو بادشاہ تھا اور اُس کے طور طریقے شاہانہ تھے۔ اُسے شراب بھی پینی ہوتی تھی، حرم کے لیے بھی وقت نکالنا ہوتا تھا۔ رقص کی محفلیں بھی منعقد کرنی ہوتی تھیں اور جو وقت بچتا تھا وہ اپنی بادشاہی کو سلطان ایوبی سے بچانے کے منصوبے بناتے صرف ہوتا تھا۔ اُسے اپنی رعایا کا کوئی علم نہ تھا۔ حکومت کے نشے رعایا کو استعمال کیا کرتے ہیں، اُن کے نیک و بد کی انہیں کوئی پروا نہیں ہوتی۔ وہ رعایا کے پیٹ میں صرف اتنا سا اناج جانے دیتے ہیں جس سے رعایا صرف زندہ رہے اور اُن کے آگے سجدہ ریز رہے۔

صاعقہ اُسی رعایا کی ایک لڑکی تھی۔ دربان نے اُس سے پوچھا کہ وہ کون ہے تو اُس نے بتایا کہ وہ مُوصل کے خطیب ابن المخدوم ککبوری کی بیٹی ہے۔ دوسروں کی طرح دربان کو بھی یہی معلوم تھا کہ خطیب اچانک پاگل ہو گیا ہے اور اُسے قید خانے میں ڈال دیا گیا ہے۔ خطیب کا احترام ہر کسی کے دل میں تھا اور اُس کے پاگل ہو جانے کی وجہ

سے سب کے دلوں میں ہمدردی بھی پیدا ہو گئی تھی۔ دربان نے کسی سے کہہ کر سیف الدین سے اجازت لے لی کہ صائقہ کو اُس کے پاس بھیجا جائے۔

صائقہ جب سیف الدین کے سامنے گئی تو وہ اس لڑکی کی خوبصورتی دیکھ کر چونک اٹھا۔ وہ لڑکیوں کا شکاری تھا۔ اُس نے صائقہ کو دلچسپی سے اپنے پاس بٹھا لیا۔ وہ سمجھ گیا ہو گا کہ لڑکی اپنے باپ کی رہائی کی درخواست لے کر آئی ہے۔

"سنو لڑکی!" اُس نے صائقہ کی بات سُنے بغیر کہا۔ "میں جانتا ہوں تم کیوں آئی ہو لیکن میں نے بہت مجبور ہو کر تمہارے باپ کو قید میں ڈالا ہے۔ اگر اُسے ایک دو دنوں بعد ہی رہا کرنا ہوتا تو میں اُسے گرفتار ہی نہ کرتا۔ میں اُسے رہا نہیں کر سکوں گا۔"

"اُن کا جُرم کیا ہے؟" صائقہ نے پوچھا۔

"غداری۔" سیف الدین نے جواب دیا۔

"کیا انہوں نے آپ کے خلاف صلیبیوں کے حق میں غداری کی ہے؟"

"ریاست کا دشمن صلیبی ہو یا مسلمان۔" سیف الدین نے جواب دیا۔ "اُس کے ساتھ مل کر ریاست کو نقصان پہنچانا جُرم ہے۔ کیا تمہارا باپ صلاح الدین ایوبی کا حامی نہیں تھا؟"

"مجھے کچھ علم نہیں۔" صائقہ نے جواب دیا۔ "میرا خیال یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کا حامی ہونا جُرم نہیں۔"

"یہی بات تمہارا باپ بھی نہیں سمجھ سکتا۔" سیف الدین نے کہا۔ "میں حیران ہوں کہ بہت سے لوگ صلاح الدین ایوبی کو فرشتہ سمجھتے ہیں۔ وہ عورت کے معاملے میں درندہ ہے۔ دمشق اور قاہرہ میں اُس نے اپنا حرم تم جیسی سینکڑوں لڑکیوں سے بھر رکھا ہے۔ ہر لڑکی تین چار مہینوں بعد اپنے سالاروں کے حوالے کر دیتا ہے۔ اُس کی فوج جہاں حملہ کرتی ہے وہاں نہ مسلمان گھرانہ دیکھتی ہے نہ غیر مسلم۔ ہر گھر کو لوٹتی اور ہر لڑکی کو اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ تم جیسی حسین لڑکی اُس سے کبھی محفوظ نہیں رہ سکتی۔ یہ میرا فرض ہے کہ تمہاری عزت کی حفاظت کروں، خواہ مجھے تمہیں اپنے گھر میں رکھنا پڑے۔"

"میری حفاظت خدا کرے گا۔" صائقہ نے کہا۔ "میں صرف یہ التجا کرنے آئی ہوں کہ مجھے تھوڑی سی دیر کے لیے اپنے باپ سے ملنے کی اجازت دی جائے۔"

"جب تک قاضی اُسے سزا نہیں سُنا دیتا اجازت نہیں دی جا سکتی۔"

"وہ سزا کیا ہو گی؟" لڑکی نے پوچھا۔

"موت۔"

صائقہ کے آنسو بہنے لگے۔ اُس نے لڑکی کو اور زیادہ خوفزدہ کرنے کے لیے کہا۔ "لیکن یہ موت اتنی آسان نہیں ہو گی کہ تلوار سے سر تن سے جُدا کر دیا جائے گا۔ اُسے آہستہ آہستہ اذیتیں دے دے کر مارا جائے گا۔ پہلے اُس کی آنکھیں نکالی جائیں گی، پھر اُس کا ایک ایک دانت زنبور سے کھینچ کر نکالا جائے گا، پھر اُس کے ہاتھوں اور

پاؤں کی انگلیاں کاٹی جائیں گی اور پھر وہ زندہ ہی ہوگا تو اُس کی کھال اُتاری جائے گی۔"

لڑکی کا جسم بڑی زور سے کانپا۔ اُس نے ہونٹ دانتوں میں دبا لیے اور اُس کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ اُس نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "کیا آپ اُن پر یہ رحم نہیں کر سکتے کہ اُن کا سر تلوار سے کاٹ دیا جائے؟ اگر انہیں سزائے موت ہی دینی ہے تو ایک ہی لمحے میں انہیں کیوں نہیں ختم کر دیتے؟"

"اگر تمہیں اپنی قیامت خیز جوانی پر رحم آ جائے تو میں تمہارے باپ پر رحم کر سکتا ہوں۔"

صائقہ نے اُسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تو سیف الدین نے کہا۔ "باپ کے مر جانے کے بعد تم ایک عام سی اور غریب سی لڑکی بن کے رہ جاؤ گی۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تم میرے عقد میں آ جاؤ جس سے تمہارے باپ کو بھی فائدہ پہنچے گا اور تمہاری حیثیت موصل کی ملکہ کی ہو جائے گی؟"

"اگر میرے باپ نے مجھے خودداری کی تعلیم نہ دی ہوتی تو ملکہ بننا تو بہت بڑی بات ہے، میں آپ کے ساتھ ایک رات گزارنے پر بھی فخر محسوس کرتی۔" صائقہ نے کہا۔ "میرا باپ میری عصمت کی حفاظت میں اپنی کھال ہنستے کھیلتے اُتروا لے گا۔ یہ سودا میرے باپ کے ساتھ کریں۔ اُس سے پوچھیں کہ تم جلاد کے پاس جانا چاہتے ہو یا اپنی بیٹی کو میرے پاس بھیجنا چاہتے ہو۔ میرا باپ یقیناً یہ کہے گا ــــ مجھے جلاد کے حوالے کر دو ــــ میں صرف یہ درخواست لے کے آئی تھی کہ تھوڑی سی دیر کے لیے مجھے اپنے باپ سے ملنے دیا جائے۔ اب میں اپنی درخواست میں یہ اضافہ کرتی ہوں کہ اس کے لیے میں کوئی سودا قبول نہیں کروں گی۔"

"کیا تمہارا یہ فیصلہ ہے کہ میرے پاس نہیں آؤ گی؟" سیف الدین نے پوچھا۔

"اٹل فیصلہ۔" صائقہ نے جواب دیا۔ "آپ مُوصل کے مالک ہیں۔ مجھے زبردستی اپنے حرم میں داخل کر لیں۔"

"میں نے ایسا جرم کبھی نہیں کیا۔" سیف الدین نے کہا۔

صائقہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُسے دراصل ملاقات کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ تو یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ اُس کے باپ کے ساتھ قید خانے میں کیا سلوک ہو رہا ہے۔ وہ اُسے قید خانے کے ایک عہدیدار سے معلوم ہو گیا تھا اور اُسے یہ امید بھی تھی کہ یہ عہدیدار اُس کے باپ کو فرار میں مدد دے گا۔ اُس نے سیف الدین کو سلام کیا اور چل پڑی۔

سیف الدین نے اُسے جاتے دیکھا تو بولا۔ "ٹھہرو، یہ نہ کہنا کہ والیٔ موصل نے ایک لڑکی کی تمنا پوری نہیں کی تھی۔ تم آج رات اپنے باپ سے ملاقات کرنے کے لیے جا سکتی ہو۔ ایک آدمی تمہارے گھر آئے گا۔ وہ تمہیں اپنے ساتھ قید خانے میں لے جائے گا۔ تم جتنی دیر چاہو اپنے باپ سے باتیں کر سکتی ہو۔"

صائقہ شکریہ ادا کر کے چلی گئی۔ سیف الدین کے پیچھے ایک باڈی گارڈ کھڑا تھا۔ صائقہ چلی گئی تو سیف الدین نے اپنے باڈی گارڈ سے کہا۔ "اتنا خوبصورت پرندہ پنجرے میں آنا چاہیے۔ میں نے اسے خوفزدہ کرنے کے لیے کہا تھا کہ اُس کے باپ کو کس طرح اذیتیں دے کر مارا جائے گا مگر لڑکی دل گُردے کی پکی معلوم ہوتی ہے۔ جانتے ہو میں نے اُسے کیوں کہا ہے کہ ایک آدمی تمہارے گھر آئے گا، وہ تمہیں قید خانے میں باپ سے ملاقات کرانے لے جائے گا؟"

"کیا میں ابھی تک آپ کے اشارے سمجھنے کے قابل نہیں ہوا؟" باڈی گارڈ نے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ "وہ آدمی میں ہی ہوں گا جو اسے شام کے بعد گھر سے قید خانے لے جانے کے بہانے لے جاؤں گا۔"

"اور تم جانتے ہو کہ اسے کہاں لے جانا ہے؟" سیف الدین نے پوچھا۔ "اسے یہ شک نہیں ہونا چاہیے کہ میں نے اسے اغوا کرایا ہے۔"

"سب جانتا ہوں۔" باڈی گارڈ نے کہا۔ "یہ کام پہلی بار تو نہیں کر رہا۔ میں اسے جن بھول بھلیوں سے گزار کر اور اس کی جو حالت کر کے آپ کے پاس پہنچاؤں گا اس سے وہ یہ سمجھے گی کہ دنیا میں آپ واحد انسان ہیں جو اس کے مونس و غمخوار ہیں۔ آگے آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کے پرندے کو پنجرے میں کس طرح بند کرتے ہیں۔"

سیف الدین نے اپنے باڈی گارڈ کے کان میں کچھ کہا۔ باڈی گارڈ کی آنکھوں میں شیطان مسکرانے لگا۔

☆

قید خانے کا جو عہدیدار صائقہ کے پاس آیا اور اُسے تسلی دے کر اور قرآن لے کر چلا گیا تھا رات کی ڈیوٹی پر تھا۔ شام کے بعد وہ قید خانے میں داخل ہوا۔ دن کی ڈیوٹی والے کو رخصت کیا اور خطیب ابن المخدوم کی کوٹھڑی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر اُس نے قرآن خطیب کو دے دیا اور کہا۔ "اپنی بیٹی کے متعلق آپ کوئی غم نہ کریں۔ وہ ہر لحاظ سے مطمئن ہے، محفوظ ہے اور خیریت سے ہے۔ اُس نے مجھے ایک بات کہی ہے۔ دُعا کریں اللہ مجھے بچی کی تمنا پوری کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔"

"وہ بات کیا ہے؟" خطیب نے پوچھا۔

عہدیدار نے اِدھر اُدھر دیکھا اور منہ سلاخوں کے ساتھ لگا کر کہا۔ "فرار ..... آپ میں اتنی ہمت ہے؟ ..... میں مدد کروں گا۔"

"جس کام میں اللہ کی خوشنودی شامل ہو اُس کے لیے اللہ ہمت بھی دے دیتا ہے۔" خطیب نے کہا۔ "لیکن میں تمہاری مدد سے فرار نہیں ہوں گا۔ اس کی بجائے یہاں مر جانا پسند کروں گا۔"

"کیوں؟" عہدیدار نے حیران ہو کر پوچھا۔ "کیا آپ مجھے گناہگار سمجھ کر میری مدد قبول نہیں کرنا چاہتے؟"

"نہیں۔" خطیب نے جواب دیا۔ "میں تمہاری مدد اس لیے قبول نہیں کرنا چاہتا کہ تم گناہگار نہیں ہو۔ میں تو تمہاری مدد سے یہاں سے نکل جاؤں گا، تم پیچھے رہ جاؤ گے اور پکڑے جاؤ گے۔ میرے جُرم کی اور تمہاری نیکی کی سزا تمہیں ملے گی جو بہت ہی بھیانک ہوگی۔"

"میں بھی آپ کے ساتھ ہی جاؤں گا۔" عہدیدار نے کہا۔ "آپ کی کل رات کی باتوں نے یہاں سے میرا دل اُچاٹ کر دیا ہے۔ میں صلاح الدین ایوبی کی فوج میں جا رہا ہوں۔ میں چونکہ قیدی نہیں اس لیے آسانی سے فرار ہو سکتا ہوں لیکن اب آپ کو ساتھ لے کے جاؤں گا۔ میرا اس دُنیا میں کوئی بھی نہیں۔ دل میں وہی آگ ہے جو گزشتہ رات آپ کو دکھائی تھی۔ اِس آگ کو سرد کرنا ہے۔"

"ہاں" خطیب نے کہا۔ "میں اس صورت میں تمہاری مدد قبول کر سکتا ہوں۔"

"آپ کی بیٹی نے مجھے بتایا تھا کہ وہ والئ موصل کے پاس جا رہی ہے" عہدیدار نے کہا۔ "وہ آپ سے ملاقات کی اجازت مانگے گی۔"

"نہیں" خطیب نے گھبرا کر کہا۔ "اُسے سیف الدین جیسے شیطان فطرت انسان کے پاس نہیں جانا چاہیے۔ تم اُسے کہو کہ وہاں نہ جائے۔"

"میں تو صبح جا سکوں گا" عہدیدار نے کہا۔

عہدیدار کوٹھڑی سے ہٹ کر چلا گیا۔ خطیب نے قرآن کو چُوما پھر سینے سے لگا کر اپنے آپ سے کہا۔ "اب میں اس کال کوٹھڑی میں تنہا نہیں ہوں۔" اُس نے غلاف اُتارا اور دیئے کی روشنی میں بیٹھ کر قرآن کھولا۔ ورق اُلٹے اُلٹے قرآن میں سے ایک کاغذ نکلا۔ اُس کی بیٹی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ "خدا ساتھ ہے۔ جنّات موجود ہیں۔ پیغمبر برحق ہے۔ پیغمبر کا فرمان سُنیں۔ ایمان تر و تازہ ہے۔" خطیب کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اُس نے کاغذ کا یہ ٹکڑا دیئے کی لَو پر رکھا اور جلا ڈالا۔ وہ پیغام سمجھ گیا تھا۔ پیغمبر سے اُس کی مراد قید خانے کا یہ عہدیدار تھا۔ وہ کہنا یہ چاہتی تھی کہ یہ آدمی سچا معلوم ہوتا ہے۔ اس کی بات (فرار) پر عمل کریں۔ "جنّات موجود ہیں" سے مراد یہ تھی کہ صائقہ کی حفاظت کے لیے آدمی موجود ہیں۔

جس وقت خطیب یہ پیغام جلا رہا تھا، اُس وقت اُس کے گھر کا دروازے پر دستک ہوئی۔ صائقہ نے دروازہ کھولا۔ اُس کے ہاتھ میں قندیل تھی۔ باہر جو آدمی کھڑا تھا اُسے اس نے پہچان لیا۔ وہ سیف الدین کا باڈی گارڈ تھا جو صائقہ کی ملاقات کے وقت وہاں موجود تھا۔ اُس نے صائقہ سے کہا کہ وہ اُسے باپ کی ملاقات کے لیے قید خانے لے جانے آیا ہے اور وہ اُسے گھر واپس بھی لائے گا۔

صائقہ تیار تھی۔ چلنے لگے تو باڈی گارڈ نے صاعقہ سے کہا۔ "باپ کے ساتھ صرف خیر خیریت اور گھر کی باتیں کرنے کی اجازت ہوگی۔ کوٹھڑی کی سلاخوں سے تمہیں تین قدم دُور کھڑا کیا جائے گا۔ کوئی ایسی بات نہ کرنا جو والئ موصل غازی سیف الدین کے وقار کے خلاف ہو۔"

☆

باڈی گارڈ آگے آگے جا رہا تھا۔ صاعقہ اُس سے دو تین قدم پیچھے تھی۔ دونوں خاموشی سے چلے جا رہے تھے۔ رات تاریک تھی۔ وہ اندھیری گلیوں میں سے گزرتے جا رہے تھے۔ وہ ایک گلی کا موڑ مُڑے تو باڈی گارڈ رُک گیا۔ اُس نے پیچھے دیکھا۔ صاعقہ نے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

"تم نے اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی آہٹ نہیں سُنی تھی؟" باڈی گارڈ نے اُس سے پوچھا۔

"نہیں" صاعقہ نے کہا۔ "میں ہی تمہارے پیچھے پیچھے آ رہی ہوں۔"

"میں نے کوئی اور آواز سُنی تھی" باڈی گارڈ نے زیرِ لب کہا اور آگے چل پڑا۔

"اتنا ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟" صاعقہ نے پوچھا۔ "کوئی اگر پیچھے سے آتا ہے تو آتا رہے۔"

باڈی گارڈ نے کوئی جواب نہ دیا۔ یہ گلی ختم ہوگئی۔ اس سے آگے کوئی آبادی نہیں تھی۔ زمین اونچی نیچی تھی۔ کھنڈر سے بھی تھے۔ قید خانہ اُسی طرف آبادی سے کچھ دُور تھا۔ دونوں کھنڈروں سے بچتے جا رہے تھے۔ وہاں جھاڑیاں اور درخت تھے۔ باڈی گارڈ ایک بار پھر رُک گیا اور پیچھے کو دیکھا۔ اُسے پیچھے آہٹ سنائی دی تھی۔ اُس نے تلوار نکال لی اور پیچھے کو گیا۔ دو تین جھاڑیوں کے ارد گرد گھوم کر دیکھا۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

"اب تو تم نے پیچھے کسی کے پاؤں کی آواز سُنی ہوگی" باڈی گارڈ نے صاعقہ سے کہا۔ "یہ آواز بڑی صاف تھی۔" صاعقہ نے یہ آہٹ سُنی تھی لیکن اُس نے جھوٹ بولا۔ کہنے لگی۔ "تمہارے کان بجتے ہیں۔ اگر یہ کسی کی آہٹ تھی ہی تو خرگوش یا کسی ایسے ہی جنگلی جانور کی ہوگی۔ تم ان آہٹوں سے کیوں ڈرتے ہو؟"

"میں تمہیں جو بات کہنے سے جھجکتا تھا وہ اب کہہ دیتا ہوں" باڈی گارڈ نے جواب دیا۔ "تم بہت ہی خوبصورت اور جوان لڑکی ہو۔ تمہیں اپنی قیمت کا اندازہ نہیں۔ تمہیں کسی نے اغوا کر کے کسی امیر یا حاکم کے پاس بیچ ڈالا تو وہ مالا مال ہو جائے گا۔ تم میری ذمہ داری میں ہو۔ کسی نے تمہیں مجھ سے چھین لیا تو والئ موصل میرا سر تن سے جدا کر دے گا۔ تم میرے ساتھ چلو۔ میرے پیچھے نہ رہو۔"

صاعقہ اُس کے ساتھ ہوگئی۔ کچھ آگے جا کر پگڈنڈی شروع ہوتی تھی۔ وہ وہاں تک چلے گئے اور پگڈنڈی پر چلنے لگے۔ تھوڑا آگے اس پگڈنڈی سے ایک اور راستہ نکلتا تھا جو کسی اور طرف جاتا تھا۔ باڈی گارڈ صاعقہ کو اس راستے پر لے گیا۔ چند ہی قدم آگے گئے ہوں گے کہ انہیں کسی کے دوڑتے قدموں کی صاف آواز سنائی دی جو فوراً ہی خاموش ہوگئی۔ کوئی پیچھے سے دوڑتا آیا اور دائیں کو چلا گیا۔ باڈی گارڈ نے ایک سایہ ایک درخت کے پیچھے غائب ہوتا دیکھ لیا تھا۔ وہ تلوار سونت کر اُس درخت کی طرف دوڑا۔ پیچھے اُسے صاعقہ کی گھٹی ہوئی چیخ سُنائی دی۔ کسی نے صاعقہ کے اُوپر بوری کی طرح کا تھیلا ڈال دیا اور اس سے پہلے اُس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا تھا۔ باڈی گارڈ کو اندھیرے میں اتنا ہی نظر آیا کہ جہاں صائقہ اکیلی تھی وہاں دو سائے اُچھل کود رہے ہیں۔

وہ اُس کی طرف دوڑنے ہی لگا تھا کہ عقب سے کسی نے اُسے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ اُس کے بھی منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا اور اُوپر سے بوری کی طرح کا تھیلا اُس پر چڑھا دیا گیا۔ وہ تنومند جنگجو تھا لیکن اُسے جکڑنے والے تعداد میں زیادہ تھے اور وہ بھی طاقتور اور اپنے فن کے استاد تھے۔ اُدھر صاعقہ کو دوہرا کر کے تھیلے میں ڈال کر تھیلے کا منہ بند کر دیا گیا، اِدھر باڈی گارڈ کو اسی طرح تھیلے میں بند کر دیا گیا۔ انہیں پکڑنے والے انہیں اُٹھا کر چل پڑے۔ آگے جا کر ایک ایک تھیلا پیٹھ پر اُٹھا لیا۔ اندھیرے میں پاس سے گزرنے والوں کو بھی شک نہیں ہوتا تھا کہ دو انسانوں کو اغوا کر کے لے جایا جا رہا ہے۔ وہ ایک اندھیری گلی میں چلے گئے اور کچھ دُور جا کر ایک تنگ و تاریک مکان میں داخل ہوگئے۔

اندر جا کر وہ صاعقہ کو ایک کمرے میں اور باڈی گارڈ کو دوسرے کمرے میں لے گئے۔ الگ الگ کمروں میں تھیلوں کے منہ کھول دیئے گئے۔ صاعقہ تھیلے سے نکلی تو اُس کے منہ میں سے کپڑا نکال دیا گیا۔ کمرے میں دیا جل رہا تھا۔ صاعقہ کو دو آدمی کھڑے نظر آئے۔ اُس نے غصّے سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم نے یہ کیا طریقہ اختیار کیا ہے؟"

"محفوظ راستہ یہی تھا" کمرے میں کھڑے دو آدمیوں میں سے ایک نے جواب دیا ــ "راستے میں کوئی بھی تمہیں ہمارے ساتھ چلتا دیکھ سکتا تھا۔ یہ ضروری تھا کہ تمہیں بھی چھپا کر لایا جائے۔"

"مجھے پہلے کیوں نہ بتایا کہ تم یہ طریقہ اختیار کرو گے؟" صاعقہ نے پوچھا ــ "میں تو یہ سمجھی تھی کہ یہ تم نہیں ہو کوئی ڈاکو ہیں اور مجھے سچ مچ اغوا کیا جا رہا ہے۔"

"ہمارے طریقے کچھ ایسے ہی ہوتے ہیں" دوسرے آدمی نے کہا۔

"کیا تمہیں یقین ہو گیا تھا کہ وہ مجھے کہیں اور لے جا رہا تھا؟" صاعقہ نے پوچھا۔

"یہ یقین تو ہمیں اُسی وقت ہو گیا تھا جب تم اُس کے ساتھ گھر سے نکلی تھیں" ایک آدمی نے جواب دیا ــ "اگر وہ تمہیں واقعی قید خانے میں لے جا رہا تھا تو چھوٹا اور سیدھا راستہ دوسری طرف تھا۔ وہ کھنڈرات کے ویرانے میں تمہیں لے گیا اور پگڈنڈی سے ہٹ کر ایک اور راستے پر چل پڑا۔ ہمیں پختہ یقین ہو گیا کہ وہ تمہیں کہیں اور لے جا رہا ہے۔"

"اُس نے کئی بار تمہارے قدموں کی آہٹ سُنی تھی" صاعقہ نے کہا ــ "ایسی بے احتیاطی نہیں کرنی چاہیے۔"

"اندھیرے میں فاصلے کا اندازہ نہیں ہوتا تھا" اُسے بتایا گیا ــ "ہم تم دونوں کے تعاقب میں دور نہیں تھے۔ دور تک نظر نہیں آتا تھا اس لیے تمہارے قریب رہنا ضروری تھا۔"

صاعقہ کے چہرے پر اطمینان تھا۔ وہ باڈی گارڈ کے ہاتھوں لاپتہ اور ذلیل و خوار ہونے سے بال بال بچ گئی تھی۔

دوسرے کمرے میں باڈی گارڈ کو تھیلے میں سے نکال کر اُس کے منہ سے کپڑا نکالا گیا۔ اُس کے سامنے تین نقاب پوش کھڑے تھے۔ اُس کی تلوار ابھی نقاب پوشوں کے پاس تھی۔

"کون ہو تم؟" اُس نے بڑے رعب سے نقاب پوشوں سے کہا ــ "میں والیٔ موصل کا خصوصی محافظ ہوں۔ تم سب کو سزائے موت دلاؤں گا۔ مجھے جانے دو۔"

"والیٔ موصل کی حفاظت اب خدا ہی کرے تو کرے" ایک نقاب پوش نے کہا ــ "تم اپنی حفاظت کی فکر کرو۔ اس لڑکی کو تم کہاں لے جا رہے تھے؟"

"قید خانے میں اُس کے باپ سے ملاقات کرانے لے جا رہا تھا" باڈی گارڈ نے جواب دیا ــ "یاد رکھو جس لڑکی کو تم نے اغوا کیا ہے اسے تم ہضم نہیں کر سکو گے۔ یہ خطیب ابن المخدوم کی بیٹی ہے اور والیٔ موصل غازی سیف الدین نے اپنا خصوصی محافظ اس کے لیے بھیجا تھا۔ اس سے تم اندازہ کر سکتے ہو کہ یہ لڑکی لاپتہ ہو گئی تو والیٔ موصل شہر کے گھر گھر کی تلاشی لے گا۔ تم شہر سے نکل نہیں سکو گے۔ تھوڑی دیر بعد غازی سیف الدین کو پتہ چل جائے گا کہ اُس کا محافظ اور خطیب کی بیٹی لاپتہ ہیں۔ شہر کی ناکہ بندی فوراً کر دی جائے گی۔ لڑکی کہاں ہے؟"

"سنو دوست!" ایک نقاب پوش نے کہا ــ "لڑکی یہیں ہے۔ اسے اغوا نہیں کیا گیا۔ اسے اغوا ہونے سے بچایا گیا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ والیٔ موصل سیف الدین کے لیے یہ لڑکی بہت اہم ہے اور وہ اس کی تلاش میں اپنی پوری فوج لگا دے گا کیونکہ لڑکی خوبصورت اور نوجوان ہے اور اس کا باپ قید خانے میں بند ہے۔ وہ سیف الدین کو دھتکار آئی تھی۔ پھر اُس نے لڑکی کو ملاقات کے لیے اجازت دے دی اور کہا کہ اُسے ایک آدمی اپنے ساتھ قید خانے میں لے جائے گا۔ ملاقات کا وقت رات کا رکھا گیا۔ تم بتا سکتے ہو کہ ملاقات دن کو کیوں نہ کرائی گئی؟ لڑکی نے ہمیں بتایا۔ ہم نے اس کی حفاظت کا انتظام کر لیا۔ تم اسے گھر سے ہی غلط راستے پر لے چلے تو ہم تمہارے تعاقب میں چل پڑے۔ تم نے دو تین بار رُک کر پیچھے دیکھا تھا۔ وہ ہم ہی تھے۔ تم نے جنہیں جھاڑیوں میں تلاش کرنے کی کوشش کی تھی وہ بھی ہم ہی تھے۔ ہم تو دن کی روشنی میں بھی کسی کو نظر نہیں آتے۔"

"تم نے اس لڑکی پر ظلم کیا ہے" باڈی گارڈ نے کہا ــ "میں اسے اس کے باپ کے پاس لے جا رہا تھا۔"

"تم اسے اغوا کر کے لے جا رہے تھے" ایک نقاب پوش نے تلوار کی نوک اُس کی شہ رگ پر رکھ کر ذرا سی دبائی اور کہا ــ "تم اسے سیف الدین کے لیے لے جا رہے تھے۔ ہم جانتے ہیں تمہارا والیٔ موصل کتنا کچھ رحم دل ہے جس نے خطیب تک کو قید کرنے سے گریز نہ کیا اور اب اُس کی بیٹی کو ملاقات کی اجازت دے رہا ہے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ مجرم خطیب کا جُرم ہے مگر تم یہ نہیں جانتے کہ یہ عالم موصل میں تنہا نہیں۔ وہ قید خانے میں ہے تو اُس کی بیٹی تنہا نہیں۔ میں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ ہم سیف الدین کا تختہ اُلٹ دیں گے۔ اُس کے دن تھوڑے رہ گئے ہیں۔ ہم اُسے کسی بھی وقت قتل کر سکتے ہیں لیکن سلطان صلاح الدین ایوبی نے ہمیں سختی سے حکم دے رکھا ہے کہ کسی کو حسن بن صباح کے فدائیوں کی طرح قتل نہ کرنا۔ ہم میدان میں للکارتے اور قتل کرتے ہیں۔"

"تم صلاح الدین ایوبی کے آدمی ہو؟" باڈی گارڈ نے پوچھا۔

"ہاں!" نقاب پوش نے جواب دیا ــ "ہم جانباز دستے کے سپاہی ہیں" ــ اُس نے تلوار کی نوک اُس کی شہ رگ پر اور زیادہ دبائی تو باڈی گارڈ کی پیٹھ دیوار کے ساتھ جا لگی۔ نقاب پوش نے کہا ــ "تم سیف الدین کے خصوصی محافظ ہو اور ہر وقت اُس کے ساتھ رہتے ہو۔ تم اُس کے رازدان ہو۔ لڑکیاں اغوا کر کے اُسے دیتے ہو۔ پوری تفصیل سے بتاؤ کہ سلطان ایوبی کے خلاف اُس کے ارادے کیا ہیں۔ اگر بتانے سے انکار کرو گے یا یہ کہو گے کہ تمہیں کچھ علم نہیں تو تمہارا حال وہی کیا جائے گا جو سیف الدین قید خانے میں اپنے مخالفین کا کرتا ہے۔"

"اگر تم سپاہی ہو تو اچھی طرح جانتے ہو گے کہ حاکم اور بادشاہ کے سامنے ایک محافظ کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی" باڈی گارڈ نے جواب دیا ــ "میں اُس کے ارادوں کے متعلق کیا بتا سکتا ہوں۔"

ایک نقاب پوش نے اُس کا سر ننگا کر کے اُس کے بال مٹھی میں لے کر مروڑے اور جھٹکا دے کر اُسے ایک طرف جھکا دیا۔ دوسرے نے اسے ٹانگوں سے گھسیٹ کر گرا دیا۔ ایک نقاب پوش اُس کے پیٹ پر کھڑا ہو گیا۔ وہ دو تین بار اُس کے پیٹ پر اُچھلا تو باڈی گارڈ کے دانت بجنے لگے۔ پھر اُسے مختلف اذیتوں کا ذرا ذرا ذائقہ چکھایا گیا اور اُسے کہا گیا کہ وہ یہاں سے زندہ نہیں نکل سکے گا۔

"مجھے اٹھنے دو" اُس نے کراہتے ہوئے کہا۔

اُسے اٹھایا گیا۔ اُس نے کہا ــ "سیف الدین سلطان ایوبی کے خلاف لڑنا چاہتا ہے۔"

"یہ کوئی راز نہیں" ایک نقاب پوش نے کہا ــ "ہمیں بتاؤ وہ کب اور کس طرح لڑنا چاہتا ہے۔ کیا وہ حلب

اور حرّان کی فوجوں کے ساتھ اپنی فوج شامل کرے گا یا الگ لڑے گا؟"

"فوج دوسری فوجوں میں شامل کرے گا۔" باڈی گارڈ نے جواب دیا۔ "لیکن ایسی چال چلے گا کہ اُس کی فوج کی فتح الگ نظر آئے۔ حلب اور حرّان والوں پر اُسے بھروسہ نہیں۔"

"اپنے سالاروں کو اُس نے کیا ہدایات دی ہیں؟" ایک نقاب پوش نے پوچھا۔

"اُس کا منصوبہ یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کو پہاڑی علاقے میں محصور کر لیا جائے۔" باڈی گارڈ نے جواب دیا۔

"فوج کس راستے سے جائے گی؟"

"قرونِ حماۃ کی طرف سے۔" باڈی گارڈ نے جواب دیا۔

"صلیبی کتنی مدد دے رہے ہیں؟"

"صلیبیوں نے مدد کا وعدہ کیا ہے۔" باڈی گارڈ نے جواب دیا۔ "لیکن سیف الدین انہیں بھی دھوکہ دے گا۔ صلیبی فوج کے چند ایک کمانڈر موصل کی فوج کو تربیت دے رہے ہیں۔"

یہ نقاب پوش اور وہ دو آدمی جو دوسرے کمرے میں صائقہ کے ساتھ تھے سلطان ایوبی کے چھاپہ مار جاسوس تھے۔ ان کا رابطہ خطیب ابن المخدوم کے ساتھ تھا بلکہ خطیب اُن کا نگران اور سربراہ تھا۔ یہ گروہ سلطان ایوبی کے لیے آنکھوں اور کانوں کا کام کرتا تھا۔ موصل سے جو بھی اطلاع وہ حاصل کرتے تھے سلطان ایوبی کے جنگی ہیڈکوارٹر کو بھیج دیتے تھے۔ موصل میں وہ مختلف کام دھندا، ملازمت اور دکانداری کرتے تھے۔ خطیب قید ہو گیا تو یہ رات کو باری باری خطیب کے گھر کا پہرہ دیتے تھے۔ اُن لڑکیوں نے جو صائقہ کے گھر اُسے تنہا سمجھ کر سونے آئی تھیں انہی کے سائے حرکت کرتے دیکھے تھے۔ صائقہ نے اِن لڑکیوں کو یہ نہیں بتایا تھا کہ یہ سائے سے انسان ہیں۔ اُس نے ایسا تاثر دیا تھا جیسے یہ جنات ہیں۔ ان آدمیوں کو معلوم تھا کہ صائقہ سیف الدین کے پاس باپ سے ملاقات کی اجازت لینے گئی ہے۔ واپس آکر اُس نے اِن میں سے ایک آدمی کو بتا دیا تھا کہ رات کو ایک آدمی اُسے قید خانے میں لے جانے کے لیے آئے گا۔ اُس نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ سیف الدین نے اُس کے ساتھ ناروا باتیں کیں اور اُسے اپنے عقد میں لینے کی پیش کش کی تھی۔

اس آدمی نے اپنے گروہ کو بتایا۔ یہ سب بہت ذہین تھے۔ انہیں شک ہُوا کہ صائقہ کو کسی اور طرف لے جا کر اُسے غائب کر دیا جائے گا۔ چنانچہ سورج غروب ہونے کے بعد پانچ آدمی صائقہ کے گھر میں جا کر چھپ گئے تھے۔ صائقہ باڈی گارڈ کے ساتھ گئی تو یہ آدمی اُن کے تعاقب میں چل پڑے۔ آگے جا کر اُن کا شک صحیح ثابت ہُوا۔ انہوں نے کامیابی سے صائقہ کو بچا لیا اور باڈی گارڈ کو بھی پکڑ لائے جو سیف الدین کا راز دان تھا۔ انہوں نے فوجی اہمیت کے بہت سے راز اُس سے اگلوا لیے۔ ان میں یہ راز اہم تھا کہ سیف الدین کے بھائی عزّ الدین نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصے کو اپنی کمان میں رکھا ہے۔ یہ حصہ محفوظہ کے طور پر استعمال ہو گا یعنی اُسے بعد میں ضرورت کے مطابق استعمال کیا جائے گا۔ پہلے حملے کی قیادت سیف الدین کو کرنی تھی۔ دوسری اہم بات جو معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ حلب سے گمشتگین اور سیف الدین کے ہاں ایلچی یہ پیغام لے کر گئے ہیں کہ تینوں

فوجوں کو مشترکہ کمان میں رکھا جائے اور صلیبیوں کی مدد پر زیادہ بھروسہ نہ کیا جائے۔ باقی معلومات بھی اہم تھیں۔

باڈی گارڈ نے یہ معلومات اگل کر کہا کہ اُسے رہا کیا جائے۔ نقاب پوشوں نے اُسے رہائی کے وعدے پہ ٹال دیا۔ صائقہ کو اسی کمرے میں رہنے دیا گیا۔ اُسے اُس کے گھر رکھنا مناسب نہیں تھا۔ باڈی گارڈ کو اس مکان کی ایک اندھیری کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا۔

☆

حرّان اور حلب سے تقریباً پچاس میل دُور صلیبی فوج کا جنگی ہیڈکوارٹر تھا جہاں زیادہ سرگرمیاں جاسوسی کے متعلق تھیں۔ وہاں جو صلیبی حکمران اور کمانڈر تھے وہ سلطان ایوبی کے خلاف کھلی جنگ لڑنے کی بجائے اُس کے مسلمان مخالفین کو متحد کر کے اُس کے خلاف لڑانے کی سکیمیں بنا رہے تھے اور اُن پر عمل بھی کر رہے تھے۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کے بڑے بڑے امراء کو اپنے فوجی مشیر دے رکھے تھے جو انہیں جنگی مشورے دینے کے علاوہ فوجوں کو جنگی تربیت بھی دیتے تھے۔ اپنی اصل نیت پر پردہ ڈالے رکھنے کے لیے وہ مسلمان امراء کو عیش و عشرت کا سامان بھی مہیا کرتے رہتے تھے۔ اُن کے جاسوس بھی اِن امراء کے درباروں میں موجود رہتے اور اپنے ہیڈکوارٹر کو خبریں بھیجتے رہتے تھے۔

حرّان سے گمشتگین کا ایک صلیبی مشیر اپنے اس جنگی ہیڈکوارٹر میں پہنچا۔ اُس وقت صلیبیوں کے دو مشہور جنگجو حکمران ریمانڈ اور ریجنالٹ وہاں موجود تھے۔ ریمانڈ وہ حکمران تھا جسے حال ہی میں سلطان ایوبی نے ایک بروقت اور برق رفتار چال چل کر بھگا دیا تھا اور ریجنالٹ وہ مشہور صلیبی حکمران تھا جسے نورالدین زنگی نے ایک معرکے میں جنگی قیدی بنا لیا تھا۔ اُسے اور دیگر صلیبی قیدیوں کو حرّان میں گمشتگین کے حوالے کر دیا گیا تھا۔ اُس وقت گمشتگین خلافتِ بغداد کا ایک قلعہ دار تھا۔ زنگی فوت ہو گیا تو اس قلعہ دار نے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور صلیبیوں کے ساتھ دوستی گہری کرنے کے لیے ریجنالٹ جیسے قیمتی قیدی کو تمام صلیبی قیدیوں سمیت رہا کر دیا۔ نورالدین زنگی نے کہا تھا کہ ریجنالٹ کے عوض وہ صلیبیوں سے اپنی شرطیں منوائے گا۔ زنگی مر گیا تو امراء نے عیاشی اور حکومت کے نشے میں اُس کے تمام تر منصوبے اُلٹ کر دیئے اور صلیبی سلطنتِ اسلامیہ کی بنیادوں میں اُترنا شروع ہو گئے۔

حرّان سے صلیبی مشیر جو دراصل جاسوس تھا ریمانڈ اور ریجنالٹ کے پاس پہنچا اور حرّان کے تازہ واقعات کی تفصیلی رپورٹ دی۔ اُس نے کہا "حلب سے الملک الصالح نے گمشتگین اور سیف الدین کو تحفوں کے ساتھ پیغام بھیجے ہیں کہ وہ اپنی فوجیں اُس کی فوج کے ساتھ مشترکہ کمان میں دے دیں۔ وہاں یہ عجیب واقعہ ہوا ہے کہ گمشتگین کے دو سالاروں نے حرّان کے قاضی کو قتل کر دیا اور دو لڑکیوں کو جو حلب سے الملک الصالح نے پیغام کے ساتھ تحفے کے طور پر بھیجی تھیں بھگا دیا۔ پھر انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کے حامی ہیں اور وہ اُسی کے لیے زمین ہموار کر رہے تھے۔ یہ دونوں سالار سگے بھائی ہیں اور ہندوستان سے آئے ہیں۔ دونوں کو گمشتگین نے قید خانے میں ڈال دیا ہے۔ اس سے ایک ہی روز پہلے ہمارا ایک ساتھی مشیر گمشتگین کے گھر میں ایک دعوت کے دوران پُراسرار طریقے سے قتل ہو گیا ہے۔ اگلے دن معلوم ہُوا کہ گمشتگین کے حرم کی

ایک لڑکی اور اُس کا ایک باڈی گارڈ لاپتہ ہیں۔"

صلیبیوں کی اس کانفرنس میں قہقہہ بلند ہوا اور کچھ دیر تک سب ہنستے رہے۔ ریمانڈ نے کہا "یہ مسلمان قوم اس قدر جنسیت پسند ہوگئی ہے کہ اس کے حکمران اور امراء، وزراء جنگ اور سیاست کے فیصلے بھی جنسی لذت پرستی سے مغلوب ہو کر کرتے ہیں۔ ذرا غور کرو کہ گمشتگین جیسے جابر اور جنگجو قلعہ دار کی فوج کی اعلیٰ کمان جن دو سالاروں کے پاس تھی وہ دونوں اُس کے دشمن صلاح الدین ایوبی کے کیمپ کے سالار تھے۔ مجھے یقین ہے کہ ان دونوں نے تحفے میں آئی ہوئی لڑکیوں کی ناظر قاضی کو قتل کیا ہوگا اور لڑکیوں کو صلاح الدین ایوبی کے پاس بھیج دیا ہوگا اور خود قید ہوگئے۔ گمشتگین کے حرم کی جو لڑکی لاپتہ ہوگئی ہے وہ اُس محافظ نے بھگائی ہوگی اور بھلا آدمی معلوم نہیں کس چکر میں قتل ہوگیا۔ مسلمان امراء، قلعہ داروں اور حاکموں کے حرموں کی مقید دُنیا بڑی ہی پُراسرار دنیا ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ قوم عیش و عشرت اور لذت پرستی سے تباہ ہوگی۔"

"میں دو باتیں کہوں گا۔" ایک اور صلیبی نے کہا۔ یہ صلیبی اپنی افواج کی انٹیلی جنس کا سربراہ تھا۔ اُس نے کہا۔ "آپ نے کہا ہے کہ تحفے میں آئی ہوئی لڑکیاں حرن سے بھگا کر صلاح الدین ایوبی کے پاس بھیج دی گئی ہوں گی۔ میں یہ تسلیم نہیں کرتا۔ میں جاسوسی کا ماہر ہوں۔ دشمن کے فوجی راز حاصل کرنے کے علاوہ میرے شعبے کا کام یہ بھی ہوتا ہے کہ دشمن کے فوجی قائدین اور دیگر اعلیٰ حکام کے ذاتی کردار اور جنگی چالوں کے متعلق بھی معلومات حاصل کرے اور اپنی فوج کو آگاہ کرے۔ میں آپ کو پورے وثوق سے بتاتا ہوں کہ عورت اور شراب کے معاملے میں صلاح الدین پتھر ہے۔ یہی ایک وجہ ہے کہ آپ اُسے زہر دے کر نہیں مار سکتے۔ نہ اُسے کسی حسین لڑکی کے جال میں پھانس کر فدائیوں سے قتل کرا سکتے ہیں۔ یہ انسانی فطرت کا اٹل اصول ہے کہ جو انسان ذہنی عیاشی کا عادی نہ ہو اُس کا عزم پختہ ہوتا ہے اور جو مہم ہاتھ میں لیتا ہے اُسے سر کر کے ہی دم لیتا ہے۔ آپ کے دشمن صلاح الدین ایوبی میں یہی خوبی ہے۔ یہ اسی کا اثر ہے کہ اُس کا دماغ پورا کام کرتا ہے اور وہ ایسی ایسی چالیں چلتا ہے جو آپ کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتیں اور آپ کے پاؤں اُکھڑ جاتے ہیں۔ جہاں تک میں نے اُس کے متعلق معلومات حاصل کی ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جسمانی ضروریات سے بے نیاز ہے۔ اُس نے یہی خوبی اپنی فوج میں پیدا کر رکھی ہے، ورنہ صحراؤں میں لڑنے والے سپاہی برف پوش وادیوں میں اور پہاڑیوں پر اس یخ موسم میں کبھی نہ لڑ سکتے۔ جب تک آپ اپنے ہاں بھی یہی خوبی پیدا نہیں کریں گے اپنے اس دشمن کو جسے آپ صلاح الدین ایوبی کہتے ہیں، کبھی شکست نہیں دے سکتے.....

"اور دوسری بات یہ ہے کہ دوسرے مسلمان امراء، وزراء اور حکمرانوں میں جو زن پرستی پیدا ہوگئی ہے وہ میرے شعبے کا کمال ہے۔ یہودی دانشوروں نے ایک صدی سے زیادہ عرصے سے مسلمانوں کی کردار کشی کی مہم چلا رکھی ہے۔ یہ دراصل اُن کی کامیابی ہے کہ ہم نے لڑکیوں اور زر و جواہرات کے ذریعے مسلمان سربراہوں کا کردار ختم کیا ہے۔ ہم تو انہیں اخلاقی لحاظ سے تباہ کرنے کے لیے حسین اور تیز طرار لڑکیاں باقاعدہ تربیت کے ساتھ اُن کے ہاں تحفے کے طور پر بھیجتے ہیں۔ اُن بدبختوں نے آپس میں بھی لڑکیوں کو بطور تحفہ بھیجنا شروع

کر دیا ہے۔ ان کے ہاں قومی کردار ختم ہو چکا ہے۔ یہ ہماری کامیابی ہے کہ ہم نے اُن کے درمیان تفرقہ اور بادشاہی کا لالچ پیدا کر دیا ہے۔"

"اس قوم کو ہم اسی طرح ختم کریں گے۔" ریجنالٹ نے کہا۔ "اور یہ قوم اپنے کردار کے ہاتھوں تباہ ہوگی۔ صلاح الدین ایوبی خوش ہو رہا ہوگا کہ اس نے ہمارے بھائی ریمانڈ کو پسپا کر دیا ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ ریمانڈ اِن جنگ سے پسپا ہوا ہے۔ یہ تو اُس کی قوم کے سینے میں گُھس گیا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہم میدان میں ہی لڑیں، ہم کسی دوسرے محاذ پر بھی لڑ سکتے ہیں۔"

"اِس مہم کو مزید تیز کرنے کی ضرورت ہے۔" اُس مشیر نے کہا جو حرن سے گیا تھا۔ "میں نے آپ کو گمشتگین کے اندرونِ خانہ کے واقعات سنائے ہیں۔ اِن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہاں صلاح الدین ایوبی کے جاسوس اور تخریب کار صرف موجود ہی نہیں بلکہ گمشتگین کے گھر کے اندر اور اُس کی اعلیٰ کمان میں پوری طرح سرگرم ہیں۔ ہمیں اُن کے خلاف کوئی کارروائی کرنی چاہیے۔"

"ہمیں کیا ضرورت ہے کہ گمشتگین اور سیف الدین اور الملک الصالح اور اُن کے متحدہ محاذ کے دوسرے اُمراء وغیرہ کو صلاح الدین ایوبی کی جاسوسی اور تباہ کاری سے بچائیں۔" ایک صلیبی کمانڈر نے کہا۔ ہم تو ان کی تباہی کے عمل کو تیز کریں گے۔ یہ تباہی ہمارے ہاتھوں ہو یا اُن کے اپنے ہی کسی بھائی کے ہاتھوں۔ کیا آپ اِن مسلمانوں کو جو صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑ رہے ہیں سچے دل سے اپنا دوست سمجھ بیٹھے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ سچے صلیبی نہیں۔ آپ شاید ابھی تک یہ نہیں سمجھے کہ ہماری دشمنی نورالدین زنگی کے ساتھ نہیں تھی، نہ ہی صلاح الدین ایوبی کے ساتھ ہے۔ اگر صلاح الدین ایوبی کبھی میرے سامنے آگیا تو میں اُس کا احترام کروں گا۔ وہ جنگجو ہے، میدانِ جنگ کا بادشاہ ہے، تیغ زن ہے۔ ہماری دشمنی اس مذہب کے خلاف ہے جسے سلام کہتے ہیں۔ ہم ہر اُس آدمی کے خلاف لڑیں گے جو اس مذہب کا دفاع کرے گا اور جو اسے فروغ دے گا۔ ہمارے اور صلاح الدین ... کے مرنے کے بعد یہ جنگ ختم نہیں ہو جائے گی۔ اسی لیے ہم مسلمانوں میں ایسی بُری عادتیں پیدا کر رہے ہیں جو ان کی آئندہ نسلوں میں بھی منتقل ہوں گی۔ ہم ایسے طریقے اختیار کر رہے ہیں کہ مسلمان اپنی روایات کو بھول جائیں اور ہماری پیدا کردہ خوبیوں کے دلدادہ ہو جائیں۔"

"ہمیں ان کے اصل تہذیب و تمدن کو بگاڑنا ہے۔" ریمانڈ نے کہا۔ "ہم اُس دور میں زندہ نہیں ہوں گے۔ ہم دیکھ نہیں سکیں گے۔ میں پورے یقین سے کہتا ہوں کہ ہم نے کردار کی تباہ کاری کی مہم جاری رکھی تو وہ دور آئے گا کہ اسلام اگر زندہ رہا تو اسلام کی بدروح ہوگی جو بھٹکتی پھرے گی۔ مسلمان نام کے مسلمان ہوں گے۔ ان کی کوئی آزاد اسلامی مملکت رہ بھی گئی تو وہ گناہوں اور بدی کا گھر ہوگی۔ یہودی اور عیسائی دانشوروں نے اس قوم میں بدی کی محبت پیدا کر دی ہے۔"

"بہر حال اب ضرورت یہ ہے کہ وہ لوگ ہماری مدد کی توقع لیے بیٹھے ہیں۔" صلیبی مشیر نے کہا۔ "گمشتگین نے مجھے اسی لیے بھیجا ہے۔"

بہت دیر اس مسئلے پر تبادلۂ خیالات ہوتا رہا۔ آخر یہ فیصلہ ہوا کہ فوجوں کی صورت میں انہیں کوئی مدد نہ دی جائے، مدد کا جھانسہ دیا جائے۔ انہیں یہ یقین دلایا جائے کہ وہ صلاح الدین ایوبی پر حملہ کرکے اُسے الرستان کے اندر ہی لڑاتے رہیں اور ہم اپنی فوجیں اُس کے کسی نازک مقام پر سے جاکر اُسے مجبور کردیں گے کہ وہ الرستان سے پسپا ہو جائے۔ یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ حلب، حرن اور موصل کی فوجوں کے لیے اس مشیر کے ہمراہ کمانوں اور تیروں کا اور آتش گیر مادے کا ذخیرہ بھیج دیا جائے۔ اس کے علاوہ پانچ سو گھوڑے بھی بھیج دیئے جائیں لیکن یہ خیال رکھا جائے کہ زیادہ تعداد ایسے گھوڑوں کی ہو جو ہماری فوج کے کام کے نہیں رہے۔ بظاہر تندرست ہوں۔

"اور آئندہ یوں کیا جائے کہ ان امراء وغیرہ کو تھوڑا تھوڑا اسلحہ دیا جاتا رہے۔" ریجنالٹ نے کہا "اس کے ساتھ ساتھ انہیں عیاشی کی طرف مائل کیا جائے۔ انہیں یہ تاثر دیا جائے کہ انہیں جب کبھی اسلحہ اور گھوڑوں کی ضرورت ہوگی وہ ہم پوری کریں گے۔ اس طرح وہ خود اپنی ضرورت پوری کرنے سے غافل ہو جائیں گے اور ہمارے محتاج رہیں گے۔ اس مدد سے اور اپنے مشیروں کی وساطت سے ہم اُن کے دلوں اور دماغوں پر غالب آجائیں گے۔"

"انتہائی ضروری بات تو رہ گئی ہے۔" ایک کمانڈر نے کہا۔ "شیخ سنان کے بھیجے ہوئے فدائی چلے گئے ہیں۔ اب کے اُمید ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کو قتل کر دیں گے۔ وہ جو حلف اُٹھا کر گئے ہیں اس میں انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ جان پر کھیل کر اُسے قتل کریں گے ورنہ وہ زندہ واپس نہیں آئیں گے۔"

اُسی روز پانچ سو گھوڑے، ہزارہا کمانیں اور لکھو کھہا تیر اور آتش گیر مادے کے سربمہر مٹکے حلب کو اس پیغام کے ساتھ روانہ کر دیئے گئے کہ اس ٹھوس مدد کا سلسلہ جاری رہے گا، اور صلاح الدین ایوبی پر فوراً حملہ کر دیا جائے گا۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی اپنے ہیڈکوارٹر میں بیٹھا تھا۔ اُس کے پاس سب سے پہلے انطانون اور فاطمہ پہنچے۔ فاطمہ گمشتگین کے حرم کی وہ لڑکی تھی جس نے ایک صلیبی مشیر کو قتل کیا اور انطانون نام کے محافظ کے ساتھ بھاگ گئی تھی۔ انطانون سلطان ایوبی کا بھیجا ہوا جاسوس تھا جو جذبات سے مغلوب ہو گیا تھا، اسی لیے وہ گرفتار ہوا تھا۔ یہ تو سالار شمس الدین اور سالار شاد بخت کی بدولت تھا کہ اُسے دھوکے سے بھگا دیا گیا تھا۔ سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کا سربراہ حسن بن عبداللہ تھا جو انطانون اور فاطمہ کو سلطان ایوبی کے پاس لے گیا تھا۔ انطانون نے اپنی واردات من وعن سنادی جو سلطان ایوبی کو پسند نہ آئی لیکن اُسے اس لیے معاف کر دیا گیا کہ وہ کامیابی سے گمشتگین کے محافظ دستے میں شامل ہو گیا تھا۔ اُس نے دوسرا کارنامہ یہ کیا تھا کہ اُس نے فاطمہ کے ساتھ تعلقات پیدا کرکے حرم تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ سلطان ایوبی نے انطانون کے متعلق حکم دیا کہ اسے فوج میں بھیج دیا جائے کیونکہ جاسوسی کے نازک کام کے لیے اس کے جذبات پختہ نہیں ہیں۔ فاطمہ کو دمشق بھیج دینے کا حکم دیا گیا۔

"میں انطانون کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہوں۔" فاطمہ نے کہا۔

"ایسا ہی ہوگا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "لیکن شادی دمشق میں ہوگی۔ میدانِ جنگ شہادت کے لیے ہے شادی کے لیے نہیں۔"

"سلطانِ محترم!" انطانون نے کہا۔ "میں نے آپ کو ناراض کیا ہے۔ میں اپنے لیے یہ سزا تجویز کرتا ہوں کہ میں جب تک سلطان کو خوش نہ کر لوں شادی نہیں کروں گا۔" اُس نے فاطمہ سے کہا۔ "تم سلطان کے حکم کے مطابق دمشق چلی جاؤ۔ وہاں تمہارے رہنے سہنے کا بہت اچھا انتظام ہے۔ تمہاری شادی میرے ساتھ ہی ہوگی۔" اُس نے سلطان ایوبی سے کہا۔ "میری یہ عرض مانی جائے کہ میں آپ کے کسی چھاپہ مار دستے میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔ میں نے شب خون مارنے کی تربیت حاصل کر رکھی ہے۔"

اُسے ایک چھاپہ مار دستے میں بھیج دیا گیا۔ وہاں سے رخصت ہوتے وقت اس نے فاطمہ کی طرف دیکھا بھی نہیں۔

دوسرے دن جب فاطمہ کو دمشق بھیجا جانے لگا تو وہ لڑکیاں پہنچ گئیں جو الملک الصالح نے گمشتگین کو تحفے کے طور پر بھیجی تھیں۔ اُن کے ساتھ سالار شمس الدین اور شاد بخت کے بھیجے ہوئے دو آدمی تھے۔ انہوں نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ حرن میں کیا ہو رہا ہے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ دونوں سالاروں کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ لڑکیوں نے سلطان ایوبی کو اپنی کہانی سنائی۔

"کیا آپ کو معلوم ہے کہ فلسطین کے مسلمان آپ کی راہ دیکھ رہے ہیں؟" ایک لڑکی نے کہا۔ "وہاں کی لڑکیاں آپ کے گیت گاتی ہیں۔ مسجدوں میں آپ کی فتح کی دعائیں مانگی جاتی ہیں۔" اُس نے پوری تفصیل سے سنایا کہ مقبوضہ علاقوں میں صلیبیوں نے مسلمانوں کا جینا حرام کر رکھا ہے اور اُن کے لیے دُنیا جہنم بنا ڈالی ہے۔

"وہاں ہماری بچیوں کی نہیں ہماری عظمت کی عصمت دری ہو رہی ہے۔" دوسری لڑکی نے کہا۔ "میں تو یہ کہوں گی کہ قوم کی عظمت کی عصمت دری ہمارے اپنے حکمران کر رہے ہیں۔ ہمیں اُن کے پاس تحفے کے طور پر بھیجا گیا۔ ہم نے انہیں خدا کے واسطے دیئے اور بتایا کہ ہم اُن کی بیٹیاں ہیں مگر انہوں نے ایک نہ سُنی۔ انہوں نے ہمیں ایک دوسرے کی طرف تحفے کے طور پر بھیجنا شروع کر دیا۔"

"فلسطین کے راستے میں بھی وہی حائل ہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں گھر سے فلسطین پہنچنے کے لیے ہی نکلا تھا مگر میرے بھائی میرا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے ہیں۔ تم اب محفوظ ہو۔ ایک لڑکی پہلے بھی یہاں آئی ہے۔ اُسے دمشق بھیجا جا رہا ہے۔ تم بھی اُسی کے ساتھ دمشق جا رہی ہو۔"

"ہم اپنی عصمت کا انتقام لینا چاہتی ہیں۔" ایک لڑکی نے کہا۔ "ہمیں یہیں رکھا جائے اور ہمیں کوئی فرض سونپا جائے۔ ہم اب کسی حرم میں یا کسی گھر میں قید نہیں ہونا چاہتیں۔"

"ابھی ہم زندہ ہیں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "تم دمشق چلی جاؤ۔ وہاں تمہیں کوئی قید نہیں کرے گا۔ وہاں لڑکیاں کئی اور طریقوں سے ہماری مدد کر رہی ہیں۔ وہاں تمہیں کوئی فرض سونپ دیا جائے گا۔"

لڑکیوں کو رخصت کر کے سلطان ایوبی بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگا۔ اُس وقت حسن بن عبداللہ اُس کے ساتھ تھا۔ سلطان ایوبی نے کہا: "مصر سے ابھی کمک نہیں پہنچی۔ اگر تینوں فوجیں ہم پر حملے کے لیے آگئیں تو ہمارے لیے مشکل پیدا ہو جائے گی۔ معلوم ہوتا ہے دشمن کو معلوم نہیں کہ میرے پاس فوج کم ہے اور میں کمک کا انتظار کر رہا ہوں۔ اگر اُن کی جگہ میں ہوتا تو میں فوراً حملہ کر دیتا اور دشمن کی کمک اور رسد کا راستہ روک لیتا۔"

"مصر سے کمک آ ہی رہی ہو گی۔" حسن بن عبداللہ نے کہا۔ "محترم العادل ایسے تو نہیں کہ وقت ضائع کریں گے۔ مجھے یہ بھی یقین ہے کہ دشمن نے ہماری کمک کا راستہ روکا ہوا نہیں۔"

تمام مؤرخ لکھتے ہیں کہ اس موقع پر سلطان ایوبی بڑی نازک اور پُرخطر صورت حال میں تھا۔ وہ مصر سے کمک کا انتظار کر رہا تھا۔ اگر اس وقت الملک الصالح، سیف الدین اور گمشتگین کی مشترکہ فوج اُس پر حملہ کر دیتی تو اسے آسانی سے شکست دی جا سکتی تھی کیونکہ اُس کے پاس فوج تھوڑی تھی۔ پہاڑی علاقے میں وہ صحرا کی چالیں نہیں چل سکتا تھا لیکن اُس کے دشمن نہ جانے کیا سوچتے رہے۔ صلیبی اُس پر حملہ کرنے کی بجائے مسلمان امراء کو اس کے خلاف لڑانا چاہتے تھے۔ انہوں نے بھی نہ دیکھا کہ سلطان ایوبی مجبوری کی حالت میں بیٹھا اللہ سے دعائیں مانگ رہا ہے کہ اس حالت میں دشمن اُس پر ہلّہ نہ بول دے۔ وہ تو اس قابل بھی نہیں تھا کہ پانی کی اُس ندی کی حفاظت کر سکتا جس سے اُس کی فوج کے گھوڑے اور اونٹ پانی پیتے تھے۔ صلیبی یا اُس کے مسلمان دشمن اگر عقل سے کام لیتے تو چھاپہ ماروں کے ذریعے اُس کی کمک اور رسد کا راستہ روک سکتے تھے یا کمک کی رفتار سُست کر سکتے تھے۔ سلطان ایوبی نے اُس راستے کو گشتی چھاپہ ماروں کے ذریعے محفوظ رکھا ہوا تھا۔

قاضی بہاؤالدین شدّاد جو اُس وقت کا عینی شاہد اور مبصر ہے اپنی یادداشتوں "سلطان یوسف (صلاح الدین ایوبی) پر کیا افتاد پڑی" میں لکھتا ہے۔ "اگر خدا انہیں (دشمنوں) کو فتح دینا چاہتا تو وہ سلطان ایوبی پر اُس وقت حملہ کر دیتے مگر خدا جسے ذلیل کرنا چاہتا ہے وہ ذلیل ہو کے رہتا ہے (قرآن ۴۲/۸)۔ انہوں نے سلطان ایوبی کو اتنا وقت دے دیا کہ مصر سے کمک پہنچ گئی۔ سلطان نے اسے اپنی فوج میں مدغم کر کے اپنی مورچہ بندی کو نئی ترتیب دے لی اور حملے سے پہلے اُس نے تمام تر گھوڑوں کو پانی بھی پلایا اور پانی کا ذخیرہ بھی کر لیا۔"

سلطان ایوبی کی بے چینی کا یہ عالم تھا کہ رات کو سوتا بھی نہیں تھا۔ اُس نے جہاں جہاں اپنی مختصری فوج مورچہ بند کر رکھی تھی، وہاں جاتا، غور کرتا اور اپنی سکیم کے مطابق یقین کر لیتا تھا کہ اُس کے یہ تھوڑے سے سپاہی دشمن کا حملہ روک لیں گے۔ قرونِ حماۃ میں جہاں ایک پہاڑی سینگوں کی طرح دو حصوں میں بٹ جاتی تھی اُس نے دشمن کے لیے پھندا تیار رکھا ہوا تھا، مگر اُس کا مسئلہ یہ تھا کہ اس جگہ اتنی تھوڑی نفری سے وہ صرف دفاعی جنگ لڑ سکتا تھا، جوابی حملہ جو جنگ کا پانسہ پلٹنے کے لیے ضروری ہوتا ہے ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ اُس کے جاسوسوں نے اُسے یہ بھی بتا دیا تھا کہ صلیبی کوشش کریں گے کہ مسلمان امراء کو سلطان ایوبی کے خلاف اس طرح لڑایا جائے کہ جنگ طول پکڑ جائے تاکہ سلطان ایوبی پہاڑی علاقے سے باہر نہ نکل سکے اور محصور ہو کر دفاعی جنگ لڑتا لڑتا ختم ہو جائے۔

اُس کے جاسوس اُسے یہ نہیں بتا سکے تھے کہ تو فدائی اُسے قتل کرنے کے لیے آرہے ہیں۔ اُس کی نظر اپنی جان پر نہیں میدانِ جنگ پر تھی۔ اُس نے دیکھ بھال کے لیے دُور دُور تک آدمی پھیلا رکھے تھے۔

اس سے دوسرے ہی دن حرن سے سلطان ایوبی کا ایک جاسوس آیا جس نے اطلاع دی کہ سالار شمس الدین اور سالار شاد بخت کو قید خانے میں ڈال دیا گیا ہے کیونکہ انہوں نے قاضی ابن الخاشب کو قتل کر دیا ہے۔ جاسوس کو قتل کی وجہ کا علم نہیں تھا۔ سلطان ایوبی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ ان دونوں بھائیوں کے ساتھ اُس نے بہت سی اُمیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ اُسے معلوم تھا کہ گمشتگین کی فوج کی کمان اِن دونو کے ہاتھ ہو گی اور اُن کی فوج لڑے بغیر تتر بتر کر دی جائے گی۔ جاسوس نے یہ اطلاع بھی دی کہ اب میدانِ جنگ میں فوج کی کمان گمشتگین خود کرے گا اور یہ بھی کہ وہ اپنی فوج مشترکہ کمان میں دے رہا ہے۔

"حسن بن عبداللہ!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "یہ دونو بھائی زیادہ دن قید میں نہ رہیں۔ اِس آدمی (جاسوس) سے معلوم کرو کہ حرن میں اپنے کتنے آدمی ہیں اور کیا وہ ان دونو سالاروں کو قید خانے سے فرار کرا سکتے ہیں؟ مجھے ڈر ہے کہ ان دونو کو گمشتگین قتل کرا دے گا۔ اُسے پتہ چل گیا ہو گا کہ یہ دونوں سالار میرے جاسوس ہیں۔ میں انتظار نہیں کر سکتا کہ حرن کو جا کر محاصرے میں لوں اور قلعہ سر کر کے انہیں رہا کراؤں۔ پیشتر اس کے کہ گمشتگین کوئی اوچھا فیصلہ کر بیٹھے انہیں اُس کے قید خانے سے آزاد کراؤ۔ میں دو سالاروں کے لیے اپنے دو سو چھاپہ ماروں کو مروانے کے لیے تیار ہوں۔ حرن میں اپنے آدمیوں کی کمی ہو تو یہاں سے چھاپہ مار بھیجو۔"

"بندوبست ہو جائے گا۔" حسن بن عبداللہ نے کہا۔

☆

حلب چونکہ سلطان ایوبی کے مخالفین کا مرکز بن گیا تھا، اس لیے صلیبیوں نے جو تیر و کمان، آتش گیر مادے کے مٹکے اور گھوڑے مدد کے طور پر بھیجے تھے وہ حلب لے جائے گئے۔ حلب والوں میں صلیبیوں نے یہ خوبی بھی دیکھی تھی کہ انہوں نے سلطان ایوبی کے محاصرے کا مقابلہ بڑی ہی بے جگری سے کیا تھا۔ اس کے علاوہ حلب سلطنت کی گدی بھی بن گیا تھا۔ صلیبی مشیروں نے موصل میں سیف الدین کو اور حرن میں گمشتگین کو پیغام بھیجے کہ اُن کی مشترکہ فوج کے لیے مدد آگئی ہے اور وہ فوراً حلب میں آجائیں۔ مؤرخین کے مطابق اُن کی ملاقات حلب شہر سے باہر ایک ہرے بھرے مقام پر ہوئی جہاں تینوں میں ایسا معاہدہ ہُوا جو تحریر میں نہ لایا گیا۔ معاہدے کو آخری شکل صلیبی مشیروں نے دی۔

اُس رات موصل کے قید خانے میں خطیب ابن المخدوم حسبِ معمول دیئے کی روشنی میں بیٹھا قرآن پڑھ رہا تھا۔ اُس کی بیٹی صاعقہ اُسی مکان کے ایک کمرے میں تھی جہاں اُسے تھیلے میں ڈال کر لے جایا گیا تھا۔ جس باڈی گارڈ کو اُس کے ساتھ پکڑا گیا تھا وہ دوسرے کمرے میں بند تھا۔ اس مکان میں اُن میں سے صرف دو آدمی تھے جو صاعقہ اور باڈی گارڈ کو اٹھا لائے تھے۔ اُن کے باقی ساتھی قید خانے کی دیوار کے ساتھ باہر کی طرف لگے کھڑے تھے۔ دیوار کا بالائی حصہ قلعے کی دیوار کی طرح تھا جس میں مورچے سے بنے ہوئے تھے۔ دیوار پر سنتری گھوم پھر

رہے تھے۔ اُن کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ وہ عہدیدار جس نے خطیب کو فرار کرانے کا وعدہ کیا تھا، دیوار پر چلا گیا۔ وہ سنتریوں کو دیکھتا پھر رہا تھا۔ اُس نے اُس دیوار والے سنتری کو جس کے نیچے آدمی کھڑے تھے بلایا اور اُسے اپنے ساتھ لے گیا۔

اُس نے کوئی اشارہ کیا۔ نیچے چُھپے ہوئے آدمیوں نے رسّہ اوپر پھینکا۔ رسّے کا سرا ایک مضبوط ڈنڈے کے درمیان میں بندھا ہُوا تھا اور ڈنڈے پر کپڑے لپیٹ دیئے گئے تھے تاکہ اُوپر دیوار پر گر کر زیادہ آواز نہ پیدا کرے۔ ڈنڈا اوپر جا کر اٹک گیا۔ ایک تو اندھیرا تھا دوسرے عہدیدار سنتری کو دُور لے گیا تھا۔ چار آدمی رسّے کے ذریعے اُوپر چڑھ گئے۔ یہی رسّہ اُوپر کھینچ کر اندر کی طرف نیچے گرا دیا گیا۔ چاروں نے خنجر نکال کر اپنے منہ میں پکڑ لیے اور رسّے سے نیچے اُتر گئے۔ انہیں عہدیدار نے اندر کا نقشہ سمجھا رکھا تھا۔ اندر کچھ روشنی تھی۔ کہیں کہیں مشعلیں جل رہی تھیں۔ کوٹھڑی کی ایک قطار کے آگے برآمدہ تھا جس میں ایک سنتری ٹہل رہا تھا۔ یہ چاروں چُھپ گئے۔ سنتری اُن کی طرف آیا تو ایک آدمی نے کہا۔ "اِدھر آنا بھائی"۔ وہ جونہی اُدھر گیا دو آدمیوں کی گرفت میں آگیا۔ دل پر خنجر کے دو وار کام کر گئے۔

چاروں آدمی چُھپ چُھپ کر آگے بڑھ رہے تھے۔ ایک خاصا آگے تھا۔ باقی تین بکھر کر چُھپتے چھپاتے اُس کے پیچھے جا رہے تھے۔ وہ قید خانے کے اُس حصے میں پہنچ گئے جو گولائی میں تھا۔ خطیب کی کوٹھڑی اسی حصے میں تھی۔ آگے جانے والا آدمی اس کوٹھڑی تک پہنچ گیا۔ خطیب نے دروازے کی طرف دیکھا۔ اُس نے قرآن بند کیا اور اُٹھ کر دروازے کی طرف آیا۔ اُس آدمی کے ہاتھ میں بڑی سی ایک چابی تھی۔ یہ عہدیدار نے ایک لوہار سے بنوائی تھی۔ اُسے قید خانے کی چابیوں سے پوری طرح واقفیت تھی۔ اُس آدمی نے تالے میں چابی لگائی تو تالا کُھل گیا۔ دوسرے لمحے خطیب کوٹھڑی سے باہر تھا۔ وہ واپس چل پڑے۔

دوڑتے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور یہ آواز ــــ "ٹھہر جا، کون ہے؟" ــــ اِدھر سے اُسے کہا گیا ــــ "بھاگ کے آ دوست"۔ یہ آواز اندھیرے سے اُبھری تھی۔ وہ جوں ہی اس جگہ پہنچا ایک خنجر اُس کے دل میں اُتر گیا۔ وہ آگے کو جُھکا تو اُس کی پیٹھ کی طرف سے ایک اور خنجر اُس کے دل تک جا پہنچا۔ خطیب کو رسّے تک لے آئے۔ سب سے پہلے ایک آدمی اوپر چڑھا، پھر خطیب اوپر آیا۔ عہدیدار نے سنتری کو ابھی تک کہیں دُور باتوں میں اُلجھا رکھا تھا۔ وہ سب اُوپر آئے۔ پھر رسّہ کھینچ کر باہر کی طرف پھینکا اور سب نیچے اُتر گئے۔ عہدیدار کو قید خانے کے باہر سے ایک گیدڑ کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ اُس نے سنتری کو دوسری طرف بھیج دیا اور خود وہاں آیا جہاں رسّہ لٹک رہا تھا۔ وہ تیزی سے رسّہ اُتر گیا۔

یہ سب اُس مکان میں چلے گئے جہاں صائقہ اور باڈی گارڈ تھے۔ اپنے باپ کو دیکھ کر صائقہ کے جذبات بے قابو ہو گئے۔ جب صبح طلوع ہوئی تو مُوصل سے میلوں دُور چار گھوڑے جا رہے تھے۔ ایک پر خطیب سوار تھا، دوسرے پر صائقہ، تیسرے پر قید خانے کا عہدیدار اور چوتھے پر ایک اور آدمی۔ یہ آدمی سلطان ایوبی کے جاسوسوں میں سے تھا۔ وہ باڈی گارڈ کو پکڑ کر لانے والی پارٹی میں بھی تھا۔ اُسی نے باڈی گارڈ سے بڑے قیمتی راز اگلوائے

تھے۔ وہ جب مُوصل سے بہت دُور پہنچ گئے تھے اُس وقت باڈی گارڈ کی لاش اُسی مکان میں کہیں دفن کی جا چکی تھی۔ رات کو جب یہ پارٹی فرار ہوئی تھی باڈی گارڈ کو قتل کر دیا گیا تھا۔

اس وقت قید خانے میں بھی قیامت بپا ہو چکی تھی۔ اندر دو سنتریوں کی لاشیں پڑی تھیں، خطیب غائب تھا۔ عہدیدار کا بھی کسی کو علم نہ تھا کہ کہاں چلا گیا ہے اور دیوار کے ساتھ باہر کی طرف ایک رسّہ لٹک رہا تھا۔ والیٔ مُوصل کے ہاں تو ایک روز پہلے سے ہی یہ قیامت بپا ہو چکی تھی کہ سیف الدین نے یہ حکم دے دیا تھا کہ اُس کا باڈی گارڈ صاعقہ کو قید خانے کے بہانے کسی اور جگہ لے جانے اور اُس تک پہنچانے کے لیے گیا تھا، لیکن لڑکی اتنی خوبصورت تھی کہ باڈی گارڈ کی نیت خراب ہو گئی اور وہ اُسے کہیں بھگا لے گیا۔ یہ تو وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ باڈی گارڈ کو لڑکی سمیت پکڑ لیا گیا ہے۔

☆

حرّان کے قید خانے میں سالار شمس الدین اور شاد بخت قید تھے۔ سلطان ایوبی نے حکم دے دیا تھا کہ انہیں وہاں سے نکالنے کا بندوبست کیا جائے لیکن انہوں نے حرّان میں اپنا جو گروہ تیار کر رکھا تھا وہ پہلے ہی بندوبست کر چکا تھا۔ ان سالاروں نے فوج اور انتظامیہ کی ہر سطح پر ایک ایک دو دو آدمی داخل کر رکھے تھے۔ سالاروں کے فرار میں دشواری یہ تھی کہ انہیں قید خانے کے تہ خانے میں رکھا گیا تھا۔ وہاں سے نکالنے کے لیے کوئی خصوصی طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت تھی۔ خدا نے اُن کی مدد کی۔ گمشتگین کو حلب سے بلاوا آ گیا اور وہ اپنے اعلیٰ حکام، مشیروں اور محافظوں کو ساتھ لے کر روانہ ہو گیا۔ شمس الدین اور شاد بخت کی گرفتاری کے متعلق صرف گمشتگین کے قریبی حلقوں کو علم تھا۔ قاضی کے قتل کو بھی شہرت نہیں دی گئی تھی۔ فوج تک کو ابھی معلوم نہ تھا کہ اُن کے دو اعلیٰ کمانڈروں کو قید خانے میں ڈال دیا گیا ہے۔

گمشتگین کے جانے کے ایک روز بعد قید خانے کے داروغہ نے دیکھا کہ تین گھوڑسوار گھوڑے دوڑاتے آرہے ہیں۔ وہ گرد سے باہر آئے تو اُس نے دیکھا کہ ان کے ساتھ دو گھوڑے خالی ہیں۔ دن کا وقت تھا۔ گھوڑے قید خانے کے دروازے پر آکر رُک گئے۔ ایک سوار نے حرّان کی فوج کا جھنڈا بھی اُٹھا رکھا تھا۔ یہ جھنڈا میدانِ جنگ میں سالارِ اعلیٰ کے ساتھ ہوتا تھا۔ ان سواروں میں ایک کماندار تھا اور دوسرے دو سوار سپاہی تھے۔ وہ محافظ دستے کے معلوم ہوتے تھے۔ قید خانے کا داروغہ جو بڑے دروازے کی سلاخوں میں سے دیکھ رہا تھا، اس کماندار کو جانتا تھا۔ وہ باہر آ گیا۔ کماندار سے پوچھا کہ وہ کیوں آئے ہیں؟

"بادشاہوں کے حکم نرالے ہوتے ہیں"۔ ــــ کماندار نے کہا ــــ "شراب کے نشے میں ان سالاروں کو قید میں ڈال دیا جن کے بغیر فوج ایک قدم نہیں چل سکتی۔ اب حکم ملا ہے کہ دونوں کو قید خانے سے نکالا جائے"۔

"آپ دونوں سالاروں کو لینے آئے ہیں؟" ــــ داروغہ نے پوچھا۔

"ہاں!" کماندار نے کہا ــــ "انہیں جلدی لے جانا ہے"۔

"آپ کے پاس قلعہ دار امیر گمشتگین کا تحریری حکم نامہ ہے؟" ــــ داروغہ نے کہا ــــ "وہ تو کہیں باہر

چلے گئے ہیں۔"

"میں وہیں سے آیا ہوں"۔۔۔ کماندار نے کہا۔۔۔ "میں رات کو ہی آگیا تھا۔ انہیں اب تحریری حکم نامہ جاری کرنے کا ہوش نہیں رہا۔ ہماری فوج حلب اور موصل کی فوجوں کے ساتھ مل کر سلطان ایوبی پر حملہ کرنے جا رہی ہے۔ اگر ہم نے وقت ضائع کر دیا تو ایوبی حملہ کر دے گا۔ خطرہ بڑھ گیا ہے۔ گمشتگین اسی سلسلے میں حلب گیا ہے۔ اُسے جو خطرہ نظر آرہا ہے، اس نے اُس کے ہوش ٹھکانے کر دیئے ہیں۔ اسے احساس ہو گیا ہے کہ ان دو سالاروں کے بغیر وہ لڑ نہیں سکے گا۔ اس نے مجھے حلب کے راستے سے واپس دوڑا دیا کہ اُن دونوں کو ان کے جھنڈے کے ساتھ پورے اعزاز سے لاؤ۔ اسی حکم کے تحت ہم اُن کا جھنڈا اور گھوڑے لائے ہیں۔"

داروغہ اسے اندر لے گیا۔ دونوں سپاہی بھی ساتھ چلے گئے۔ وہ تہ خانے میں گئے۔ سالار دو مختلف کوٹھڑیوں میں بند تھے۔ پہلے ایک سالار کو نکالا گیا۔ کماندار نے اُسے فوجی انداز سے سلام کر کے کہا۔۔۔ "امیر حرن گمشتگین نے آپ کی رہائی کا حکم بھیجا ہے۔ آپ کا گھوڑا اور آپ کا ذاتی محافظ ہمارے ساتھ ہے۔ آپ کے لیے حکم ہے کہ تیار ہو کر فوراً حلب پہنچیں۔"

"معلوم ہوتا ہے شراب کا نشہ اُتر گیا ہے"۔۔۔ سالار نے کہا۔

"میری حیثیت ایسی نہیں کہ آپ کی رائے کی تائید یا تردید کر سکوں"۔۔۔ کماندار نے کہا۔۔۔ "میرا کام حکم پہنچانے اور آپ کے ساتھ جانے تک محدود ہے۔"

داروغہ نے اُن کی باتیں غور سے سنیں۔ اسے یقین ہو گیا کہ یہ کوئی گڑبڑ نہیں لیکن دوسرے سالار کو نکالنے لگے تو داروغہ کو شک ہو گیا۔ اس سالار نے کماندار کو دیکھا تو جذبات سے مغلوب ہو کر بولا۔۔۔ "تم آگئے؟ سب ٹھیک ہے؟"۔۔۔ اُس نے داروغہ کی موجودگی کو نظر انداز کر دیا تھا۔ داروغہ اناڑی نہیں تھا۔ اُس کی عمر قید خانے میں گزری تھی۔ اُس نے کوٹھڑی کا تالا کھول دیا تھا۔ دروازہ کھلنا باقی تھا۔ اس نے تالا پھر چڑھا دیا اور بولا۔ "تحریری حکم نامے کے بغیر میں انہیں رہا نہیں کروں گا۔"

کماندار نے اُس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور اس سے چابی چھین لی۔ دو سپاہی جو سالاروں کے باڈی گارڈ بن کے آئے تھے، داروغہ کی پیٹھ کے ساتھ لگ گئے۔ دونوں نے خنجر نکال کر ان کی نوکیں اُس کی پیٹھ پر رکھ دیں۔ کماندار نے اُسے سرگوشی میں کہا۔۔۔ "تم سلطان صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار جانبازوں کے قبضے میں ہو۔ تم جانتے ہو سلطان ایوبی کے چھاپہ مار کیا کیا کرتے ہیں۔ اونچی آواز نہ نکلے۔"

کماندار نے دروازہ کھلوا۔ داروغہ کو دھکیل کر اس طرح کوٹھڑی میں لے گئے کہ قریب سے گزرنے والوں کو بھی شک نہیں ہو سکتا تھا کہ یہاں کوئی جرم ہو رہا ہے۔ اندر لے جا کر اُسے سلاخوں والے دروازے سے پرے کر لیا گیا۔ ایک سپاہی نے بڑی تیزی سے ایک رسی جو بمشکل پون گز لمبی تھی، اُس کی گردن کے گرد لپیٹ کر رسی کو مروڑا اور دو تین جھٹکے دیئے۔ داروغہ کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔ وہ ٹھنڈا ہو گیا تو اُسے پنجرے کے اُس چوڑے بنچ پر ڈال دیا گیا جس پر قیدی سویا کرتے تھے۔ لاش پر کمبل ڈال دیا گیا۔ اس سالار نے بے موقع جذباتی ہو کر یہ

شکل پیدا کر دی تھی۔

اِن لوگوں نے باہر نکل کر دروازے پر تالا چڑھا دیا اور چابی اپنے ساتھ لے گئے۔ باہر کے دروازے کی چابیاں داروغہ کے پاس تھیں۔ وہ بھی اس سے چھین لی گئی تھیں۔ یہ پارٹی وہاں سے چلی۔ تہ خانے سے اوپر آئی تو نیچے کے سنتری نے جا کر خالی کوٹھڑیوں کو دیکھنا چاہا۔ وہ دُور سے دیکھ رہا تھا کہ قید خانے کا داروغہ دو قیدیوں کو رہا کر رہا تھا۔ سنتری یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اُس نے دونوں قیدی سالاروں کو باہر جاتے دیکھا ہے لیکن ایک کوٹھڑی میں ایک قیدی پڑا ہے۔ اس پر چونکہ کمبل پڑا تھا، اس لیے وہ پہچان نہ سکا کہ وہ کون ہے۔ دوسری کوٹھڑی خالی تھی۔ اس نے کمبل میں لپٹے ہوئے قیدی کو آوازیں دیں مگر وہ نہ بولا۔ دروازہ مقفل تھا۔ سنتری نے سلاخوں میں سے برچھی اندر کی۔ اس کی نوک قیدی تک پہنچ گئی۔ اس نے نوک قیدی کو چبھوئی۔ وہ پھر بھی نہ اُٹھا۔ برچھی سے اُس نے کمبل ہٹا کر اُس کا چہرہ ننگا کر دیا۔ یہ دیکھ کر گھبرا گیا کہ وہ تو قید خانے کا داروغہ تھا۔ آنکھوں اور چہرے سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ مرا ہوا ہے۔

اُس نے وہیں سے چلانا شروع کر دیا۔۔۔ "خبردار، خبردار، قیدی نکل گئے"۔۔۔ وہ اُوپر کو دوڑا۔ اُس کی پکار پر نقارہ بجنے لگا۔ یہ الارم تھا۔ اُس وقت فرار ہونے والی پارٹی بڑے دروازے پر پہنچ گئی تھی۔ سنتری دوڑا آرہا تھا۔ بڑے گیٹ کی چابیاں کماندار کے پاس تھیں۔ انہوں نے قدم تیز کر دیئے اور اندرونی تالے کو چابی لگائی۔ سنتری نے دُور سے کہا۔۔۔ "انہیں روک لو۔ داروغہ کوٹھڑی میں مرے ہوئے ہیں۔"

نقارے کی آواز پر قید خانے کے تمام سنتری اپنی اپنی ڈیوٹی پر پہنچ گئے۔ باہر کی گارد دوڑی آئی۔ دروازہ کھول دیا گیا۔ چونکہ یہ خطرے کا الارم تھا، اس لیے باہر سے آنے والی گارد کی لشکری ٹریننگ کے مطابق بہت تیزی سے دروازے میں داخل ہوئی۔ سب سے بڑا خطرہ یہ ہوا کرتا تھا کہ قیدیوں نے بغاوت کر دی ہوگی یا کہیں آگ لگ گئی ہوگی۔ وہ سنتری جو چیختا چلاتا آرہا تھا، باہر سے آنے والی گارد کے سیلاب میں گم ہو گیا۔ اس ہڑبونگ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرار ہونے والے باہر نکل گئے۔ گھوڑے باہر کھڑے تھے۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے لیکن گھوڑے گھوم کر چلے تو کسی نے انہیں للکارا۔۔۔ "رُک جاؤ، مارے جاؤ گے"۔۔۔ انہوں نے گھوڑوں کو ایڑ لگا دی۔ پیچھے سے ایک ہی بار تیروں کی بوچھاڑ آئی۔ دو تیر کماندار کی پیٹھ میں اُتر گئے اور ایک تیر ایک سالار کے گھوڑے کے پچھلے حصے میں لگا۔ کماندار نے جسم میں دو تیر لے کر بھی اپنے آپ کو سنبھالے رکھا۔ سالار شمس الدین کا گھوڑا تیر کھا کر بدکا۔ شمس الدین نے اُسے سنبھالنے کی کوشش کی اور اُسے کماندار کے گھوڑے کے قریب لے جا کر اُس کے گھوڑے پر کود گیا۔ کماندار آگے کو جھک گیا۔ شمس الدین نے اس کے ہاتھ سے باگیں لے لیں۔ پیچھے سے اور تیر آئے لیکن گھوڑوں کی رفتار اچھی تھی، زد سے نکل گئے۔

انہوں نے پیچھے دیکھا۔ قید خانہ دُور رہ گیا تھا لیکن دس بارہ گھوڑ سوار اُن کے تعاقب میں گھوڑے دوڑا چلے تھے۔ آگے علاقہ کھلا تھا۔ آبادی دوسری طرف تھی۔ فرار ہونے والوں نے گھوڑوں کو انتہائی رفتار پر ڈال دیا۔ ان کے پاس ہتھیاروں کی کمی تھی۔ دونوں سالار نہتے تھے۔ کماندار شہید ہو رہا تھا۔ وہ مقابلہ کرنے

کی حالت میں نہیں تھے۔ آگے چٹانیں اور ٹیلے آ گئے۔ ایک سالار نے کہا۔ "بکھر جاؤ۔ اکیلے اکیلے ہو جاؤ" وہ سنبھے ہوئے سوار تھے۔ تعاقب کرنے والے ابھی دُور تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ فرار ہونے والے ایک دوسرے سے دُور دُور ہو کر چٹانوں میں غائب ہو گئے ہیں۔ وہ سست پڑ گئے اور نکلنے والے نکل گئے۔

☆ ☆

گناہوں کا کفّارہ

اُس وقت حلب کے باہر تینوں مسلمان امراکی جو کانفرنس منعقد ہوئی تھی برخاست ہو گئی۔ انہوں نے سلطان پر حملے کا پلان بنا لیا تھا۔ زیادہ تر عقل صلیبی مشیروں کی استعمال کی گئی تھی۔ انہوں نے یہ بھی طے کر لیا تھا کہ تینوں فوجوں کی ترتیب کیا ہوگی۔ حملے کے لیے گمشتگین کی فوج کو آگے رکھنا تھا۔ اُس کے پہلوؤں کی حفاظت کی ذمّہ داری حلب کی فوج کی تھی اور پہلے حملے کے بعد دوسرا حملہ جو سلطان ایوبی کے جوابی حملے کو روکنے کے لیے کرنا تھا، سیف الدین کے سپرد کیا گیا تھا۔ سیف الدین نے اس متحدہ محاذ کو یہ دھوکہ دیا کہ وہ اپنی فوج کا ایک حصّہ اپنے بھائی عزالدین مسعود کی کمان میں چھوڑ آیا تھا۔ مشترکہ کمان کو اُس نے یہ بتایا تھا کہ یہ محفوظ ہے جسے وہ ہنگامی حالات میں استعمال کرے گا، مگر اپنے بھائی کو اُس نے کہا تھا کہ وہ حلب اور حرن کی فوجوں کی کیفیت دیکھ کر آگے آئے۔ اگر جنگ کی حالت ہمارے خلاف ہو گئی تو محفوظ کو مُوصل کے دفاع میں استعمال کیا جائے اور اگر جوابی حملے میں شریک ہونا ہی پڑا تو یہ شرکت ایسی ہو کہ موصل کا اور اپنے مفاد کا زیادہ خیال رکھا جائے۔

ماہِ رمضان شروع ہو چکا تھا۔ ان تینوں فوجوں میں اعلان کر دیا گیا تھا کہ جنگ کے دوران روزے کی کوئی پابندی نہیں۔ تین چار روز بعد تینوں افواج اپنے اپنے شہر سے کُوچ کر گئیں۔ انہیں قرونِ حماۃ کے قریب آکر اکٹھے ہونا اور حملے کی ترتیب میں آنا تھا۔

اس کُوچ سے دو روز پہلے سلطان ایوبی اپنی مورچہ بندی دیکھ رہا تھا جب اُسے اطلاع ملی کہ حرن سے دو سالار مفرور ہو کر آئے ہیں اور اُن کے ساتھ ایک لاش ہے۔ سلطان ایوبی نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ وہاں جا کر وہ گھوڑے سے کُود کر اُترا اور دونوں سالاروں کو گلے لگایا۔ پھر دونوں سپاہیوں سے گلے ملا۔ یہ دونوں اس کے نامور چھاپہ مار جاسوس تھے۔ کمانڈر بھی اس کا جاسوس تھا اور ایک عرصے سے گمشتگین کی فوج میں تھا۔ سلطان ایوبی نے لاش کے گالوں کا بوسہ لیا اور حکم دیا کہ لاش دمشق بھیج دی جائے اور شہیدوں کے قبرستان میں دفن کی جائے۔

"آپ یہاں بیٹھے کیا سوچ رہے ہیں؟" ____ سالار شمس الدین نے اپنی بپتا سنانے سے پہلے جنگی باتیں شروع کر دیں۔

"میں کمک کا انتظار کر رہا ہوں" ____ سلطان ایوبی نے کہا ____ "گذشتہ رات اطلاع ملی ہے کہ کمک آج

رات پہنچ جائے گی۔ اسے قاہرہ سے آنا تھا، اس لیے اتنے دن لگ گئے ہیں۔"

سلطان ایوبی نے دونوں بھائیوں کو تفصیل سے بتایا کہ اس کی نفری کتنی ہے اور اسے اُس نے کس طرح ڈیپلائے کر رکھا ہے۔ اسی وقت سلطان ایوبی نے اپنے تمام دستوں کے کمانڈروں کو بلایا اور شمس الدین اور شادبخت سے ملایا۔ پرانے افسر دونوں کو جانتے تھے۔ سلطان ایوبی نے دونوں سے کہا کہ وہ اس کے کمانڈروں کو بتائیں کہ جو افواج حملہ کرنے آرہی ہیں ان کی جنگی اہلیت کیسی اور جذباتی کیفیت کیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ فوج بہرحال فوج ہوتی ہے۔ دشمن کو اناڑی اور کمزور سمجھنا ایک جنگی لغزش تصور کی جاتی ہے۔ یہ نہ بھولیں کہ یہ مسلمان افواج ہیں جن کے سپاہی پیٹھ دکھانے کے عادی نہیں۔ سپاہیوں میں عسکری روح موجود ہے۔ وہ پورے جوش و خروش سے لڑیں گے۔ اُن کے ذہنوں میں یہ ڈالا گیا ہے کہ آپ لوگ درندے، وحشی اور عورتوں کے شکاری ہیں اور سلطان صلاح الدین اپنی سلطنت کو وسعت دینے آیا ہے۔ صلیبیوں نے اُن کے دلوں میں آپ کے خلاف نفرت بھر رکھی ہے۔

سالاروں نے بتایا کہ جہاں تک اُن کی قیادت کا تعلق ہے، وہ قابلِ تعریف نہیں۔ ان میں کوئی بھی سُلطان ایوبی نہیں ـــ سیف الدین اور گمشتگین اپنے ذاتی مفاد کے لیے لڑنے آرہے ہیں۔ دونوں اپنے حرم اور شراب کے مٹکے ساتھ لائیں گے۔ ہماری جگہ گمشتگین اپنی فوج کی کمان خود کرے گا۔ یہ قیادت فوج کو طریقے سے لڑا نہیں سکے گی۔ پھر بھی آپ کو محتاط ہو کر لڑنا پڑے گا۔ وہ آپ کو ان پہاڑیوں میں محاصرے میں لینا چاہتے ہیں۔ تینوں فوجوں کی کمان مشترک ہو گئی ہے لیکن وہ دل سے متحد نہیں۔

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ خطیب ابن المخدوم، صاعقہ، قید خانے کا عہدیدار اور ایک جاسوس پہنچ گئے۔ وہ راستہ بھول گئے تھے اس لیے دیر سے پہنچے۔ سلطان ایوبی کو معلوم تھا کہ خطیب اس کا حامی ہے اور وہ مُوصل میں اس کے جاسوسوں کی راہنمائی اور نگرانی کرتا رہا ہے۔ سلطان ایوبی نے اُسے بھی اجلاس میں شامل کر لیا اور اُسے کہا کہ وہ موصل کی فوج کے متعلق کچھ بتائے۔

"وہ امیر اپنی فوج کو کس طرح لڑائے گا جو شراب اور عورت کا رسیا ہو اور قرآن سے فال نکال کر فیصلے کرتا ہو" ـــ خطیب نے کہا ـــ "جس کے سینے میں ایمان ہی نہیں وہ میدانِ جنگ میں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں قرآن سے فال نکال کر بتاؤں کہ سلطان ایوبی کے خلاف جنگ میں اُسے فتح ہوگی یا شکست۔ میں نے اُسے بتایا کہ چونکہ اس کا یہ اقدام قرآنی احکام کے خلاف ہے اس لیے اُسے شکست ہوگی۔ اس نے مجھے قید میں ڈال دیا۔ وہ قرآن کو جادو کی کتاب سمجھتا ہے۔ میں آپ کو قرآن کی کرامات سناتا ہوں۔ میرا فرار قرآن کی بدولت ممکن ہوا ہے۔ سیف الدین نے میری بیٹی کو اغوا کرنے کی کوشش کی لیکن میری بیٹی بال بال بچ گئی۔ میں آپ سب کو یہ مژدہ سناتا ہوں کہ اگر آپ قرآنی احکام کے پابند رہے اور جنگ کو قومی اور مذہبی سطح پر رہنے دیا تو فتح آپ کی ہوگی۔ یہ جنگ کا مذہبی پہلو ہے۔ فنی پہلو کے متعلق میں یہ مشورہ دوں گا کہ چھاپہ ماروں کو زیادہ استعمال کریں۔ آپ کا تو طریقہ ہی یہی ہے لیکن ان مسلمان بھائیوں کے خلاف یہ طریقہ زیادہ استعمال کریں۔ انہیں راتوں کو بھی چین نہ لینے دیں۔"

خطیب کو جس عہدیدار نے فرار کرایا تھا وہ بھی ساتھ تھا۔ اُس کی درخواست پر اُسے فوج میں شامل کر لیا گیا اور خطیب کو اس کی بیٹی صاعقہ کے ساتھ دمشق بھیج دیا گیا۔ سالار شمس الدین اور سالار شادبخت کو سلطان ایوبی نے اپنے ساتھ رکھا۔

☆

حلب، حران اور مُوصل کی افواج کوچ کرتی آرہی تھیں۔ اِدھر سلطان ایوبی کے لیے مصر سے جو کمک آرہی تھی وہ قریب آگئی تھی۔ تاریخ یہ دیکھ رہی تھی کہ سلطان ایوبی تک دشمن کی فوج پہلے پہنچتی ہے یا کمک۔ وہ بہت پریشان تھا۔ وہ محاصرے سے ڈرتا تھا۔ کمک کے بغیر محاصرہ توڑنا آسان نہیں تھا۔ اُس نے دماغی قوت کا آخری ذرہ بھی اس مسئلے پر صرف کر ڈالا کہ وہ محاصرے میں آگیا تو اتنی تھوڑی نفری سے محاصرہ کس طرح توڑے گا۔ وہ اس قدر پریشان ہو گیا کہ اس نے اپنی اعلیٰ کمان کے سالاروں سے بھی اس کا اظہار کر دیا۔ اُس نے کہا ـــ "چھاپہ مار دستوں کو مکمل طور پر اپنے قابو میں اور اپنی نظر میں رکھنا۔ کمک کا کچھ پتہ نہیں۔ محاصرے کا خطرہ ہے۔ محاصرہ صرف چھاپہ مار ہی توڑ سکیں گے۔"

"اللہ کو جو منظور ہوگا وہ ہو کر رہے گا" ـــ ایک سالار نے کہا ـــ "یہ قلعہ تو نہیں جس میں محصور ہو کر ہم لڑ نہیں سکیں گے۔ ان چٹانوں پر ہم گھوم پھر کر لڑیں گے۔"

اُس رات بھی وہ اچھی طرح سو نہ سکا۔ اس کے خیمے میں قندیل جلتی رہی۔ اس نے میدانِ جنگ اور اس علاقے کا جو نقشہ بنایا تھا اسی کو دیکھتا اور اس پر نشان لگاتا رہا۔ اگر اُسے کوئی غیر فوجی دیکھتا تو یہی کہتا کہ وہ شطرنج کھیلنے کی مشق کر رہا ہے۔ سحری کھانے کے لیے جب نقارے بجے اور اس کی فوج جاگ اٹھی تو اس کی بھی آنکھ کھلی۔ اُسے دو خبریں اکٹھی ملیں۔ ایک یہ کہ کمک پہنچ گئی ہے اور دوسری یہ کہ دشمن کی افواج آٹھ دس کوس تک آگئی ہیں اور شاید کل ہمارے سر پر آجائیں گی۔ یہ دیکھ بھال کی کسی پارٹی کا کمانڈر تھا۔ اس نے بتایا کہ دشمن کی پیش قدمی تین حصوں میں ہو رہی ہے۔ ایک حصہ آگے ہے دوسرا پیچھے اور تیسرا اس سے پیچھے۔

سلطان ایوبی نے جو معلومات لینی تھیں لے لیں۔ اس نے یہ اطلاعیں لانے والوں کو بھیج دیا اور دربان سے کہا کہ وہ چھاپہ مار دستوں کے کمانڈر اور کمک کے اعلیٰ کمانڈروں کو فوراً بلا لائے اور انہیں کہے کہ وہ سحری اُس کے ساتھ کھائیں۔ اس نے جلدی جلدی وضو کیا اور کمک آجانے پر شکرانے کے نفل پڑھے، پھر خدا سے کامیابی کی التجا کی.... تھوڑی ہی دیر میں چھاپہ ماروں کا کمانڈر آگیا اور اس کے بعد کمک کے چار کمانڈر آگئے۔ سحری کا کھانا بھی آگیا۔ کمک اس کی توقع سے کم تھی لیکن ان حالات میں یہی کافی تھی۔ العادل نے اسلحہ جو بھیجا تھا اس سے سلطان ایوبی مطمئن ہو گیا۔ اسلحہ میں چھوٹی اور بڑی منجنیقیں زیادہ تھیں اور آتش گیر مادہ بھی بہت زیادہ تھا۔ کمک نفری کے لحاظ سے تھوڑی تھی لیکن یہ نفری چونکہ تجربہ کار تھی اس لیے کارگر تصور کی جاتی تھی۔ البتہ یہ دشواری نظر آرہی تھی کہ اس فوج اور گھوڑوں کو پہاڑی لڑائی کا تجربہ نہیں تھا۔

اتنے میں انٹیلی جنس کا سربراہ حسن بن عبداللہ بھی آگیا۔ اس نے بتایا کہ حلب سے اپنا ایک جاسوس آیا

ہے جس نے یہ معلومات دی ہیں کہ صلیبیوں نے اس مشترکہ لشکر کو تیروں اور کمانوں کا ذخیرہ، آتش گیر مادے کے مٹکے اور پانچ سو گھوڑے بھیجے ہیں۔ جاسوس نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ پیش قدمی کے بعد آیا ہے۔ اس لیے اُس نے دیکھا ہے کہ یہ مٹکے اونٹوں پر لاد کر لائے گئے ہیں۔ یہ قافلہ الگ تھلگ فوج کے ساتھ ہے۔ منجنیقیں بھی ساتھ ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دشمن منجنیقوں سے آگ کے گولے پھینکے گا اور فلیتے والے آتشیں تیر چلائے گا۔

سلطان ایوبی نے چھاپہ مار دستوں کے اعلیٰ کمانڈر سے کہا — "تمہیں سب کچھ بتایا جا چکا ہے۔ اپنا کام تم جانتے ہو۔ اب پہلے منصوبے میں یہ ترمیم کرلو کہ جب تک دشمن حملہ نہ کرے اُس پر کہیں بھی شب خون نہ مارنا۔ اطلاع کے مطابق وہ سیدھا قرونِ حماۃ کی طرف آرہا ہے۔ شب خون مارو گے تو اُس کی رفتار سست ہو جائے گی۔ حملے کے بعد تمہیں معلوم ہے کہ میں جوابی حملہ نہیں کروں گا۔ دشمن کو میرے حملے کی توقع ہوگی جو میں سامنے سے نہیں عقب سے کروں گا۔ تمہارا کام اُس وقت شروع ہوگا جب دشمن عقب کے حملے سے گھبرا کر اِدھر اُدھر نکلنے کی کوشش کرے گا۔ ان پہاڑیوں میں سے دشمن کا ایک بھی سپاہی نکل کر نہ جائے۔ زیادہ سے زیادہ قیدی پکڑو۔ وہ مسلمان سپاہی ہیں۔ تمہاری قید میں آئیں گے تو حق اور باطل کو سمجھ جائیں گے۔ یہی میرا منشا ہے۔ ہمارے مقابلے میں آکر ہمارے تیروں اور ہماری تلواروں سے جو مرتا ہے اُسے مرنے سے میں روک نہیں سکتا....

"تمہارے سامنے یہ اطلاع آئی ہے کہ دشمن آتش گیر مادے کے مٹکے لا رہا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ یہ صحیح حالت میں ہمارے قبضے میں آجائیں لیکن ان سے تم ایک فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ اپنے کسی دستے کے دس بارہ منتخب چھاپہ ماروں کو یہ کام سونپو کہ وہ حملے کے دوران شب خون مار کر ان مٹکوں کو توڑ دیں اور آگ لگا دیں۔ دن کے وقت وہ دیکھ لیں کہ مٹکوں کا قافلہ کہاں ہے۔ سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ دشمن ابھی ندی تک نہیں پہنچا۔ گھوڑوں کو پانی پلا لو اور مشکیزے بھر لو۔ موسم سرد ہے اور یہ صحرا نہیں، پیاس سے کوئی مرے گا نہیں پھر بھی یہ جنگ ہے اور پیاس پریشان کرے گی۔"

اُسے رخصت کرکے اُس نے کمک کے کمانڈروں سے کہا — "تم لوگ صرف یہ ذہن میں رکھنا کہ یہ مصر کا صحرا نہیں پہاڑی علاقہ ہے اور ٹھنڈ ہے۔ دھوپ نکلے گی اور بھاگو دوڑو گے تو گرمی آجائے گی۔ یہاں تمہیں 'ضرب لگاؤ اور کسی اور طرف نکل جاؤ' کا موقعہ ضرور ملے گا۔ تمہیں اس کی تربیت دی گئی ہے لیکن یہاں خیال رکھنا کہ تمہارے لیے زمین محدود ہے۔ صحرا میں تو کئی کئی کوس کا چکر کاٹ کر دشمن کے اوپر آسکتے ہو اور تمہیں اپنی چال دہرانے کے لیے لامحدود میدان مل سکتا ہے۔ یہاں میں نے دشمن کو جس جگہ گھسیٹ کر لانے کا بندوبست کیا ہے وہ میدان ہی ہے لیکن محدود ہے۔ وقت نہیں کہ تمہیں چٹانوں اور ٹیکریوں سے متعارف کرایا جائے، اس لیے اپنی عقل استعمال کرنا۔ تیراندازوں کو چٹانوں پر رکھنا۔ گھوڑوں کو ٹیکریوں پر نہ لے جانا، جلدی تھک جائیں گے۔ ہمارے گھوڑے کچھ عادی ہو گئے ہیں۔"

اُس نے کمک کو محفوظہ کے طور پر رکھ لیا اور کمانڈروں کو اپنی اعلیٰ کمان کے سالاروں کے سپرد کر دیا۔ ان سالاروں کو جنگ کا پلان دیا جا چکا تھا۔

وادیوں میں صبح کی اذان کی کئی مقدس آوازیں گونج رہی تھیں۔ سلطان ایوبی نے غسل کیا۔ اپنی تلوار نیام سے نکالی۔ اُس کی چمک اور دھار دیکھی اور جذبات اچانک اُبل پڑے۔ اُس نے تلوار دونوں ہاتھوں پر رکھی، قبلہ رُو ہو کر ہاتھ اٹھائے۔ آنکھیں بند کرکے اُس نے خدا کو پکارا — "خدائے عزوجل! تیری خوشنودی اس میں ہے کہ مجھے شکست دے تو میں اس ذلت کے لیے تیار ہوں۔ فتح دے تو تیری ذات باری کا شکر ادا کروں گا۔ آج میں تیرے رسولؐ کے نام لیواؤں کے خلاف لڑ رہا ہوں۔ اگر یہ گناہ ہے تو مجھے اشارہ دے کہ میں اپنی تلوار اپنے پیٹ میں اتار دوں۔ میں اُن بچیوں کی روح کی پکار پر آیا ہوں جن کی عصمتیں صرف اس لیے لٹ گئی ہیں کہ وہ تیرے رسولؐ کی اُمت سے تھیں۔ مجھے تیرے وہ بے بس بندے پکار رہے ہیں جو مسلمان ہونے کی وجہ سے کفار کے ظلم و تشدد کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ میں تیرے عظیم مذہب کی عظمت اور عصمت کی حفاظت کے لیے صحراؤں، جنگلوں اور پہاڑوں میں بھٹکتا پھر رہا ہوں۔ میرے رسولؐ! میرے رسولِ مقبول! میرے سچے ربّ ذوالجلال! میں آپ کے قبلۂ اوّل کو آزاد کرانے چلا تھا۔ رسولؐ کی اُمت میرے راستے میں آگئی ہے۔ مجھے اشارہ دو کہ ان کا خون بہانا مجھ پر حلال ہے یا نہیں۔ میں گمراہ تو نہیں ہو گیا؟ مجھے اپنے نور کی روشنی دکھاؤ، اگر میں حق پر ہوں تو ہمت و استقلال عطا فرماؤ۔"

اُس نے سر جھکا لیا اور بہت دیر اسی حالت میں کھڑا رہا۔ پھر اچانک تلوار نیام میں ڈال لی اور باہر نکل گیا۔ اُس کے قدموں میں کچھ اور ہی شان تھی۔ وہ اُس جگہ چلا جا رہا تھا جہاں اس کے مرکز اور اعلیٰ کمان کے کمانڈر اور دیگر افراد باجماعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ جماعت کھڑی ہو رہی تھی۔ وہ پچھلی صف میں کھڑا ہو گیا۔ اس کے ایک طرف اُس کا باورچی اور دوسری طرف اس کے کسی کمانڈر کا اردلی کھڑا تھا۔

☆

نماز سے فارغ ہو کر سلطان ایوبی قرونِ حماۃ کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں اُسے باری باری چار قاصد ملے اور زبانی پیغام دیے۔ یہ دیکھ بھال کی پارٹیوں کے قاصد تھے جو حران، حلب اور موصل کی مشترکہ فوجوں کی نقل و حرکت اور سرگرمیوں کی خبریں لائے تھے۔ یہ سلسلہ دن رات چلتا رہتا تھا۔ سلطان ایوبی نے قاصدوں کو رخصت کر دیا۔ اُس کے ساتھ سالار شمس الدین تھا۔ اُس کے بھائی سالار شادبخت کو اُس نے کسی اور طرف متعین کر دیا تھا۔

"دشمن کے متعلق جو خبریں مل رہی ہیں ان کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟" شمس الدین نے پوچھا — "کیا ہم اتنی تھوڑی فوج سے اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کر سکیں گے؟"

"میرے لیے یہ کوئی مسئلہ نہیں کہ دشمن کتنا لشکر لایا ہے اور میرے پاس کیا ہے۔" سلطان صلاح الدین ایوبی نے جواب دیا۔ "میں پریشان اس پر ہوں کہ دشمن حملہ کیوں نہیں کرتا۔ میرے ان مسلمان بھائیوں کے پاس صلیبی جاسوس ہیں۔ کیا صلیبی اتنے اناڑی ہو گئے ہیں کہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ مصر سے میری کمک آرہی ہے اور میں کمک کے بغیر لڑ نہیں سکتا؟ اگر دشمن سرگرم ہوتا تو میرے تمام مسئلے حل ہو جاتے۔ دشمن کا یوں آکے بیٹھ جانا اور مجھے اتنا وقت دے دینا کہ میں کمک حاصل کرلوں، اسے ٹھکانے بھی لگا لوں، تمام تر فوج کے گھوڑوں کو پانی پلا کر پانی کا ذخیرہ بھی کرلوں، میرے لیے پریشان کن ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ دشمن کوئی ایسی چال چلے گا جو کبھی میرے دماغ

ہیں نہیں آتی۔ یہ لوگ کھیل تماشے کے لیے تو نہیں آئے۔"

"جہاں تک میں ان لوگوں کو جانتا ہوں" شمس الدین نے کہا: "ان کے پیش نظر کوئی ایسی چال نہیں۔ مجھے اپنے اللہ پر بھروسہ ہے۔ خدا نے ان کے دماغوں پر مہر ثبت کر دی ہے کیونکہ وہ باطل کی انگیخت اور مدد سے حق کے خلاف لڑنے آئے ہیں۔ ان کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہے۔ میں کسی گہری اور خطرناک چال کا خدشہ محسوس نہیں کر رہا۔"

"شمس بھائی!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "مجھے بھی اللہ پر ہی بھروسہ ہے لیکن میں جذبات اور فلسفے کی بجائے حقیقت کو دیکھا کرتا ہوں۔ حق پر باطل نے بھی کئی بار فتح پائی ہے کیونکہ حق والے اللہ کے بھروسے ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھ گئے تھے۔ حق خون اور جان کی قربانی مانگتا ہے۔ اگر ہم یہ قربانی دینے کے لیے تیار ہیں تو حق کی فتح ہوگی۔ باطل میں جو قوت ہے اس کا مقابلہ ہمیں میدان میں کرنا ہے۔ ہمیں حقائق پر نظر رکھنی ہے۔ اپنی پوری صلاحیتیں اور جسم کی تمام تر طاقت استعمال کرنی ہے۔ اس کے بعد کے نتائج اللہ پر چھوڑ دو۔ اپنے آپ کو خوش فہمیوں میں مبتلا نہ کرو۔"

وہ گھوڑے سے اترا۔ سالار شمس الدین، دو اور مشیر اور محافظ جو اس کے ساتھ تھے، گھوڑوں سے اترے۔ سلطان ایوبی، شمس الدین اور دونوں مشیروں کو ایک بلند چٹان پر لے گیا۔ ان کے سامنے چٹانوں میں گھرا ہوا وسیع میدان تھا جو سینگوں کی شکل کی چٹانوں سے آگے پھیلتا چلا گیا تھا۔ اس طرف جہاں سلطان ایوبی کھڑا تھا دو چٹانیں آگے پیچھے تھیں۔ ان کے درمیان وادی یا گلی تھی جو میدان میں کھلتی تھی۔ یہ گھوم پھر کر اس طرف باہر نکل جاتی تھی میدان میں چٹانوں کے ساتھ ساتھ سینکڑوں چھوٹے بڑے خیمے کھڑے تھے۔ ایک طرف اس فوج کے گھوڑے بندھے تھے جو خیموں میں تھی۔ سپاہی گھوم پھر رہے تھے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو دھوپ میں لیٹے ہوئے یا سوئے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھ کر معلوم ہوتا تھا جیسے انہیں معلوم ہی نہیں کہ ان پر ایک بہت بڑا لشکر کسی بھی وقت حملہ کرنے کے لیے ان کے سر پر بیٹھا ہے۔ اگر وہ جنگی تیاری میں ہوتے تو ان کے خیمے کھڑے رہنے کی بجائے لپٹے ہوئے کہیں اور رکھے ہوئے ہوتے اور ان کے گھوڑوں پر زینیں کسی ہوئی ہوتیں۔

"ان دستوں کے سالاروں اور کمانڈروں کو میں نے جو ہدایات دی ہیں وہ تم تینوں ایک بار پھر سن لو"—— سلطان ایوبی نے کہا: "ہو سکتا ہے میں تم سے پہلے مارا جاؤں اور جنگ شروع ہوتے ہی مارا جاؤں۔ میرے بعد میدان کی ذمہ داریاں تم سنبھالو گے۔ میں نے انہیں بتایا ہے کہ خیمے لگے رہنے دو۔ گھوڑے زینوں کے بغیر بندھے رہنے دو۔ فراغت کی حالت میں گھومو پھرو اور ادھر ادھر بیٹھے اور لیٹے رہو، لیکن خیموں میں اپنے ہتھیار اور گھوڑوں کی زینیں تیار رکھو۔ دشمن کے جاسوس تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ انہیں یہ تاثر دو کہ تمہیں دشمن کی کچھ خبر نہیں۔ جب دشمن کا لشکر آئے تو گھبراہٹ کا مظاہرہ کرو۔ ہتھیار اٹھا لو۔ خیمے پھر بھی کھڑے رہنے دینا۔ آگے بڑھ کر مقابلہ نہ کرنا۔ دشمن اوپر چڑھ آئے تو لڑتے ہوئے اتنی تیزی سے پیچھے ہٹنا کہ دشمن کے حملہ آور دستے تمہارے ساتھ ہی ان چٹانوں کے گھیرے میں آ جائیں۔ دشمن کو پسپائی کا تاثر دو۔"

سلطان ایوبی نے دو متوازی چٹانوں کے درمیان گلی کی طرف اشارہ کر کے کہا: "میں نے ان دستوں کو بتا دیا ہے کہ اس گلی میں آ کر پیچھے کو نکل جائیں۔ انہیں جہاں اکٹھا ہونا ہے وہ جگہ بھی انہیں بتا دی ہے۔" اس نے وہ جگہ اپنے رفیقوں کو بتا کر کہا: "ان دستوں کو دشمن کے عقب میں جانا ہوگا۔ ان چٹانوں پر میں نے دشمن کے استقبال کا جو بندوبست کر رکھا ہے وہ تمہیں معلوم ہے۔ یاد رکھو میرے دوستو! ہمیں یہاں کوئی علاقہ اور کوئی قلعہ فتح نہیں کرنا۔ ہمیں دشمن کو بے بس اور بے کار کرنا ہے تاکہ وہ ہمارے راستے سے ہٹ جائے۔ مجھے اپنے مسلمان بھائیوں کو دشمن کہتے ہوئے شرم آتی ہے مگر حالات کا تقاضا یہی ہے۔ میں انہیں ہلاک نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے احکام جاری کر دیے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ افراد کو زندہ پکڑو اور جنگی قیدی بناؤ۔ میں انہیں تلوار سے زیر کر کے اخلاق سے ذہن نشین کراؤں گا کہ تم مسلمان سپاہی ہو اور تمہارے بادشاہ تمہارے مذہب کے دشمن کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔"

"کسی قوم کو مارنا ہو تو اس میں خانہ جنگی کرا دو۔" سالار شمس الدین نے کہا—— "صلیبیوں نے کامیابی سے یہ حربہ استعمال کیا ہے۔"

"مسلمان قوم کی مثال بارود کی سی ہے۔" سلطان ایوبی نے کہا—— "یہ قوم جذباتی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ بارود کے اس ڈھیر میں کہیں سے بھی چنگاری آن گرے یہ دھماکے سے پھٹ جاتا ہے۔ یہ چنگاری مسجد کے امام سے ملے یا عیش پرست حکمران سے یا دشمن ہمارے ہی بھائیوں کے ہاتھوں یہ چنگاری پھینکے، جذبات بارود کی طرح پھٹتے ہیں۔ اگر قوم کی یہ کمزوری جڑ پکڑ گئی تو قوم کا اللہ ہی حافظ ہے۔ قوم اگر زندہ رہی تو کفار اسے دھڑوں میں تقسیم کر کے لڑاتے رہیں گے اور قوم کے سربراہ حکمرانی کے نشے اور لالچ میں آپس میں لڑتے رہیں گے۔ یہ جو تین فوجیں اپنی ہی قوم کے خلاف یلغار کر کے آئی ہیں، ان کے سربراہ اکٹھے ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ وہ ایک دوسرے کو دھوکہ فریب دے کر سلطنتِ اسلامیہ کے بادشاہ بننا چاہتے ہیں۔ میں ان لوگوں کے دماغوں سے بادشاہی کا کیڑا نکال کر قوم کو راہِ راست پہ لانے کی فکر میں ہوں۔ میرے پیشِ نظر اسلام کا تحفظ اور فروغ ہے۔"

☆

قرونِ حماۃ سے تھوڑی ہی دور حرن کا قلعہ دار گمشتگین جس نے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا اپنے سالاروں اور چھوٹے بڑے کمانڈروں کو اکٹھا کر کے کہہ رہا تھا—— "صلاح الدین ایوبی صلیبیوں کو شکست دے سکتا ہے۔ وہ جب تمہارے سامنے آئے گا تو لومڑی کی ساری چالیں بھول جائے گا۔ وہ ہم میں سے نہیں، وہ کرد ہے۔ تم پکے مسلمان ہو، دین دار اور پرہیزگار ہو۔ وہ صرف نام کا مسلمان ہے، مکار اور عیار ہے۔ وہ یہاں اپنی سلطنت قائم کر کے اس کا بادشاہ بننے کی کوشش میں ہے۔ میں تمہیں اس کی جنگی کیفیت بھی بتا دیتا ہوں۔ اس کے پاس فوج بہت تھوڑی ہے اور وہ پہاڑیوں میں گھرا بیٹھا ہے۔ تھوڑی ہی دیر پہلے جاسوسوں نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اس کی فوج خیموں میں آرام کر رہی ہے اور اس کے گھوڑے بھی تیاری کی حالت میں نہیں۔ اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اسے یقین ہے کہ اسے ہم شکست نہیں دے سکتے۔ دوسری یہ کہ اسے یہ خوش فہمی بھی ہو سکتی ہے کہ ہم